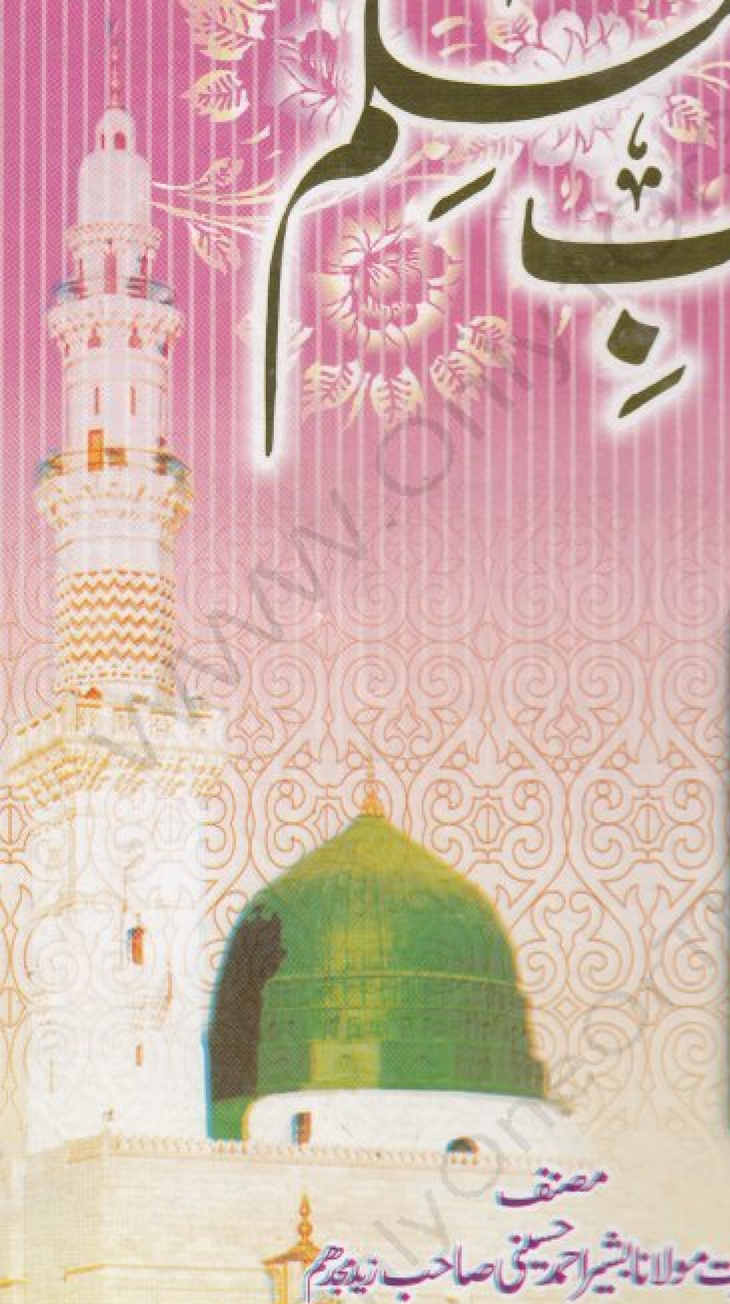
جوابِ مسلم



جس میں ناروے کے مسیحی مبشر صاحب نے اسلام پر جو انسٹھ (۵۹) بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں ان کے مدلل اور مسکت جوابات تحریر کیے گئے ہیں نیز موصوف کی افترا پردازی اور کذب بیانی کو بھی منظر عام پر لایا گیا ہے۔

مصنف

حضرت مولانا بشیر احمد حسینی صاحب زیدمجدہم

ناشر

محمد عمر فاروقی ناظم مکتبہ اشرفیہ

بھینس کالونی لانڈھی، کراچی نمبر ۳۴

کتاب ـــــــــ جواب مسلم

مُصنف ـــــــــ بشیر احمد حُسینی

کمپوزر ـــــــــ محمد ساجد مقبول شورکوٹ کینٹ

ناشر ـــــــــ مکتبہ اشرفیہ کراچی

پریس ـــــــــ

بار ـــــــــ دوم

تعداد ـــــــــ گیارہ سو

قیمت ـــــــــ ۱۵۰ روپے

باراوّل :- بروز جمعرات ۲۶ ذیقعد ۱۴۲۳ھ

بمطابق :- ۳۰ جنوری ۲۰۰۳ء

باردوم :- بروز جمعرات ۹ ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ

بمطابق :- ۲۹ مارچ ۲۰۰۷ء

فہرست مضامین

جواب مسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

"اسلامی بشیر"

کی طرف سے

"مسیحی مبشر"

کے انسٹھ (۵۹) بے بنیاد اعتراضات
کے مکمل ، مدلل اور مسکت جوابات

بنام

"جواب مسلم"

منظر عام پہ

ہونگے اور جو سہینگے جفائیں تیری
ہم نہیں کسی کا ناز اٹھانے والے

(تفصیلات اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اسلام کا کلمہ

(نجات اور جنّت کی بشارت)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ ؕ

(نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے

حضرت مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ہیں)

فضیلت

حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی صدق دل سے اس کلمہ پاک کو مانے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے

مگر

عمل شرط ہے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۵

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ
عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اٰلِ
مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ
عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبیست

(حسینی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵

پیش آہنگ

یہود ونصاریٰ دونوں اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔قرآن حکیم نے اس حقیقت کو دعویٰ اور دلیل دونوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔دین اسلام پر عیسائیوں کے اعتراضات نئے نہیں بلکہ یہ اتنے ہی قدیم ہیں جتنا اسلام۔فرق صرف زمان ومکان اور زبان و بیان کا ہے۔قرآن و حدیث میں ان کے تمام بنیادی اعتراضات کا اصولی جواب دیا گیا ہے۔

حضرت مولانا بشیر احمد حسینی دامت برکاتہم (شورکوٹ کینٹ،ضلع جھنگ) ہمارے اکابر کی نشانیوں میں سے ہیں۔نہایت سادہ اور شگفتہ مزاج ہیں۔خشونت و یبوست اور رہبانیت سے کوسوں دور۔حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبتوں سے جی بھر کے فیض پایا۔انہی اسلاف کی تربیت اور دعاؤں کا اثر ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے محاذ پر اسلام کی خدمت ودفاع کی جُہدِ مُبین میں مصروف ہیں۔

عصر حاضر میں عیسائیت ،جس بھونڈے انداز میں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہے ، اس کا جواب اس لئے ضروری ہے کہ سادہ لوح مسلمان عیسائیت کے دام تذویر میں آنے سے محفوظ رہیں۔

''جواب مسلم'' دراصل ناروے کے مسیحی مبشر کے اسلام پر انتہائی بے بنیاد اعتراضات کے مدلل جوابات ہیں۔مولانا بشیر احمد حسینی مدظلہ نے اپنے جوابات میں خدمتِ اسلام کا حق ادا کر دیا ہے۔

ان جوابات سے عیسائی تو قطعاً مطمئن نہ ہوں گے لیکن عام مسلمانوں کو اس کا فائدہ یقیناً ہو گا۔عیسائیوں کے عدم اطمینان پر بھی قرآن شاہد عدل ہے ''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہونگے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کرلو۔'' (البقرہ:۱۲۰)

مولانا کی خواہش اور حضرت قائد احرار ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کی فرمائش

پر یہ شاہکار کتاب بخاری اکیڈمی شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مولانا کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو فتنہ عیسائیت کی فریب کاریوں سے بچنے کا ذریعہ بنائے۔ نیز آخرت میں نجات کا باعث بنائے۔ (آمین)

سید محمد کفیل بخاری

مرکزی نائب ناظم، مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

تاریخ:۔ جمعرات ۲۱ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ

بمطابق:۔ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۲ء



باسمہ سبحانہ

انتساب

اپنے پیارے والدین مرحومین کے نام
جنھوں کی بہترین تربیت نے اسلام
کی
محبّت اور خدمت
کا
ذوق اور شوق
پیدا کیا۔
دعا ہے کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو
جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے
آمین ثم آمین

کہاں میں اور کہاں نکہتِ گل
اے نسیم صبح !تیری مہربانی ہے

بشیر احمد حسینیؔ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

توجہ فرمائیے!

ایک تحریر نظر سے گزری، جو چار صفحات پر مشتمل اور ناروے کے ایک مسیحی مبشر صاحب کی طرف سے ہے۔اس میں ہم اہل اسلام کی بابت یہ الفاظ موجود ہیں:۔"مسلم دوست بھی کم از کم اپنی بابت محض سوچ سکیں"۔ہم نے اس تحریر کو سوچا اور بہت سوچا، اس پر غور کیا اور بہت غور کیا تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ہر عقلمند انسان اس بھونڈے اندازِ بیان کو دیکھ کر یہ سچی بات کہنے پر مجبور ہوگا کہ یہ فعل کسی مذہبی راہ نما کا تو در کنار بلکہ کسی با اخلاق اور صحیح الدماغ آدمی کا بھی معلوم نہیں ہوتا۔

اس تحریر میں ہم پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور آب رواں پر بنیاد مکاں کی حیثیت رکھتے ہیں ان اعتراضات میں اہل اسلام پر اس طرح کیچڑ اچھالا گیا ہے کہ قرآن پاک صاحب لولاک ﷺ اور ہماری طرف خود وضع کردہ باتوں کو بلا جھجک منسوب کیا گیا دانشمندوں کی دنیا میں اس کار کو بدترین اور قابل نفرین سمجھا اور کہا جاتا ہے۔بہتان کثرت سے بار بار لگائے اور جھوٹ کے پل باندھے ہیں۔ستم پہ ستم یہ کہ جو باتیں ہمارے دامن میں ڈالی گئی ہیں۔ان پر ہماری کسی معتبر اور مستند کتاب سے حوالہ جات بھی نہیں دئے گئے۔علمی گفتگو میں یہ طریق کار اختیار کرنا بد دیانتی پر محمول اور خیانت سمجھا جاتا ہے۔

معہذا معترض نے اپنی الہامی کتاب بائبل کو خیر باد کہہ کر اور ترک کر کے اس کے خلاف بلا خوف و خطر آزادی سے کلام کیا۔اس سے یہ ہوا کہ جو اعتراضات ہم پر بلا تامل کیے تھے ان کا نشانہ بائبل بھی بنی کیونکہ ایسی باتیں بائبل میں بھی موجود ہیں۔الغرض یہ اعتراضات ایجاد بندہ اور جھوٹ کا پلندا ہیں۔

الحمد اللہ! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے ان سوہان روح، مکروہ اور بے بنیاد اعتراضات کے مکمل اور مدلل جوابات احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے دیکر ابھی حقیقت و صداقت کو

خوب روشن کر دیا ہے کہ اسلام ان بے بنیاد اعتراضات سے پاک ہے۔

اب اگر کوئی صاحب "جواب مسلم" کا جواب تحریر کرنے کی کوشش کرے تو اس کے لیے یہ بات

(۲) (۱)

اشد ضروری اور لازمی ہے کہ جس طرح ہم نے ہر اعتراض کا جواب بمعہ حوالہ اور دیانت سے

(۳)

تحریر کیا ہے۔ بالکل اسی طرح جواب لکھے۔ نیز جو کچھ دریافت کیا گیا ہے اس کی طرف خصوصی توجہ دے اگر کوئی ان تینوں باتوں سے اعراض اور روگردانی کر کے جواب لکھے گا تو اسے جواب نہیں بلکہ سراب تصور کیا جائے گا۔

یاد رہے کہ ہم جوابات میں قرآن پاک کی آیات مبارکہ کا صرف اردو ترجمہ نہیں لکھیں گے بلکہ آیات مبارکہ عربی زبان میں لکھیں گے کیونکہ الحمدللہ ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری کلام یعنی قرآن مجید اصلی زبان میں ہے۔ مگر مسیحی علماء اپنی انجیل کو اصلی زبان میں لکھنے سے قاصر و عاجز ہیں کیونکہ ان کے پاس اصلی انجیل موجود ہی نہیں۔

ہم قرآن مجید سے آیات مبارکہ کو نقل کریں گے اور بعض مقامات پر صرف ایک یا چند الفاظ مبارک لکھیں گے مگر حوالہ پوری آیت کا ہوگا۔ اسی طرح بائبل سے پوری آیات لکھیں گے مگر بعض مقامات پر ایک یا چند الفاظ لکھ کر پوری آیت کا حوالہ ہوگا۔

مسیحی مبشر صاحب کے ان اعتراضات میں طرح طرح اور گوناگوں کی بہت سی غلطیاں پائی جاتی ہیں ان اعتراضات کو اسی طرح نقل کیا جائے گا۔ اعتراض ۵۸ کے جواب کے بعد ان غلطیوں کی طرف توجہ کی جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

ان گذارشات کے بعد اگلے صفحات پر ٹھنڈے دل، کامل عقل اور نگاہِ عدل سے اعتراضات کے جوابات سماعت فرمائیے اور لذت اٹھائیے۔

دیکھنے کی چیز ہے اسے بار بار دیکھ

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۵

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

سچّا مذہب کونسا ہے؟

(یہودیت، مسیحیت یا اسلام؟)

اسبات میں تل برابر شک اور ذرہ بھر شبہہ کی گنجائش نہیں کہ آسمانی مذہب کی بنیاد آسمانی کتاب پر ہوتی ہے تو اس حقیقت کے پیش نظر اگر آسمانی کتاب سچی ہے تو مذہب بھی سچا ہے اور اگر آسمانی کتاب صداقت سے دور ہے تو لازمی طور پر آسمانی مذہب بھی صداقت سے دور ہوگا۔

چونکہ مسیحی علماء سب سے پہلے آسمانی کتاب تورات موسوی کا نام لیتے اور آسمانی مذہب کا دم بھی بھرتے ہیں اسلئے ہمارے لیے یہ بات نہایت لازمی اور اشد ضروری ہے کہ یہ لوگ جس کتاب کو آسمانی کتاب اور تورات موسوی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی جانچ پڑتال کریں اور اسے منظر عام پر لائیں تو مسیحی دنیا جس کتاب کو تورات موسوی کے نام سے یاد کرتی اور پکارتی ہے وہ بائبل کے عہد قدیم کی پہلی پانچ کتابیں اور ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱:۔ پیدائش ۔۲:۔ خروج ۔۳:۔ احبار ۔۴:۔ گنتی ۔۵:۔ استثنا۔

تورات خداوند کے صندوق میں

یہ لوگ متذکرہ بالا پانچوں کتابوں کی بابت کہتے ہیں کہ سیّدنا حضرت موسٰی علیہ السلام نے انہیں تحریر فرما کر صندوق میں رکھدیا تھا جسے عہد کا صندوق یا خداوند کا صندوق کہا جاتا ہے اور سیّدنا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے اس صندوق کو فرمانِ الٰہی کے مطابق بنوایا اور تیار کیا تھا۔ (خروج باب ۲۵ : آیات ۱۰ تا ۲۱)۔ اس صندوق میں تورات رکھ کر اسے بنی لاوی اور اسرائیل کے

سب بزرگوں کے سپرد کردیا اور انہیں یہ حکم بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ہر سات سال کے آخر میں جب سب اسرائیلی جمع ہوں تو انکو تورات پڑھکر سنانا۔(استثنا ۳۱: ۹ تا ۱۳)۔

اس جلد کے علاوہ بنی اسرائیل میں سے جو بادشاہ بنتا تھا اُسے یہ حکم تھا کہ اس تورات سے ایک نقل تیار کرے اُسے اپنے پاس رکھے اور اسے پڑھے:۔

''اور جب وہ تخت سلطنت پر جلوس کرے تو اس شریعت کی جولاوی کاہنوں کے پاس رہیگی ایک نقل اپنے لیے ایک کتاب میں اتار لے۔اور وہ اسے اپنے پاس رکھے اور اپنی ساری عمر اسکو پڑھا کرے تا کہ وہ خداوند اپنے خدا کا خوف ماننا اور اس شریعت اور آئین کی سب باتوں پر عمل کرنا سیکھے۔'' (استثنا ۱۷: ۱۸ و ۱۹)۔

اس مقام پر نہایت مناسب معلوم ہوتا اور بہت زیب دیتا ہے کہ چار باتیں ایسی تحریر کردی جائیں جن سے حقیقت بخوبی دماغ میں آ اور دل میں سما سکے۔

اوّل:۔حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے تورات کو دو مرتبہ پڑھکر بنی اسرائیل کو سنایا:۔

الف:۔(یوشع ۴ : ۱۰۔ب:۔یوشع ۸ : ۳۴)۔حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد قاضیوں کا زمانہ اس کے بعد بنی اسرائیل میں بادشاہوں کے زمانے کا آغاز ہوتا ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت تک تورات کو پڑھکر سنانے کے حکم پر عمل نہیں ہوا اور یقیناً نہیں ہوا۔کسی مسیحی عالم کے بس کی بات نہیں کہ بائبل سے اس حکم پر عمل ثابت کر سکے۔

دوم:۔اسرائیلی بادشاہوں نے اپنے لئے تورات سے نقل کر کے ایک جلد اپنے پاس رکھنے پر بھی عمل نہیں کیا تو ایسے میں تورات کے پڑھنے اور ملک میں اس کے آئین نافذ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آگے چل کر یہ سب کچھ خود بخود اظہر من الشمس ہو جائیگا۔انشاء اللہ تعالیٰ

سوم :-تورات کا حافظ کوئی نہ تھا۔

چہارم :-تورات کی جلد صرف ایک جو بنی لاوی اور اسرائیلی بزرگوں کے پاس' باقی تمام بنی اسرائیل تورات سے محروم اوران کا گزارہ صرف ہر سات سال کے آخر میں تورات کی سماعت پر تھا۔ پادری جے علی بخش صاحب بھی اسبات کے معترف چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

"**ورق بنا لکھے**" (قراطیس جمع قرطاس۔کاغذ)۔توریت شریف کاغذوں کے طومار پر لکھی گئی اور وہ **لپیٹا رہتا تھا** اور جس مقام کو پڑھنا ہوتا اس طومار میں سے وہ جگہ نکال لیتے۔جمع کا لفظ اس لئے آیا ہے کہ اس طومار میں کاغذوں کو جوڑ کر ایک لمبا کاغذ بنا لیتے اور جسے وہ لپیٹ کر رکھتے۔

ایسے طوماروں کا ذکر بائبل میں کئی جگہ آیا ہے۔(یرمیاہ ۳۶ ۲:وحزقی ایل ۲:۹وزکریاہ ۵:۱ وعزراہ ۶:۱ ویسعیاہ ۸:۱)-محمد علی صاحب نے جو بکھرے ورقے کا ترجمہ کیا ہے اور نذیر احمد صاحب نے بھی ورق ترجمہ کیا وہ موجودہ کتابوں کی صورت کے لحاظ سے کیا۔لیکن یہ طومار موجودہ کتابوں کی صورت میں نہ تھے بلکہ ایسے تھے جیسے ہندو جنم پتریاں طومار کی صورت میں بنائی جاتی ہیں۔چونکہ یہ طومار قیمتی ہوتے تھے اور خاص ربیوں کے ہاتھ میں تھے عوام ان سے واقف نہ تھے"۔(تفسیر قرآن حصّہ اوّل تحت سورہ انعام ۹۲,صف ۱۹۳)-

الغرض ہمارا یہ قول بالکل صداقت پر مبنی ہے کہ تورات کی جلد صرف ایک اور وہ بنی لاوی اور اسرائیلی بزرگوں کے پاس تھی اور عوام تورات سے خالی تھے۔اس صداقت کے پیش نظر یہ کہنا کہ تورات گھر گھر پہنچ چکی تھی۔انسانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے مترادف ہے۔

صادق ہوں اپنے قول کا غالبؔ خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے تورات کو جس صندوق میں رکھا تھا۔اس صندوق پر کیا کیا گزری اور اس صندوق کو کن کن حوادث کا شکار ہونا پڑا؟ چونکہ یہ داستان طویل ہے اس لیے ہم نے اسے نظر

انداز کر دیا ہے۔ گو اس صندوق کا ذکر قرآن مجید میں (البقرۃ: ۲۴۸) پایا جاتا ہے مگر اس میں تورات کے ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

تورات گم ہوگئی

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت میں عہد کے صندوق کو کھولا گیا تو تورات اس میں موجود نہ بلکہ مفقود تھی چنانچہ یہود و نصاریٰ کی الہامی کتاب اس بات کو یوں بیان کرتی ہے:-

''اور اس صندوق میں کچھ نہ تھا سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے جنکو وہاں موسیٰ نے حورب میں رکھ دیا تھا۔ جس وقت کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے جب وہ ملک مصر سے نکل آئے عہد باندھا تھا''۔

(۱-سلاطین ۸:۹)۔

مسیحی علماء اس مقام پر یہ بات کہتے ہیں کہ صرف تورات کی پانچویں کتاب ''استثنا'' گم ہوئی تھی مگر ان کا یہ قول صداقت سے دور ہے کیونکہ زیر نظر مقام اس بات کی پر زور شہادت دیتا اور ببانگ دُہل اعلان کرتا ہے کہ عہد کے صندوق میں سوا پتھر کی ان دو لوحوں کے کچھ بھی نہ تھا یعنی تورات کی پانچوں کتابیں گم تھیں۔

اہل کتاب کی الہامی کتاب اسبات کا اظہار بھی کرتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دین کے ساتھ کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا کیونکہ آپ آخری عمر میں عورتوں کے عشق و محبت کا دم بھرنے اور غیر معبودوں کی پوجا پاٹ کرنے لگے تھے۔ اس الہامی کتاب کے اصل الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:-

''اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی-عمونی-ادومی-صیدانی اور حِتّی عورتوں سے محبت کرنے لگا۔ یہ ان قوموں کی تھیں جنکی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم انکے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کرلینگی۔ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا۔ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرم میں تھیں۔ اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا۔ کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اسکی بیویوں نے اس کے دل کو غیر

معبودوں کی طرف مائل کرلیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا۔ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا۔ اور سلیمان نے خداوند کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔ پھر سلیمان نے موآبیوں کے نفرتی کموس کے لیے اس پہاڑ پر جو یروشلیم کے سامنے ہے اور بنی عمون کے نفرتی مولک کے لیے بلند مقام بنا دیا۔ اس نے ایسا ہی اپنی سب اجنبی بیویوں کی خاطر کیا جو اپنے دیوتاؤں کے حضور بخور جلاتی اور قربانی گذرانتی تھیں۔ اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اسکا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا جس نے اسے دوبارہ دکھائی دیکر اسکو اسبات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند نے دیا تھا''۔ (۱۔سلاطین ۱۱ : ۱تا۱۰)۔

بائبل کے مندرجہ بالا الہامی الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا عجیب عالم ہے کیونکہ ایک طرف ایمان تو درکنار بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو انسانی شرافت سے دور مانتے ہیں۔ اور دوسری طرف آپ کے نغموں (غزل الغزلات) کو الہامی تسلیم کرتے اور انہیں بائبل کے عہد قدیم میں ''واعظ'' اور ''یسعیاہ'' کے درمیان جگہ دی ہوئی ہے نیز حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدح یوں بیان کی گئی ہے:۔

''پھر داؤد نے اپنی بیوی بت سبع کو تسلی دی اور اس کے پاس گیا اور اس سے صحبت کی اور اس کے ایک بیٹا ہوا اور داؤد نے اسکا نام سلیمان رکھا اور وہ خداوند کا پیارا ہوا۔ اور اس نے ناتن نبی کی معرفت پیغام بھیجا سو اس نے اس کا نام خداوند کی خاطر یدیدیاہ رکھا''۔ (۲سموئیل ۱۲:۲۴و۲۵) یاد رہے کہ ریفرنس والی بائبل میں مندرجہ بالا مقام کے لفظ ''یدیدیاہ'' کے اوپر ''الف'' لکھ کر نیچے حاشیہ پر ''الف'' کے تحت یوں لکھا گیا ہے:۔ ''یعنی محبوب خداوند''۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا اور وہ یہ ہے کہ (۱۔سلاطین ۱۱:۱تا۱۰) اور (۲۔سموئیل ۱۲:۲۴و۲۵) میں جو کچھ پیغمبر رحمان حضرت سلیمان علیہ السلام کی بابت تحریر کیا گیا ہے کیا ان دونوں مقامات میں تضاد نہیں کیا الہامی

کتاب میں تضاد ہوتا ہے؟۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خُدا کو دیکھ کر

چونکہ قرآن مجید حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبی قرار دیتا ہے۔اس لیے آپ کی مدح یوں بیان فرماتا ہے:۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ط نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗ اَوَّاب ''۔(صٓ:۳۰)

یعنی اور دیا ہم نے داوٗد کو سلیمان بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع لانیوالا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

''ف ۴ یعنی سلیمانؑ بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا''۔ (تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

چونکہ قرآن مجید آپ کی عزت وعظمت کی پرزور شہادت دیتا ہے اس لیے ہم اہل اسلام ان بدترین کاموں کو جو آپ کی بابت (۱-سلاطین ۱۱:۱تا۱۰) میں پائے جاتے ہیں۔انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام پر بہتان عظیم قرار دیتے ،آپ کے دشمن اور بے دین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بہر حال اہل کتاب کی الہامی کتاب اسبات کی پرزور شہادت دیتی اور ببانگ دُہل اعلان کرتی ہے کہ حضرت سلیمانؑ علیہ السلام کے عہد حکومت میں عہد کے صندوق میں تورات موجود نہ بلکہ مفقود اور گم ہو چکی تھی۔اگر ہمارے مخاطبین تورات کے گم ہونیکا یہ زمانہ تسلیم نہیں کرتے تو جس طرح ہم نے بائبل سے یہ ثبوت مہیا کیا ہے کہ تورات حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت میں گم ہو چکی تھی تو بالکل اسی طرح بائبل سے وضاحت فرمادیں کہ تورات کس زمانہ میں گم ہوئی تھی ؟ جبکہ یہ لوگ تورات کے دستیاب ہونے کے قائل ہیں تو اس بات سے یہ بات خوب اجاگر و منور ہوتی ہے کہ یہ لوگ تورات کے گم ہونیکے بھی قائل ہیں۔

تورات مل گئی

جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں تورات کے گم ہونیکا پتہ چلتا ہے۔ بالکل اسی طرح یوسیاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں تورات کے ملنے کا ذکر بھی پایا جاتا ہے:۔

''اور سردار کاہن خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور خلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اسکو پڑھا۔اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لیکر ان کارگذاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں۔اور سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ خلقیاہ کاہن نے ایک کتاب میرے حوالہ کی ہے اور سافن نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا۔جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے اور بادشاہ نے خلقیاہ کاہن اور سافن کے بیٹے اخی قام اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو جو بادشاہ کا ملازم تھا یہ حکم دیا کہ۔یہ کتاب جو ملی ہے اسکی باتوں کے بارے میں تم جا کر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو کیونکہ خداوند کا بڑا غضب ہم پر اسی سبب سے بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اسمیں ہمارے بارے میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرتے ''۔(۲ سلاطین ۲۲:۸تا۱۳)۔

''اور جب وہ اس نقدی کو جو خداوند کے گھر میں لائی گئی تھی نکال رہے تھے تو خلقیاہ کاہن کو خداوند کی توریت کی کتاب جو موسیٰ کی معرفت دی گئی تھی ملی۔تب خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے اور خلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی۔اور سافن وہ کتاب بادشاہ کے پاس لے گیا پھر اس نے بادشاہ کو یہ بتایا کہ سب کچھ جو تو نے اپنے نوکروں کے سپرد کیا تھا اسے وہ کر رہے ہیں۔اور وہ نقدی جو خداوند کے گھر میں موجود تھی انہوں نے لیکر ناظروں اور کارندوں کے ہاتھ میں سونپی ہے۔پھر سافن منشی نے بادشاہ سے کہا کہ خلقیاہ کاہن نے مجھے یہ کتاب دی ہے اور سافن نے اس میں سے بادشاہ کے حضور پڑھا۔اور ایسا

ہوا کہ جب بادشاہ نے توریت کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے۔ پھر بادشاہ نے خلقیاہ اور اخی قام بن سافن اور عبدون بن میکاہ اور سافن منشی اور بادشاہ کے نوکر عسایاہ کو یہ حکم دیا کہ جاؤ اور میری طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جو اسرائیل اور یہوداہ میں باقی رہ گئے ہیں اس کتاب کی باتوں کے حق میں جو ملی ہے خداوند سے پوچھو کیونکہ خداوند کا قہر جو ہم پر نازل ہوا ہے بڑا ہے اس لئے کہ ہمارے باپ دادا نے خداوند کے کلام کو نہیں مانا ہے کہ سب کچھ جو اس کتاب میں لکھا ہے اسکے مطابق کرتے''۔(۲-تواریخ ۳۴:۱۴تا۲۱)۔

ان دونوں کتابوں نے توریت کے ملنے کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس میں یہ اختلاف بھی ہے کہ (۲-سلاطین) میں میکایاہ کے بیٹے کا نام ''عکبور'' اور (۲-تواریخ) میں میکاہ کے بیٹے کا نام ''عبدون'' ہے۔ الغرض بائبل میں تورات کے گم ہونے اور ملنے کا ذکر موجود ہے۔

پادری خیر اللہ صاحب بھی اسکے معترف چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

''ہیکل کی طہارت اور بحالی کے کام کے دوران (۶۲۲ ق م) شریعت کی کتاب بھی ملی موسیٰ کی معرفت دی گئی توریت کی کتاب کے پڑھنے سے اصلاح کی اس تحریک کو ایک نئی قوت ملی۔ اگرچہ گذشتہ سالوں میں توریت کی تلاوت اور اس پر عمل موقوف رہا تھا تاہم یہ ناممکن تھا کہ منسی توریت کی ان جلدوں کو جو یہودیہ کے ملک میں گشت کر رہی تھیں ختم کرا سکے۔ خُلدہ نبیہ نے لوگوں کو اس متوقع عدالت کے بارے میں جو شریعت سے لاپرواہی کے باعث ان پر آنیوالی تھی پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر یوسیاہ نے عید فسح اس طریقے سے منائی کہ اس سے پیشتر یہوداہ کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی''۔

(قاموس الکتاب-تحت یوسیاہ-صفحہ ۱۱۷۶)۔

پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ اس لحاظ سے تو صحیح ہیں کہ تورات کے گم ہونے سے قبل کبھی بھی ایسی دھوم دھام اور شان و شوکت سے عید فسح منائی نہیں گئی تھی۔

(۲-سلاطین ۲۳:۲۱تا۲۳ و ۲-تواریخ ۳۵:۱تا۱۹)۔

مگر اس سے یہ سمجھنا کہ درمیانی مدت میں عید فسح منائی جاتی تھی۔ بالکل غلط ہے کیونکہ تورات کے گم ہونے کے بعد تورات کا پڑھنا' سننا' اس پر عمل پیرا ہونا اور عید فسح کا منانا موقوف تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تورات کے دستیاب ہونے کے بعد عید فسح منانے کا دوبارہ مدت مدید اور عرصہ بعید کے بعد آغاز ہوا۔ اسی بات کو ڈاکٹر۔ ڈبلیو۔ جی۔ بلیکی صاحب نے بھی لکھا ہے:۔

''یوسیاہ کی سلطنت کے دوسرے حصہ میں یہ بڑی بڑی باتیں واقع ہوئیں تورات دستیاب ہوئی یروشلیم میں عید فسح منائی گئی تمام سلطنت میں اس لئے دوبارہ دَورہ کیا گیا کہ خدا کی پاک عبادت زیادہ مستحکم ہو''۔ (تواریخ بائبل صفحہ ۳۷۷)۔

الحاصل ڈاکٹر بلیکی صاحب۔ڈی۔ڈی۔ کے بیان سے بھی ہمارا قول ثابت ہے۔

یاد رہے کہ جو چار باتیں پہلے تحریر کی جا چکی ہیں وہی چاروں باتیں مذکورہ بالا مقامات سے بھی روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہیں۔

جو مسیحی علماء یہ بات کہتے ہیں کہ تورات کی کتاب صرف ''استثنا'' گم ہوئی تھی۔ انکی بات بنتی نہیں اور دال گلتی نہیں کیونکہ اگر یہی کتاب گم ہوئی ہوتی تو تورات کی تلاوت' اس پر عمل پیرا ہونا اور عید فسح کا منایا جانا یقیناً یہ سب اعمال موقوف نہ ہوتے جبکہ تورات کی پہلی چار کتابیں موجود اور عید فسح یا فسح کا حکم (خروج باب ۱۲)۔ میں موجود ہے۔ نیز یوسیاہ بادشاہ نے یہ الفاظ کہے (ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اس میں ہمارے بارے میں لکھا ہے اسکے مطابق عمل کرتے (۲۔سلاطین ۲۲:۱۳) یہ الفاظ اس بات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہیں کہ پوری تورات دستیاب ہوئی تھی نہ کہ صرف ''استثنا''۔

جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں یہ سراغ ملتا اور پتہ چلتا ہے کہ تورات گم ہے۔ اور اسکے ملنے کا ذکر یوسیاہ بادشاہ کے دور سلطنت کے اٹھارھویں سال میں پایا جاتا ہے۔ تو اس حقیقت کے پیش نظر دیکھنا یہ ہے کہ تورات کتنے سال گم رہی؟ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں زبردست پھوٹ پڑ گئی اور یہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی

اسرائیل کے ایک گروہ نے یربعام کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس حکومت کا نام ''اسرائیلی حکومت'' رکھا تو دوسرے گروہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لڑکے رجعام کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا اور اس حکومت کا نام ''یہوداہ کی سلطنت'' رکھا بنی اسرائیل کی ان دونوں حکومتوں میں اس قدر نفرت وعداوت پائی جاتی تھی کہ ان دونوں حکومتوں کا آپس میں قتل وخون کا بازار گرم رہا بے دینی اور بت پرستی بڑھتی رہی۔

تورات کتنی مدت گم رہی؟

تورات کے ملنے کا ذکر یوسیاہ کے عہد حکومت میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ بادشاہ یوسیاہ سلطنت یہوداہ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ہم نے تورات کے گم ہونے کی مدت کو سلطنت یہوداہ کے پہلے بادشاہ رجعام کے عہد حکومت سے شمار کیا ہے:-

نمبر شمار	بادشاہوں کے نام	حکومت کی کل مدت	حوالہ جات
۱	رجعام	۱۷ سال	۱-سلاطین ۱۴:۲۱، ۲-تواریخ ۱۲:۱۳-
۲	ابیام	۳ سال	۱-سلاطین ۱۵:۲، ۲-تواریخ ۱۳:۲-
۳	آسا	۴۱ سال	۱-سلاطین ۱۵:۱۰، ۲-تواریخ ۱۶:۱۳-
۴	یہوسفط	۲۵ سال	۱-سلاطین ۲۲:۴۲، ۲-تواریخ ۲۰:۳۱-
۵	یہورام	۸ سال	۲-سلاطین ۸:۱۷، ۲-تواریخ ۲۱:۵-
۶	اخزیاہ	۱ سال	۲-سلاطین ۸:۲۶، ۲-تواریخ ۲۲:۲-
۷	عتلیاہ	۶ سال	۲-سلاطین ۱۱:۳، ۲-تواریخ ۲۲:۱۲-
۸	یہوآس	۴۰ سال	۲-سلاطین ۱۲:۱، ۲-تواریخ ۲۴:۱-
۹	امصیاہ	۲۹ سال	۲-سلاطین ۱۴:۲، ۲-تواریخ ۲۵:۱-
۱۰	عزریاہ	۵۲ سال	۲-سلاطین ۱۵:۲، ۲-تواریخ ۲۶:۳-
۱۱	یوتام	۱۶ سال	۲-سلاطین ۱۵:۳۳، ۲-تواریخ ۲۷:۱-
۱۲	آخز	۱۶ سال	۲-سلاطین ۱۶:۲، ۲-تواریخ ۲۸:۱-
۱۳	حزقیاہ	۲۹ سال	۲-سلاطین ۱۸:۲، ۲-تواریخ ۲۹:۱-

۱۴	منسّی	۵۵سال	۲-سلاطین ۲۱: ۱،۲-تواریخ ۳۳: ۴-
۱۵	امون	۲سال	۲-سلاطین ۲۱: ۱۹،۲-تواریخ ۳۳: ۲۱-
۱۶	یوسیاہ	۷اسال	۲-سلاطین ۲۲: ۳،۸،۲-تواریخ ۳۴: ۸،۱۴-

یوسیاہ بادشاہ کی حکومت کے اٹھارھویں سال تورات ملی ۔ان بادشاہوں کی مجموعی حکومت کی کل مدت ۳۵۷ سال بنتی ہے نتیجہ یہ کہ تورات پورے ۳۵۷ سال گم رہی ۔ عقل وعدل اس مقام پر برملا اظہار کرتے ہیں کہ جو کتاب اتنا عرصہ مدید اور مدت بعید گم رہی ہو اس کی بابت یہ دعوٰی کرنا کہ اس کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا محض خوش فہمی اور خام خیالی ہے۔ ہمارے نزدیک موجودہ تورات بہت سے واضح دلائل کی بناء پر اصلی نہیں ان میں سے دس دلیلیں مندرجہ ذیل بھی ہیں:-

تحریف تورات پر پہلی دلیل

تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کی طرف سوہان روح اور مکروہ واقعہ کی نسبت کی گئی ہے:-

''تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ۔آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ۔سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ۔اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی ۔آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ۔سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ۔سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں''۔ (پیدائش ۱۹: ۳۱ تا ۳۶)-

استغفر اللہ ،معاذ اللہ ۔اس واقعہ کے جھوٹے ہونے پر صرف پانچ باتیں تحریر کی جاتی ہیں جو کہ ایک انصاف پسند ،عقلمند اور ذی علم انسان کے لیے کافی ہیں:-

الف :- جبکہ عذاب الٰہی صرف اسی علاقہ پر آیا تھا جس علاقہ کی طرف حضرت لُوط علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی' اور گردونواح کا علاقہ اس عذاب سے محفوظ و مامون تھا اور اس میں انسانوں کی آبادی تھی۔ تو ایسے میں جو الفاظ لڑکیوں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں :-

''اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے''۔

یہ یقیناً جھوٹے ہیں پس یہ واقعہ بھی جھوٹا ہے۔

ب :- جبکہ فرشتوں نے حضرت لُوط علیہ السلام کو عذاب سے قبل جلدی سے شہر سے باہر جانے کو کہا (پیدائش ۱۹:۱۵) مگر جب آپ نے دیر لگائی تو فرشتوں نے حضرت لُوط علیہ السلام کے دست مبارک' آپ کی بیوی اور آپ کی دونوں لڑکیوں کے ہاتھ پکڑ کر شہر سے نکال دیا۔ (پیدائش ۱۹:۱۶) آپ اپنی دونوں لڑکیوں کے ہمراہ جلدی سے صُغر شہر میں پہنچے (پیدائش ۱۹ :۲۲و۲۳) بالآخر شہر صُغر کو خیر باد کہ کر ایک پہاڑ کی غار میں سکونت اختیار کی (پیدائش ۱۹:۳۰) تو اس سوال کا جواب بائبل سے تحریر کیا جائے کہ لڑکیوں نے شراب کہاں سے لی؟ چونکہ شراب کا حاصل کرنا بائبل سے ثابت نہیں ہوتا۔ پس یہ بات واقعہ کو جھوٹا ثابت کرتی ہے۔

ج :- سوال یہ ہے کہ بڑی لڑکی کو پہلی صحبت سے چوبیس گھنٹوں تک یہ پتہ کیسے چلا کہ وہ حاملہ ہے؟ کیونکہ اس زمانہ میں موجود ترقی نہ تھی کہ آلے وغیرہ سے دیکھ لیا ہو۔ نیز جب مرد اور عورت صحبت کرتے ہیں تو صحبت سے چوبیس گھنٹوں تک انہیں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ حمل ہو گیا ہے۔ کیونکہ حمل کے قرار پانے کا یقین ہونے کا دارومدار اور انحصار ماہواری پر ہے۔ اگر ماہواری آگئی تو حمل نہیں اور اگر ماہواری نہ آئی تو حمل کا یقین ہو گیا۔ تو اس حقیقت کے پیش نظر لڑکی کو کیسے پتہ چل گیا کہ وہ حاملہ ہو گئی ہے؟ نیز ماہواری کے ایام بھی آگے اور پیچھے ہو جاتے ہیں الغرض بڑی لڑکی کی طرف جو الفاظ منسوب کیے گئے ہیں۔ یہ خلاف حقیقت ہیں پس واقعہ بھی جھوٹا ہے۔

د :- اگر اس واقعہ کو سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے جو زلیخا کے ساتھ رونما ہوا تھا سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ واقعہ صریحاً جھوٹا ہے۔ کیونکہ سیّدنا حضرت

یوسف علیہ السلام صرف اسی لیے بچے تھے کہ آپ نبی تھے چونکہ سیدنا حضرت لوط علیہ السلام بھی نبی تھے اس لیے آپ کی لڑکیوں نے کوئی بیہودہ حرکت نہیں کی پس اس لحاظ سے بھی واقعہ میں صداقت نہیں۔ جو لوگ نبوت کے اعلیٰ و بلند مقام و مرتبہ کو اچھی طرح سے جانتے اور پہچانتے ہیں وہ لوگ یقیناً اس واقعہ کی تردید و تکذیب کریں گے اور جو لوگ نبوت کے بلند و اعلیٰ مقام و مرتبہ سے روشناس نہیں اور بالکل بے خبر ہیں وہ اس واقعہ کی تصدیق کریں گے۔

ھ:- واقعہ میں مندرجہ ذیل الفاظ دونوں راتوں کے متعلق اور دو بار ہی آئے ہیں۔

''پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی''۔

جبکہ شراب پینے سے اس قدر بے ہوشی ہو کہ جان پہچان ختم ہو جائے تو یقیناً ہوش و حواس قائم نہیں رہتے اور اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو اس صورت میں شرابی صحبت پر قادر نہیں ہوتا۔ پس اس حقیقت سے پیش نظر یہ واقعہ جھوٹا ہے اگر ہم پر اعتماد نہیں تو یہ بات کسی ماہر ڈاکٹر سے دریافت کر لی جائے۔ تو جواب یقیناً ہمارے حق میں ہوگا۔ ہم اہل اسلام حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی دونوں بیٹیوں کی عزت کا اظہار اور واقعہ کا انکار کرتے ہیں مگر ہمارے مخاطب ناروے کے مسیحی مبشر صاحب اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کی دونوں لڑکیوں کی عزت وعظمت کو داغدار اور واقعہ کا اقرار کرتے ہیں۔ تو اس بات کو خوب یاد رکھیئے!

کہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ
ہم وفا کرتے رہے وہ جفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض دونوں ہی ادا کرتے رہے
مرنے کے بعد یقیناً ایک دن ایسا بھی آئیگا
یارو ! روز محشر کھلیں گے دفتر
اِدھر ہمارے، اُدھر تمہارے
اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی سیّدنا لوط علیہ السلام کی توہین کے مرتکب کیلئے

''وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا''

توبہ کیلئے

''اب وقت بھی ہے اور مہلت بھی''

تحریف تورات پر دوسری دلیل

تورات کا مندرجہ ذیل مقام بھی اسبات کا اظہار کرتا ہے کہ موجودہ تورات حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تحریر فرمودہ نہیں:۔

''اور اسرائیل آگے بڑھا اور عدر کے بُرج کی پرلی طرف اپنا ڈیرا لگایا'' (پیدائش ۳۵:۲۱)۔

گو''عدر کے بُرج'' کا ذکر (میکا ۴:۸)۔ میں موجود مگر اس جگہ اس کا ترجمہ تحریر کیا گیا ہے:۔

''اے گلّہ کی دیدگاہ'' ۔فرقہ رومن کیتھولک (جو کہ فرقہ پروٹسٹنٹ سے بہت پہلے کا ہے اور فرقہ پروٹسٹنٹ کی بنیاد جناب لُوتھر صاحب نے ۱۵۱۷ء میں رکھی۔) کی بائبل میں یہ مقام یوں ہے:۔

''پھر اسرائیل نے کُوچ کیا اور اپنا خیمہ مجدل عادر کی پَرلی طرف لگایا۔'' (تکوین ۳۵:۲۱)۔

گو اس فرقہ نے (میکا ۴:۸)۔ میں ''مجدل عادر'' کا ترجمہ کردیا ہے:۔''اے گلّے کے بُرج''۔ مگر (تکوین ۳۵:۲۱)۔ کے ترجمہ ''مجدل عادر'' سے بات سمجھ میں آتی ہے۔ چونکہ ہمارے مخاطب مبشر صاحب کا تعلق فرقہ پروٹسٹنٹ سے ہے اس لیے اگر وہ کسی دوسرے فرقہ کی بات تسلیم نہ کرے تو اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ہم نے اس وجہ سے اس جگہ دونوں مقامات کو عبرانی بائبل سے تحریر کیا ہے۔ تاکہ کسی کو انکار کا موقعہ نہ ملے۔ بریشیت (پیدائش) باب ۳۵ :۲۱ کے بالکل آخر میں ''ل'' چھوڑ دیں کیونکہ یہ عبارت کی وجہ سے آیا ہے اس کے آگے چار حروف' اور وہ یہ ہیں:۔

م۔ج۔د۔ل = مجدل

اس کے آگے پھر تین حروف اور وہ یہ ہیں:۔

ع۔د۔ر =عدر

یعنی منارے یا برج کا پورا نام ''مجدل عدر'' ہے۔

میکاہ باب ۴: ۸ کی ابتداء کے چار حروف چھوڑ کر اگلے چار حروف مندرجہ ذیل ہیں:۔

م۔ج۔د۔ل =مجدل

ان کے آگے پھر تین حروف اور وہ یہ ہیں:۔

ع۔د۔ر =عدر

یعنی برج یا منارے کا پورا نام ''مجدل عدر'' ہے۔

اب یہ حقیقت خوب چمک اور دمک اٹھی کہ ''مجدل عدر'' یروشلیم (بیت المقدس) کے منارے یا برج کا نام ہے۔ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سینکڑوں سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس (یروشلیم) کو تعمیر کرایا تھا۔ تو حضرت (اسرائیل) یعقوب علیہ السلام نے ''مجدل عدر'' کی پرلی طرف کیونکر اور کیسے اپنا ڈیرا لگایا؟ اس سے یہ صداقت خوب اجاگر اور منور ہو گئی کہ موجودہ تورات کی پہلی کتاب (پیدائش) کو لکھنے والا شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت کے اس وقت کا ہے جبکہ یروشلیم کا منارہ ''مجدل عدر'' تعمیر ہو چکا تھا۔ پس ہم اسی طرح کے دیگر واضح دلائل اور بیّن ثبوت کے ہوتے ہوئے برملا کہتے ہیں کہ موجودہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ یہ بات ہم ہی نہیں کہتے بلکہ مسیحی علماء بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ پادری ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ صاحب رقمطراز ہیں:۔

''تورات یعنی موسیٰ کی پانچ کتابوں کی نسبت یہودی ہمیشہ سے یہ اعتقاد رکھتے آئے ہیں۔ کہ وہ عہد عتیق کے دیگر جملہ صحیفوں سے زیادہ مقدس اور قابل تعظیم ہے۔ اور وہ کبھی یہ جراءت نہیں کرتے تھے کہ اس کی نسبت کسی قسم کی نکتہ چینی کو دخل دیں کبھی کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ کہ ان کی نسبت اس قسم کے سوال اٹھائے کہ اس کا مصنف کون ہے۔ اور وہ کب اور کس طور سے تالیف وتصنیف ہوئی۔ عموماً یہ اعتقاد تھا کہ حضرت موسیٰ نے اسکو اس صورت میں جس

میں وہ اب موجود ہے لکھا تھا۔ مگر تو بھی بعض اشخاص کو یہ عجیب معلوم ہوا کرتا تھا۔ کہ اسی کتاب میں موسیٰ کی وفات کا حال بھی درج ہے۔ اور اس کے حق میں اس قسم کے کلمات لکھے ہیں۔ کہ وہ یعنی موسیٰ ''سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے۔ زیادہ حلیم تھا''۔ اور ''اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا''۔ اور ''آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا''۔ نیز یہ کہ اثناء تحریر میں لکھنے والا ہمیشہ اس گذشتہ زمانے کی طرف اشارہ کرتا رہتا ہے۔ ''جب کہ بنی اسرائیل بیابان میں تھے''۔ اور ''کنعانی ملک میں تھے''۔ اور مشرقی ممالک کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ہمیشہ ''یردن کے اس پار'' بتاتا ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ مصنف فلسطین کے ملک میں یردن کے مغربی علاقہ میں رہتا تھا۔ اور جغرافیے کے متعلق کسی سوال کو حل کرتے ہوئے وہ گویا بطور سند کے ایک قدیمی کتاب یعنی ''یہوواہ کے جنگ نامہ'' سے نقل کرتا ہے۔ جو کسی طرح سے موسیٰ کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہو سکتی۔ اور اسی قسم کی دوسری مشکلات بھی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ تنقید کے ابتدائی زمانہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ ''اس اعتقاد کے لئے کیا سند ہے۔ کہ حضرت موسیٰ ان کتابوں کی موجودہ صورت میں ان کا مصنف مانا گیا ہے؟'' اور یہ معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ یہودی کلیسیا ہمیشہ سے یہی مانتی چلی آئی ہے۔ اس وجہ سے نکتہ چینوں نے اپنے کو موسیٰ کی تورات کے مصنف ہونے پر اعتراض کرنے کے لئے آزاد سمجھا یا کم سے کم یہ مانا کہ موسیٰ کی تحریریں فقط بطور مصالح یا مصالح کے ایک حصہ تھیں۔ جن کی مدد سے ان کے اصلی مصنف یا اڈیٹر نے موجودہ ''پانچ صحیفے'' جو حضرت موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں تیار کر لئے۔

یہ بات تو بالکل صاف تھی کہ موسیٰ نے ایک شریعت کی کتاب لکھی تھی۔ خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ اور اسے حکم ملا تھا کہ عمالیقیوں کی لڑائی کا حال ''کتاب میں لکھے'' اور اس نے بنی اسرائیل کے سفروں کا حال تحریر کیا۔ اور جب وہ یہ لکھ چکا تو اس نے اسے کاہنوں کے حوالے کر دیا۔ اور ان کو یہ ہدایت کی کہ ہر ساتویں سال خیموں کے عہد کے موقعہ پر اسے لوگوں کو پڑھ کر سنایا کریں۔ اور

وہ خیمہ کے صندوق میں رکھی جائے۔ تا کہ لوگوں کے سامنے بطور ایک گواہ کے رہے۔ مگر صاف ظاہر ہے۔ کہ اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا۔ کہ یہ ساری کی ساری پانچوں کتابیں جیسی کہ وہ اس وقت موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ نے تحریر کی تھیں۔ (بائیبل کا الہام صفحہ ۱۸۸، ۱۸۹)

الغرض پادری صاحب کے خط کشیدہ الفاظ سے ہمارا قول صحیح ثابت ہوتا ہے۔

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا

آخر ہم دونوں ہی در جاناں پہ جا ملے

تحریف تورات پر تیسری دلیل

پادری خیر اللہ صاحب یوناہ کی کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:-

''کتاب میں سے مصنف کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ملتا یہ یوناہ کی اپنی تصنیف بھی ہو سکتی ہے لیکن کتاب میں کہیں بھی صیغہ متکلم کا استعمال نہیں ہوا۔ موازنہ کریں۔ (ہوسیع ۳:۱)

(قاموس الکتاب تحت یوناہ کی کتاب صفحہ ۱۱۸۲)۔

(ہوسیع ۳:۱)۔ کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:-

''خداوند نے مجھے فرمایا جا اس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہے محبت رکھ جس طرح کہ خُداوند بنی اسرائیل سے جو غیر معبودوں پر نگاہ کرتے ہیں اور کشمش کے کلچے چاہتے ہیں۔ محبت رکھتا ہے۔''

پادری خیر اللہ صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ ''یوناہ کی کتاب'' میں ''ہوسیع'' کے خط کشیدہ الفاظ کی طرح یعنی صیغہ واحد متکلم حاضر استعمال نہیں ہُوا۔ اس لئے یہ کتاب سیّدنا حضرت یونس (یوناہ) علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ موصوف نے جس دلیل و معیار سے ''کتاب یوناہ'' کو حضرت یونس علیہ السلام کی تصنیف قرار نہیں دیا۔ ہم بھی اسی دلیل و معیار کے مطابق کہتے ہیں کہ چونکہ تورات کی پانچوں کتابوں میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کیلئے صیغہ واحد متکلم حاضر استعمال نہیں ہوا اس لئے موجودہ تورات بھی حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔ اس حقیقت کا انکار کرنا ذی فہم

اور صاحب علم انسان کو ہرگز ہرگز زیب نہیں دیتا کیونکہ یہ دلیل مسیحی دنیا کے مایہ ناز مصنف، نامور اور جید عالم، ایف، ایس۔ خیر اللہ صاحب کے معیار کے عین مطابق ہے۔

تحریف تورات پر چوتھی دلیل

تورات کی آخری کتاب "استثنا" کا آخری باب جس میں حضرت موسےؑ کی وفات' آپکی قبر' کل عمر' آپ کی موت کی کیفیت اور بنی اسرائیل کے تیس دن تک ماتم کرنے کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کا یہ مقام (اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا۔ ۳۴:۱۰)۔ بیانگ دہل اعلان کرتا اور پُر زور شہادت دیتا ہے کہ اس کتاب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اس زمانہ میں قلم بند کیا گیا جبکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چند حضرات انبیاء علیہم السلام اجمعین گزر چکے اور ان میں سے کوئی بھی حضرت موسےؑ علیہ السلام کی مانند نہیں ہوا تھا۔ پس یہ باب کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ کا عمل دخل ہے۔ اس جگہ پر لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ مسیحی علماء بھی اقرار کرتے چنانچہ پادری جی، ٹی، مینلی صاحب ایم، اے، رقمطراز ہیں:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری باب کسی اور شخص کی تصنیف ہے"۔

(ہماری کتب مقدسہ صف ۲۰۸)

پادری خیر اللہ صاحب صرف ایک باب نہیں بلکہ دو باب مانتے چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتاب جو موسیٰ نے لکھی تھی اس میں ۳۱-۳۴ ابواب نہیں تھے بے شک یہ امر واقع ہے کہ آخری دو ابواب اس کی وفات کے بعد اس میں شامل کیے گئے"۔

(قاموس الکتاب تحت استثنا کی کتاب صف ۴۵)۔

شرما گئے' لجا گئے ' دامن چھڑا گئے
اے عشق! مرحبا یہاں تک تو آ گئے

آج بھی حق میں یہ تاثیر و کشش موجود ہے کہ اپنا لوہا منوا اور اپنا سکہ بٹھا لیتا ہے۔

بہر حال ایک انصاف پسند اور عقلمند انسان پر یہ حقیقت خوب درخشاں وتاباں ہوگئی ہے کہ موجودہ تورات میں انسانی کلام کی آمیزش و ملاوٹ پائی جاتی ہے ۔اور مسیحی علماء بھی اس حقیقت و صداقت کوتسلیم کرتے ہیں ۔اب ایسے میں آگے کیا ہوگا؟۔

صبح تک بے تابیاں کیا رنگ لائیں دیکھئے

شام ہی سے آج بے قابو ہوئے جاتا ہے دل

تحریف تورات پر پانچویں دلیل

بائبل کے دونوں عہد ناموں میں ایسے مقامات بھی پائے جاتے ہیں جنکو خطوط وحدانی اور قوسین میں لکھا گیا ہے:۔مثلا

''(اس نے پھر اسے سینہ پر رکھ کرڈھانک لیا۔جب اس نے اسے سینہ پر سے باہر نکال کر دیکھا تو وہ پھر اس کے باقی جسم کی مانند ہوگیا'')۔(خروج ۴:۷)۔

''(اس وقت میں تمہارے اور خداوند کے درمیان کھڑا ہوا تا کہ خداوند کا کلام تم پر ظاہر کروں کیونکہ تم آگ کے سبب سے ڈرے ہوئے تھے اور پہاڑ پر نہ چڑھے)''۔ (استثنا ۵:۵)۔

''[لیکن یہ قسم دُعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی]''۔(متی ۱۷:۲۱)۔

''[اور اگر تم معاف نہ کروگے تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے تمہارے قصور بھی معاف نہ کریگا]''۔

(مرقس ۱۱:۲۶)۔

''[پس فلپس نے کہا کہ اگر تو دل وجان سے ایمان لائے تو بپتسمہ لے سکتا ہے اس نے جواب میں کہا میں ایمان لاتا ہوں کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے]''۔(اعمال ۸:۳۷)۔

بشپ ولیم ،جی، ینگ صاحب ایم ،اے اس مقام کی بابت لکھتے ہیں:۔

''یہ آیت سب سے قدیم نسخہ جات میں موجود نہیں اور علماء کا خیال یہ ہے کہ کسی کاتب نے نسخہ کے نقل کرتے وقت اس عقیدہ کو شامل کیا جو وہ خود استعمال کرتا تھا''۔

(رسولوں کے نقش قدم پر۔صف ۲۱۸)۔

غور فرمائیے کہ مسیحی کلیسیا نے ایک الحاقی اور جعلی آیت پر عقیدہ کی بنیاد رکھی ہے۔
(انجیل یوحنا ۷:۵۳، انجیل یوحنا ۸:۱تا۱۱) -کل بارہ آیات ہیں جو الحاقی ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی ہیں۔
پادری خیر اللہ صاحب قوسین میں لکھے ہوئے مقامات کی بابت کہتے ہیں:-
''بعض قدیم اور متعدد بعد کے نسخوں میں کلمات حمد دیئے گئے ہیں جو یوں ہیں'':-''کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں''-اگرچہ مستند ترین نسخوں میں یہ کلمات حمد شامل نہیں تاہم کلیسیا شروع ہی سے انہیں استعمال کرتی آئی ہے اور یہ یقیناً خداوند کی دُعا کا ایک مناسب اختتام ہے۔یہ بات کہ یہ متی کے اصل متن میں شامل نہیں تھے بلکہ حاشیہ میں لکھے ہوئے تھے۔اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ اسے قوسین میں دیا گیا ہے''۔

(قاموس الکتاب تحت، صف ۴۰۸)۔

نیز پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں۔
''نقل نویسوں سے کبھی کبھی غلطی بھی ہو جاتی تھی۔کاتب خواہ کتنی ہی ہوشیاری کرے کتاب لکھتے وقت کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر ایک کاتب نے اپنی طرف سے کچھ حاشیہ میں لکھ دیا تو دوسرے نے اس کو متن کا حصہ سمجھ کر متن میں شامل کر دیا۔اس قسم کی اور بھی غلطیاں ممکن تھیں''۔(قاموس الکتاب تحت بائبل صف ۱۲۵)۔
موصوف کے مندرجہ بالا الفاظ سے اسبات کا بخوبی پتہ چلتا ہے کہ بائبل میں کاتبوں نے بھی اپنا حصہ ڈالا ہے۔چنانچہ پادری صاحب ایسے حصّوں کی بابت اپنی رائے کا یوں اظہار کرتے ہیں:-

''انسان خُدا کے کلام میں اضافہ کر کے اسے بگاڑنے کے سوا کیا کر سکتا ہے''۔

(قاموس الکتاب تحت روایت صف ۴۴۲)۔

پس پادری صاحب کی رائے سے بھی ہمارا مقصد خوب چمک اور دمک اٹھا کہ کسی نامعلوم شخص نے تورات میں بہت سے اضافے کر کے اسے بگاڑ دیا ہے۔

کیسی گلی رقیب کی کیا طعنِ اقربا

جب تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

تحریف تورات پر چھٹی دلیل

رومن کیتھولک بائبل میں تورات کی پہلی کتاب تکوین ۴۹:۱- کے تحت حاشیہ میں یوں لکھا گیا ہے:-

''اس طویل نظم میں یعقوب اپنے بیٹوں کی نسلوں کو ان واردات سے جو زمانہ مستقبل میں وقوع میں آئینگی - آگاہ کرتا ہے۔ متن بعض مقامات میں بہت دُھندلا ہے۔''

آخری الفاظ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ''عبرانی عہد قدیم'' کا متن بعض مقامات میں بہت دُھندلا ہے۔ پروٹسٹنٹ انگریزی بائبل جس کا نام ''گڈ نیوز بائبل'' ہے۔ اس میں تورات کے جن دُھندلے مقامات کی نشان دہی کی گئی وہ کل سترہ، جنکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:-

نمبر شمار	نام کتاب	حوالہ جات	گڈ نیوز بائبل کے مقامات
۱	پیدائش	۱۵ : ۲	حاشیہ میں پہلی سطر ''ایکس'' کے تحت
۲	پیدائش	۱۶ : ۱۳	حاشیہ میں چوتھی سطر- الیف کے تحت
۳	پیدائش	۴۹ : ۱۰	حاشیہ میں پہلی سطر- الیس کے تحت
۴	خروج	۱۴ : ۲۰	حاشیہ میں دوسری سطر- این کے تحت
۵	خروج	۱۷ : ۱۶	حاشیہ میں پہلی سطر- آر کے تحت
۶	احبار	۲۱ : ۴	حاشیہ میں پہلی سطر- ایل کے تحت
۷	احبار	۲۵ : ۳۳	حاشیہ میں پہلی سطر- ایم کے تحت
۸	گنتی	۱۲ : ۶	حاشیہ میں دوسری سطر- ایچ کے تحت
۹	گنتی	۲۱ : ۲۸	حاشیہ میں تیسری سطر- یو کے تحت
۱۰	گنتی	۲۴ : ۷	حاشیہ میں دوسری سطر- زیڈ کے تحت
۱۱	گنتی	۲۴ : ۲۲	حاشیہ میں چوتھی سطر- سی کے تحت

۱۲	گنتی	۲۳ : ۲۴	حاشیہ میں پانچویں سطر-ڈی کے تحت
۱۳	استثنا	۸ : ۱۸	حاشیہ میں دوسری سطر- او کے تحت
۱۴	استثنا	۵ : ۳۲	حاشیہ میں پہلی سطر- اے کے تحت
۱۵	استثنا	۲ : ۳۳	حاشیہ میں پہلی سطر- ڈی کے تحت
۱۶	استثنا	۳ : ۳۳	حاشیہ میں تیسری سطر-ایف کے تحت
۱۷	استثنا	۲۱ : ۳۳	حاشیہ میں دوسری سطر- جے کے تحت

مسیحی مترجمین نے عبرانی کے مندرجہ بالا مقامات کے متعلق اپنی تحقیقی رائے کا یوں اظہار کیا ہے:-

"Hebrew unclear"

(حبر وُ اَن کلیر)

"(عبرانی متن دھندلا ہے)"

ان جید علماء اور مسیحی مترجمین کی تعداد ننانوے (۹۹) تھی جو کہ دنیا بھر کی بائبل سوسائٹیوں سے امریکن بائبل سوسائٹی کی دعوت پر امریکہ گئے تھے۔ اس تعداد کی خبر بائبل کی اس فہرست سے ملتی ہے جو بائبل کے آخر میں درج کی گئی ہے مگر اب اسے خارج کر دیا گیا ہے۔ بہر حال ان ننانوے جید علماء کی تحقیق تورات کی بابت یہ ہے کہ:-

"موجودہ تورات کے سترہ مقامات دھندلے ہیں"-

احساس نہ مرجائے تو انسان کے لیے
کافی ہے اک راہ کی ٹھوکر لگی ہوئی

تحریف تورات پر ساتویں دلیل

حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے یہودیوں پر تحریف کا جرم عائد کیا تھا:-

"زمین اپنے باشندوں سے نجس ہوئی کیونکہ انہوں نے شریعت کو عدول کیا۔ آئین سے منحرف ہوئے۔ عہد ابدی کو توڑا" - (یسعیاہ ۲۴:۵)-

''آئین سے منحرف ہوئے'' یہ ترجمہ غلط' صحیح ترجمہ یہ ہے:-

''غَیَّرُوا الْفَرِیْضَۃَ' (عربی بائبل یسعیاہ ۲۴:۵)-

''انہوں نے آئین (تورات) کو بدلا''-

تحریف تورات پر آٹھویں دلیل

حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے بھی یہودیوں پر تحریف کا جرم عائد کیا تھا:-

''...... کیونکہ تم نے زندہ خدا ربُ الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے''۔

(یرمیاہ ۲۳ : ۳۶)

عربی یرمیاہ میں خط کشیدہ الفاظ کو یوں ادا کیا گیا ہے:-

''حَرَّفْتُمْ'' (یرمیاہ ۲۳ : ۳۶)-

غور کا مقام ہے کہ حضرات یسعیاہ اور یرمیاہ علیہما السلام کے الفاظ کے مفہوم مترادف ہیں یعنی ان دونوں الفاظوں سے تورات میں تغیر وتبدل اور تحریف ثابت ہوتی ہے۔

حضرت یرمیاہ علیہ السلام تورات کی بابت فرماتے ہیں:-

''تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے''۔ (یرمیاہ ۸ : ۸)-

یاد رہے کہ ''شریعت'' آئین اور خداوند کی شریعت' سے مراد ''تورات موسوی'' ہے۔ جیسا کہ بائبل کے مندرجہ ذیل مقامات سے ظاہر ہوتا ہے:-

(استثنا ۳۱ : ۱۱ و ۱۲-یشوع ۸ : ۳۴-استثنا ۱۷ : ۱۹-گنتی ۳۱ : ۲۱ و ۲-

تواریخ ۱۲ : ۱-۲-تواریخ ۳۱ : ۳ و ۴-عزرا ۷ : ۱۰)-

حضرت یرمیاہ علیہ السلام کے ان (یرمیاہ ۸ : ۸) الفاظ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ تورات موسوی یہودیوں کے پاس نہ تھی۔ جسے وہ تورات کہتے تھے وہ باطل قلم نے بطالت پیدا کی تھی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہر نبی کے فرمان مبارک کا انکار کفر ہے۔ پس ہم حضرات یسعیاہ اور یرمیاہ علیہما السلام کے گذشتہ بالا ارشادات عالیہ کو مسرت و شادمانی اور خندہ پیشانی سے مانتے ہیں۔

اللہ جسے چاہے اسے دے مظفرؔ
عزّت کو دکانوں سے خریدا نہیں جاتا

تحریف تورات پر نویں دلیل

مقدس متی رقمطراز ہیں:۔

''اور ناصرۃ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا''۔(انجیل متی ۲ : ۲۳)۔

پادری جے، آر، کلارک صاحب اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔

''(نبیوں) کا لفظ جمع ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ سب نبیوں نہ ایک دو نبی نے اس کے ناصری ہونے پر گواہی دی ہے''۔(تفسیر متی الخزانۃ الاسرار صفہ ۲۹)۔

مقدس متی اور پادری صاحب کے نزدیک تمام حضرات انبیاء علیہم السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ بشارت دی تھی کہ :۔

''وہ ناصری کہلائے گا''

پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے، اس بشارت کی بابت رقمطراز ہیں:۔

''پس انبیائے سابقین کے وہ الفاظ جن کا ذکر انجیل جلیل میں آتا ہے دراصل صدیوں بعد کے کسی آنے والے شخص کیلئے خاص طور پر پیشن گوئیوں کے طور پر نہیں لکھے گئے تھے۔''

(تورات موسوی اور محمد ﷺ عربی صفہ ۲۸)۔

زیر نظر بشارت بالکل واضح اور نص قطعی کا حکم رکھتی ہے مگر پھر بھی پادری برکت اللہ صاحب حضرت عیسیٰؑ کے مقدس شاگرد جناب متی کے خلاف ہو گئے اور جھوٹ فرما گئے۔

پادری ڈاکٹر ایچ، یوٹیٹمن صاحب اس بشارت کے متعلق کہتے ہیں۔

''کیونکہ بشارت تھی کہ ''وہ ناصری کہلائے گا'' جس کا انجیلوں میں اکثر بیان ہے (۲۶ : ۷۱) -عہد نامہ قدیم میں کہیں اس بشارت کا پتہ نہیں چلتا''۔

(تفسیر متی صف ۷۷-مترجمہ پادری طالب الدین صاحب بی، اے)-

موصوف کے الفاظ سے یہ صداقت خوب روشن ہوگئی اور منظر عام پر آ گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بشارت ان الفاظ میں کہ وہ ''ناصری کہلائے گا'' فرمائی تھی وہ عہد قدیم کی کسی کتاب میں پائی نہیں جاتی چونکہ اس حقیقت کے پیش نظر عہد نامہ قدیم محرف ثابت ہو جاتا تھا۔مگر یہ بات پادری برکت اللہ صاحب کو گوارہ نہ تھی اس لیے مقدس متی کے خلاف ہوگئے اور جھوٹ فرما گئے۔

پادری جے، آر، کلارک صاحب لفظ ''ناصری'' کی بابت لکھتے ہیں۔

''ناصرہ بستی کا نام ناصرہ اس لیے ہوا کہ وہ لفظ نصر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں چھوٹا پودہ (یشعیاہ ۱۱ - ۱) میں بعینہ یہ لفظ عبرانی میں موجود ہے'' (صف ۲۹) حالانکہ لفظ ناصری کا کسی نبی کی کتاب میں سوائے (یشعیا ۱۱-۱) کے اور کہیں نہیں لکھا''۔

(تفسیر متی اخزانة الاسرار تحت متی ۲: ۲۳ صف ۲۹)

چونکہ پادری صاحب کہتے ہیں کہ لفظ ''ناصرہ'' عبرانی (یسعیاہ ۱۱:۱)-میں موجود اور لفظ ''ناصری'' بھی اسی جگہ ہے۔اس لئے عبرانی یسعیاہ ۱۱:۱-کو ملاحظہ فرمائیے۔

عبرانی یسعیاہ باب گیارہ کی پہلی آیت میں کل سات لفظ'چوتھا''یسّی''اور آگے''ؔ''کو چھوڑ کر تین حروف اور وہ یہ ہیں:-

''ن-ص-ر''

(نصر)

الحاصل عبرانی (یسعیاہ ۱۱:۱) میں دونوں الفاظ'' ناصرہ'' اور'' ناصری'' ہرگز ہرگز اور یقیناً موجود

نہیں۔اس کے بعد اردو یسعیاہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

''اور یسّی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی اور اسکی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی ''۔اردو یسعیاہ میں بھی دونوں الفاظ ''ناصرہ''اور''ناصری'' کا نام ونشان نہیں ملتا۔غور کا مقام ہے کہ پادری جے آر کلارک صاحب نے اپنی جھوٹی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے اپنی الہامی کتاب پر افترا باندھنے اور جھوٹ بولنے سے بھی پرہیز وگریز نہیں کیا۔یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ (انجیل متی ۲ : ۲۳) کی یہ بشارت جو حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں یوں بیان ہوئی ہے کہ:-''وہ ناصری کہلائے گا''۔

یہ عہد قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بغض وحسد' تعصب وضد اور نفرت وکدورت رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اس صاف' ستھری' اجلی اور نکھری ہوئی بشارت کو عہد قدیم سے عمداً خارج کردیا۔ان کے اس مکروہ فعل سے یہ بات بھی خوب چمک اٹھی کہ عہد قدیم میں تحریف ہوئی ہے۔

تحریف تورات پر دسویں دلیل

پادری ایف۔ایف بروس صاحب ایم،اے یونانی مسیحیوں کا قول نقل کرتے ہیں:-

''لیکن یونانی مسیحی یہ کہا کرتے تھے کہ وہ پیشگوئیاں جو مسیح کی آمد کے بارے میں ہیں۔ان میں یہودیوں نے دیدہ ودانستہ ردوبدل کردیا ہے''۔

(طلوع مسیحیت صف۸۲ مترجم اے،ڈی خلیل صاحب)۔

نتیجہ یہ کہ اسلام سے قبل یونانی مسیحی اس بات کے قائل اور ان میں یہ چرچا تھا کہ یہودیوں نے عہد قدیم میں تحریف کی ہے۔

تیر کھا کے جو دیکھا کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

یرمیاہ نبی کی پیشنگوئی تورات کے دوسری بار گم ہونے کی بابت

حضرت یرمیاہ علیہ السلام نے عہد کے صندوق، جس میں تورات تھی گم ہونے کی پیشنگوئی فرمائی تھی۔ گویا کہ یہ پیشنگوئی تورات کے دوسری بار گم ہونے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ چنانچہ آپ کی پیشنگوئی یوں ہے:۔

''اور یوں ہوگا خداوند فرماتا ہے کہ جب ان ایام میں تم ملک میں بڑھو گے اور بہت ہو گے تب وہ پھر نہ کہیں گے کہ خداوند کے عہد کا صندوق۔ اس کا خیال بھی کبھی ان کے دل میں نہ آئے گا۔ وہ ہرگز اسے یاد نہ کریں گے اور اس کی زیارت کو نہ جائیں گے اور اس کی مرمت نہ ہوگی''۔

(یرمیاہ ۳ :۱۶)۔

پادری خیر اللہ صاحب اس پیشنگوئی کے پورا ہونے کو تسلیم کرتے ہیں:۔

''یرمیاہ نبی نے پیشنگوئی کی تھی کہ ایک وقت لوگ عہد کے صندوق کے بغیر ہوں گے (یرمیاہ ۳ : ۱۶)۔ جب یروشلیم کو ۵۸۷ ق م میں بابل کی فوج نے تباہ کیا تو یہ کھو گیا۔ دوسری ہیکل میں کوئی عہد کا صندوق نہیں تھا''۔ (قاموس الکتاب تحت عہد کا صندوق صف ۶۷۳)۔

بابل کی فوجوں نے بہت اودھم مچایا بیت المقدس کے ساتھ انہوں نے وہی کچھ کیا جو ایک مشرک خدا کے گھر سے ساتھ کر سکتا تھا اور یروشلیم کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کمی نہیں کی جو کچھ اس حملہ میں ہوا۔ الامان والحفیظ۔ ڈاکٹر ڈبلیو بلیکی صاحب اس حملے کا تھوڑا سا حال یوں بیان کرتے ہیں:۔

''ہیکل لوٹی اور جلا کر بھسم کی گئی۔ شہر کی دیواریں مسمار کی گئیں۔ محل اور سرکاری عمارتیں کھنڈروں کا ڈھیر بن گئیں۔ باشندے اسیر کیئے گئے اور سوائے خیال کے یروشلیم کا وجود اور کہیں باقی نہ رہا''۔

(تواریخ بائبل صف ۳۸۱)۔

کہا جاتا ہے کہ اس وقت یہ آواز بلند ہوئی تھی کہ تورات بھی اسی حملہ مین جل گئی تھی مگر مسیحی علماء اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری، جی، ٹی، مینلی صاحب لکھتے ہیں:۔

"وہ غلط روایت جو ۲-ایسڈرس ۱۴ :۱۹-۴۸ میں درج ہے ہرگز قابل غور نہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ کتاب مقدس کی تمام کتب آگ سے جل کر راکھ ہوگئیں"۔ (ہماری کتب مقدسہ صف ۵۷)۔

گو مسیحی علماء اس روایت کا انکار کرتے ہیں مگر ان کے ذوق کے مطابق یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب پادری خیر اللہ صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عہد کا صندوق کھو گیا تھا تو تورات کا کھو جانا بھی ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ تورات اسی صندوق میں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد کا صندوق جل گیا تھا۔ اور بابل کی فوجوں نے یہودیوں کو بے دریغ قتل کیا۔ کہتے ہیں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے ستر ہزار کو قید کر کے بابل لے جایا گیا اور ستر سال کے بعد وہ یروشلیم واپس آئے۔ یہودیوں کی تاریخ میں یہ اسیری "ستر سالہ اسیری" کے نام سے مشہور ہے۔ تو جو لوگ رہا ہو کر آئے ان میں عزرا علیہ السلام بھی تھے چونکہ مسیحی علماء آپکو مندرجہ ذیل دلیل سے تورات کا حافظ مانتے ہیں:-

"یہی عزرا بابل سے گیا اور وہ موسیٰ کی شریعت میں جسے خداوند اسرائیل کے خدا نے دیا تھا ماہر فقیہ تھا"۔ (عزرا ۷ : ۶)۔ اس لیے آپ نے تورات کو دوبارہ لکھا اور اس کی اشاعت کی چنانچہ ڈاکٹر، ڈبلیو، جی، بلیکی صاحب رقمطراز ہیں:-

"**عزراہ کا پاک نوشتوں کو ترتیب دینا**:- اس ضروری اصلاح کے علاوہ عزراہ نے ایک اور اہم کام کی انجام دہی میں حصہ لیا اور وہ کام نہایت بیش قیمت کام تھا۔ جس کے سبب سے عزراہ کا نام ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔ وہ یہ تھا کہ اس نے شریعت کی کتاب کو مرتب اور شائع کیا"۔ (تواریخ بائبل صف ۴۳۴)۔ حضرت عزیز علیہ السلام کو جو (عزراہ-۷ : ۶) میں "ماہر فقیہ" کہا گیا ہے تو اس سے آپ کا تورات کا حافظ ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ "ماہر فقیہ" ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ "حفظ" کا شعبہ الگ اور "فقہ" کا شعبہ جدا ہے۔ پس آپ کا حافظ ہونا ثابت نہ ہوا۔

عزرا اور نحمیا دونوں کتابیں غیر الہامی ہیں

مسیحی دنیا اس بات کا اعتراف کرتی ہے کہ "عزرا" اور "نحمیاہ" یہ دونوں کتابیں حضرت عزیر علیہ

السلام کی تصنیف ہیں۔مگر علم وعقل کی دنیا اس بات کی تصدیق نہیں کرتی کیونکہ ان دونوں کتابوں میں تضاد ہے مثلاً:۔

عزرا	نحمیاہ
’’ملک کے جن لوگوں کو شاہ بابل نبوکدنضر بابل کو لے گیا تھا ان اسیروں کی اسیری میں سے وہ جو نکل آئے اور یروشلیم اور یہوداہ میں اپنے اپنے شہر کو واپس آئے یہ ہیں‘‘۔(۲ : ۱)	’’ملک کے جن لوگوں کو شاہ بابل نبوکدنضر بابل کو لے گیا تھا ان اسیروں کی اسیری میں سے وہ جو نکل آئے اور یروشلیم اور یہوداہ میں اپنے اپنے شہر کو گئے یہ ہیں‘‘۔(۷ : ۶)۔

ان دونوں کتابوں کے مندرجہ بالا الفاظ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔اور آگے جو کچھ تحریر کیا جارہا ہے وہ بھی اسی واقعہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔اس وضاحت کے بعد ان دونوں کتابوں میں جس تعداد کا ذکر کیا گیا ہے وہ یوں ہے:۔

نمبر شمار	عزرا باب دوم	نحمیاہ باب ہفتم
۱	بنی ارخ = ۷۷۵۔	بنی ارخ = ۶۵۲ ۔
۲	بنی پخت = ۲۸۱۲ ۔	بنی پخت = ۲۸۱۸ ۔
۳	بنی زتو = ۹۴۵ ۔	بنی زتو = ۸۴۵ ۔
۴	بنی عزجاد = ۱۲۲۲ ۔	بنی عزجاد = ۲۳۲۲ ۔
۵	بنی بگوی = ۲۰۵۶ ۔	بنی بگوی = ۲۰۶۷ ۔
۶	بنی عدین = ۴۵۴ ۔	بنی عدین = ۶۵۵ ۔
۷	بنی حاشوم = ۲۲۳ ۔	بنی حشوم = ۳۲۸ ۔
۸	بیت ایل اور عی = ۲۲۳ ۔	بیت ایل اور عی = ۱۲۳ ۔
۹	گانے والے بنی آسف = ۱۲۸ ۔	گانے والے بنی آسف = ۱۴۸ ۔
۱۰	بنی دلایاہ۔بنی طوبیاہ اور بنی نقودا = ۶۵۲۔	بنی دلایا۔بنی طوبیاہ اور بنی نقودا = ۶۴۲ ۔

یہ تضادات اس امر کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہیں کہ یہ دونوں کتابیں (عزرا اور نحمیاہ) یقیناً الہامی نہیں کیونکہ الہامی تحریر غلطیوں سے مبرا اور تضادات سے منزہ ہوتی ہے۔ ہمارے اس قول کی تائید پادری جے، ای، چرچ صاحب ایم، اے بھی کرتے' چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:۔

''الہام کا لفظ جب کتاب مقدس کے بارے میں استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ گذشتہ زمانہ میں روح القدس نے بعض مصنفوں کے خیالات اور الفاظ کو اپنے قبضے میں لے لیا اور انہیں لکھنے پر مجبور کیا یہی وجہ ہے کہ جو کتابیں انہوں نے لکھیں غلطیوں سے مبرا ہیں۔ چونکہ وہ خدا کے پاک روح کی تحریک سے قلمبند ہوئیں اس لیے وہ کلام خدا ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مصنفین بے خود ہو گئے اور ان سے مشین کی طرح لکھوایا گیا یا وہ اپنی شخصیت سے ہاتھ دھو بیٹھے بلکہ یہ ان کی ہدایت اس طرح سے کی گئی کہ تواریخی اور دیگر غلطیوں سے بالکل بچائے گئے۔

''الہام'' کا یونانی میں مطلب ہے خدا کا پھونکا ہوا'' (۲۔ تیمتھیس ۳ : ۱۶۔ تعلیم الہٰی صفہ ۸۰ مترجم، ڈبلیو، ڈی، چوہدری صاحب ایم، اے)۔

پادری صاحب نے جو الہام کی تعریف کی ہے وہ ان دونوں کتابوں پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان پر تضاد کا دھبہ ہے۔ یہ دھبہ ان کی الہامی حیثیت کو ضائع کر دیتا ہے۔

داغ کی شکل دیکھ کر وہ بولے
ایسی صورت سے پیار کون کرے

یاد رہے کہ شاہ بابل کے واقعہ کے بعد بھی تورات پر اور بھی حوادث آئے ہیں مگر ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

تورات پر شہادت مسیح کی حقیقت

حضرت ملاکی علیہ السلام عہد قدیم کے آخری نبی ہیں۔ ان کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی فاصلہ تخمیناً چار سو سال ہے چونکہ اس مدت مدید میں عہد قدیم کی صداقت پر کوئی شہادت نہیں ملتی اس لیے مسیحی علماء اس جگہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عہد جدید میں ان کتابوں کے

نام لیے اور ان سے اقتباس کیے ہیں۔آپ کا ایسا کرنا عہد قدیم کی صداقت پر بہت بڑی شہادت ہے۔یہ قول دو وجہ سے قابل توجہ نہیں۔

الف:- جبکہ مسیحی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ان کتابوں میں انسانی ہاتھ کا عمل دخل ہے جیسا کہ ''اول تا دہم'' میں گزر چکا ہے۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لینے یا اقتباس کرنے سے ان کی صحت وصداقت ثابت نہیں ہوتی۔

ب:-حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت کو جن اناجیل اربعہ سے پیش کیا جاتا ہے ان کا حال بھی ''عزرا'' اور ''نحمیاہ'' جیسا ہے چنانچہ پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

''تاہم یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی انجیل بھی واقعات کو وقت کی عین ترتیب سے مطابق پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کرتی اس لیے تفصیل کے ساتھ واقعات کی ترتیب کو بیان کرنا مشکل و ناممکن ہے۔دوسری مشکل کا تعلق ان واقعات سے ہے جہاں انجیلوں کے بیانات میں بظاہر تاریخی تضاد ہے۔مثلاً یسوع مسیح کی گرفتاری (خاص طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اناجیل متوافقہ میں لعزر کے زندہ کیے جانے کا بیان کیوں شامل نہیں) ہیکل کو پاک کرنے کی تاریخ اور آخری فسح اور تصلیب کی تاریخ اس قسم کی مشکلات کو بڑھا چڑھا کر بیان تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ بعض حقیقی مشکلات پائی جاتی ہیں۔جن کا ابھی جواب تلاش کرنا باقی ہے تاہم ان تضادات سے انجیلی بیانات کی اصلیت پر کوئی حرف نہیں آتا''

(قاموس الکتاب تحت یوحنا کی انجیل صفہ ۱۱۶۸)۔

ڈاکٹر پیٹرسن سمائیتھ صاحب رقمطراز ہیں:-

''لیکن ان کے مقابلہ میں ہمیں ایسے ہی اور بزرگ ملتے ہیں جو آزادانہ نوشتوں کے بیانات پر اعتراض کرتے ہیں۔بلکہ مذکورہ بالا بزرگ بھی دوسرے موقعوں پر ایسا ہی کرتے پائے جاتے ہیں۔مثلاً اوریجن (۲۲۰ء) جو اپنے زمانہ کی کلیسیا میں بائبل کی واقفیت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔اگرچہ پاک نوشتوں کے الہام کا بڑے ادب سے ذکر کرتا ہے۔لیکن ساتھ ہی

لوگوں کو ہدایت کرتا ہے کہ لفظوں پر خیال نہ کرو جو ممکن ہے کہ بے فائدہ ہوں ۔اور شاگردان سے ٹھوکر لگے بلکہ تعلیم کی روح و مغز کو پہنچنے کی کوشش کرو جس سے ہمیشہ روحانی امداد ملتی ہے۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں کہ ان سے '' آدمی کا سر گھومنے'' لگتا ہے ۔ اور وہ شریعت کے بعض احکام کی نکتہ چینی کر کے ان کا نامعقول ہونا ثابت کرتا ہے''۔

(بائبل الہام صف ۷۵ و ۷۶)۔

مندرجہ بالا عبارات سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اناجیل میں تضادات پائے جاتے ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کہ ان سے اناجیل کی اصلیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا یہ تو بعد کی بات ہے۔ ہم تو یہ بات کہتے ہیں کہ اناجیل میں تضادات کا ہونا اس صداقت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے کہ اناجیل الہامی نہیں کیونکہ الہامی کتاب میں تضادات نہیں ہوتے ۔ چونکہ اناجیل اربعہ تضادات سے بھری پڑی ہیں اس لئے انہیں الہامی نہیں مانا جا سکتا۔ پس ان اناجیل سے عہد قدیم کی کتابوں کی صداقت پر حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت پیش کرنا بے فائدہ ہے۔ جناب اوریغن کے یہ الفاظ (آدمی کا سر گھومنے لگ جاتا ہے) بالکل حق و صداقت پر مبنی ہیں کیونکہ تضادات و اختلافات والی کتاب کو پڑھنے سے یقیناً سر گھومے گا' پریشانی لاحق ہوگی اور حیرانی اوڑھنا بچھونا بنے گی ۔ ایک دانشمند آدمی کو خواہ مخواہ سر گھمانے، وقت گنوانے اور پریشانی میں مبتلا ہونے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ آؤ! چین و سکون حاصل کرنے کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کریں کیونکہ اس نورانی 'روحانی' آسمانی اور لاثانی مقدس کتاب کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی تلاوت سے سکون ملتا اور چین حاصل ہوتا ہے:-

'' الَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ '' (الرعد:۲۸)

(سنتا ہے! اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل ۔)

اے بنی نوع انسان! دل کو چین و سکون دینے والی روحانی دولت کمائیے!

سامری تورات کی بابت مسیحی علماء کی رائے

''یہودی تورات'' کے بعد ''سامری تورات'' کا حال بھی ملاحظہ کیجئے۔

چنانچہ پادری جی، ٹی، مینلی صاحب ایم، اے، سامری تورات کی بابت لکھتے ہیں:۔

''توریت کا سامری نسخہ عہد عتیق کے نسخوں میں سے اہم ترین اور صحیح ترین نسخہ ہے۔شاید اسکا آغاز آٹھویں صدی قبل از مسیح میں ایسے ماحول اور اسباب کے باعث ہوا جن کا ذکر ۲۔سلاطین کے سترھویں باب میں ہے۔اسے آسانی سے دوسرے تراجم کی صف میں شامل کر سکتے ہیں۔اس کی دسویں اور تیرھویں صدی عیسوی کی بلکہ اس سے بھی قدیم تر نقول موجود ہیں۔ان میں سے کچھ اس نسخے سے نقل کی گئی ہیں۔جو فلسطین میں نب لوس میں ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ مسیحی صدی کے آغاز میں تیار ہوا تھا۔قریباً چھ ہزار جگہوں میں اس کا متن میسوریٹک نسخہ سے مختلف ہے۔ان اختلافات میں سے اکثر ایسے ہیں جو غیر ضروری گرامر کے اختلافات ہیں۔چند ایسے ہیں جو جان بوجھ کر عمل میں لائے گئے ہیں مثلاً:۔''عیبال'' کی جگہ ''گرزیم'' (استثنا ۲۷ : ۴) بعض جگہ تفسیر ہے یا کسی بات کو دہرایا گیا ہے اور کچھ اختلاف متن ہے۔بسا اوقات سامری متن کی تصدیق ہفتادی (عہد عتیق کا یونانی ترجمہ جو قریباً ۲۷۰ قبل از مسیح میں ستر علماء سے کیا گیا) ترجمہ سے ہوتی ہے اور پینتیس مقامات پر متن میسوریٹک نسخہ سے بہتر خیال کیا جاتا ہے''۔(ہماری کتب مقدسہ صفحہ ۴۲)۔

پادری مینلی صاحب نے مندرجہ بالا الفاظ میں یہ تسلیم کیا ہے کہ سامری تورات میں چھ ہزار مقامات ایسے ہیں جو یہودی تورات سے مختلف نظر آتے ہیں ان میں سے بعض جان بوجھ کر عمل میں لائے گئے ہیں۔ان الفاظ کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ سامریوں نے بھی اپنی تورات میں تحریف کی ہے۔اس کے علاوہ ''یہودی تورات'' اور ''سامری تورات'' کے متن بھی نہیں ملتے الغرض سامری تورات بھی اصلی تورات نہیں بلکہ محرف ہے۔

قرآن پاک موجودہ تورات کی تصدیق نہیں فرماتا

شاید کوئی یہ کہے جبکہ دونوں توراتیں محرف ہیں۔ تو پھر قرآن پاک تورات کی تصدیق اوراس کی تعریف کیوں کرتا ہے؟ تو اس اعتراض کا جواب مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	تورات	قرآن
۱	''یوسف سترہ برس کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا''۔ (پیدائش ۳۷ : ۲)	حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے ساتھ پہلی بار ہی گئے تھے کہ سوہان روح واقعہ پیش آ گیا۔ (سورۃ یوسف: ۱۱ تا ۱۵)
۲	''کوئی بُرا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا'' (پیدائش ۳۷ : ۳۳) ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یقین کرلیا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی بُرا درندہ کھا گیا ہے۔	''حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کسی درندہ کے کھانے کا یقین نہیں بلکہ فرمایا تھا کہ یہ بات تمہارے نفسوں نے گھڑلی ہے'' (سورۃ یوسف: ۱۸)
۳	''تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔ روتا رہا'' (پیدائش ۳۷ : ۳۴،۳۵)	حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر جمیل اختیار فرمایا اور جو واقعہ لڑکوں نے وضع کیا تھا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے مدد مانگی۔ (سورۃ یوسف: ۱۸)

تورات وقرآن کے مندرجہ بالا بیانات پر نہایت حلیمی اور بردباری سے مندرجہ ذیل تین باتوں پر غور فرمایئے:۔

الف: ۔ پیراہن چاک، ماتم کرنا اور رونا جبکہ یہ تمام امور بے چینی اور بے صبری کا اظہار کرتے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے اعلیٰ مقام ومرتبہ کے پیش نظر کیا یہ تمام اعمال آپ کی شان اقدس کے لائق ہیں؟ یا ''صبر جمیل'' اختیار کرنا بے چینی اور بے قراری کا مظاہرہ نہ کرنا اور اللہ تبارک تعالیٰ سے مدد مانگنا یہ تمام امور آپ کی شان اقدس کے قابل ہیں؟

ب:- ایک کتاب میں نبی کی بے چینی، بے قراری اور بے صبری کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اور دوسری کتاب سے نبی کے صبر جمیل اور اللہ ربُّ العزت سے مدد مانگنے کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے میں نبی کی عزت وعظمت کس کتاب سے ظاہر ہوتی ہے؟

ج:- جو کتاب نبی کی بے قراری اور بے چینی کو عام انسانون کی طرح بیان کرے اور جو کتاب نبی کی عزت وعظمت کے پیش نظر عام انسانوں سے جدا صبرِ جمیل اور مولا کریم سے مدد مانگنے کا اعلان کرے تو ان دونوں کتابوں میں سے کون سی کتاب الہامی ہے؟ ان تینوں باتوں میں قرآن مجید کا نرالا اور اچھوتا طرزِ بیان، تورات کے اندازِ بیان پر سبقت حاصل کر گیا ہے۔ اس مقام پر انسانی علم وعقل اور انصاف وعدل برملا اسبات کا اظہار کرتے ہیں کہ قرآن مجید اور فرقان حمید واقعی نورانی، روحانی، آسمانی، لاثانی، الہامی، مقدس ومتبرک کتاب ہے۔

۴:- حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا واقعہ (پیدائش ۳۹ : ۷ تا ۲۰) میں موجود ہے۔	یہی واقعہ قرآن مجید سورۃ یوسف (۲۳ تا ۲۹) میں بھی پایا جاتا ہے تورات وقرآن سے اس واقعہ کو ملا کر دیکھو تو کئی اختلاف ملیں گے۔
۵:- حضرت یوسف علیہ السلام فرعون مصری کی پہلی ہی دعوت پر جیل سے رہا ہو کر فرعون مصر کے پاس آگئے۔ (پیدائش ۴۱ : ۱۴)۔	پہلی دعوت پر نہ بلکہ دوسری دعوت پر جیل سے باہر تشریف فرما ہوئے اور فرعون مصر سے ملاقات کی تھی۔ (یوسف: ۵۰ تا ۵۵)۔
۶:- حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا۔ (پیدائش ۵۰ : ۱۴ تا ۲۱)۔	حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات سے قبل ان کو معاف فرما دیا تھا۔ (یوسف: ۸۹ تا ۹۲)۔
۷:- حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصداً اور عمداً مصری کو جان سے مارا تھا۔ (خروج ۲ : ۱۱ و ۱۲)۔	حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سہواً مصری مارا گیا۔ (القصص: ۱۵)۔
۸:- حضرت شعیب علیہ السلام کی سات لڑکیاں تھیں	حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں

اور وہ تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لینے آئی تھیں (خروج ۲ : ۱۵ تا ۲۰)۔	ان دونوں میں سے ایک لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لینے آئی تھی۔ (القصص: ۲۳ تا ۲۵) ۔
۹: حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو فرعون اور اس کے خادموں اور جادوگروں کے سامنے ڈالا تو وہ لاٹھی سانپ بن گئی تھی۔ (خروج ۷ : ۱۰ تا ۱۲)۔	معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک سے ہوا تھا۔ (الشعراء :۳۲ و ۴۵)۔
۱۰: حضرت ہارون علیہ السلام نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا۔ (خروج ۳۲ : ۱ تا ۴)۔	یہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا۔ (طٰہٰ: ۸۷ و ۹۵)۔

چونکہ نبی و رسول کے لیے بت اور دیوتا بنانا امر محال ایسا کرنے سے ان کی عزت و عظمت پر بدنما داغ لگتا ہے اس لیے قرآن پاک نے سیّدنا حضرت ہارون علیہ السلام سے اس مشرکانہ فعل کی نفی فرما کر ان کی عزت و عظمت کو خوب روشن کر کے تورات پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔

تورات و قرآن سے جو دس باتیں تحریر کی گئی ہیں صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ہیں۔ جنہیں طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ قرآن پاک کا تورات کے مندرجہ بالا دس واقعات کی تردید فرمانا اس امر کی بیّن دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ قرآن شریف موجودہ تورات کی تصدیق نہیں فرماتا کیونکہ اگر وہ تصدیق کرتا تو ان دس واقعات کی کبھی بھی تردید نہ فرماتا۔ پس قرآن پاک کے اس احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے یہ صداقت خوب نکھر کر برسرِ عام آ گئی کہ قرآن مجید اور فرقان حمید کے نزدیک موجودہ تورات اصلی تورات نہیں ہے۔ نیز دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا۔

''اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ ۝'' (النسآء : ۵۱)

(کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا)

قرآن پاک کے اس مقام سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہودیوں کے پاس پوری تورات نہیں بلکہ اصلی تورات کی کچھ باتیں ہیں۔ جن کا نام تورات رکھ لیا ہے۔ اور اس میں انسانوں کے ہاتھ کا بھی عمل دخل ہے۔ جس طرح دودھ میں پانی کی آمیزش و ملاوٹ سے دودھ اصلی نہیں رہتا

بالکل اسی طرح اصل تورات میں نامعلوم اشخاص نے اپنی طرف سے جو باتیں تحریر کی ہیں ان کی وجہ سے تورات بھی اصلی نہیں رہی۔ پس بات صاف اور مطلع بے غبار ہے۔ کہ قرآن شریف کے اس ارشاد کے مطابق ہم اہل اسلام بائبل کی بابت یہ بات کہتے ہیں کہ بائبل میں الہامی باتیں تو ہیں مگر بائبل الہامی کتاب نہیں۔ الحاصل جبکہ ''موجودہ تورات'' اپنی اصلی حالت اور ہیئت اصلی پر موجود ہی نہیں تو جس مذہب کی بنیاد اس کتاب پر ہوگی وہ کیونکر اور کیسے صحیح ہوگا؟☆

انجیل کی بابت اسلامی عقیدہ اور مسیحی تصوّر

تورات کے بعد چند باتیں انجیل کے متعلق بھی سماعت فرمائیے!

ہم اہل اسلام کے نزدیک ''انجیل'' اس مقدس کتاب کا نام ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے نازل فرمایا تھا وہ صرف ایک ہی تھی۔ اسکا ذکر حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی فرمایا:- ''کیونکہ جو کوئی اپنی جان بچانا چاہے وہ اسے کھوئیگا اور جو کوئی میری اور انجیل کی خاطر اپنی جان کھوئیگا وہ اسے بچائیگا۔'' (مرقس ۸ : ۳۵)- یہ انجیل آپ کے رفع جسمانی کے پہلے کی' اس میں آپ کی گرفتاری سے لیکر قبر سے جی اٹھنے تک کے واقعات درج نہ تھے۔ نیز یہ انجیل مقدس متی' مقدس مرقس' مقدس لوقا اور جناب یوحنا کی لکھی ہوئی نہ تھی۔ چونکہ مسیحی علماء اصلی اور صحیح انجیل پیش کرنے سے بالکل قاصر و عاجز ہیں اس لئے طرح طرح کی باتیں تحریر کرتے' چنانچہ پادری فانڈر صاحب رقمطراز ہیں:-

''اصحاب فہم وارباب دانش خوب سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم بفرض محال ایسا خیال کریں بھی کہ کوئی مقدس کتاب اس طرح سے آسمان پر تصنیف ہوئی۔ اور پھر بنی آدم کیلئے بھیجی گئی تو ایسا ہونے کا ثبوت بہم پہچانا بالکل ناممکن ہوگا۔ لیکن مسیحی لوگ الہام کے بارے میں یوں مانتے ہیں کہ اللہ جل شانہ، نے بنی آدم کی ہدایت کیلئے اپنا الہام تحریر کروانے میں نہ فقط انبیاء کے ہاتھ بلکہ ان کے ذہن وضمیر اور حافظہ وعقل اور روح کو بھی استعمال کیا۔ پس پیغام خدا کا تھا اور الفاظ لکھنے والوں کے۔ دیکھو یوحنا ۱۶ : ۱۳''۔ (میزان الحق پہلا حصہ باب ۳)-

''لیکن یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ فی الحقیقت ایک انجیل موجود ہے۔ کیونکہ لفظ انجیل اگرچہ اب ایک کتاب کے نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے معانی کو اہل اسلام اکثر بھول جاتے ہیں تو بھی اس کا ترجمہ ومطلب خوشخبری ہے۔ لفظ انجیل یونانی لفظ انگلیون کی عربی صورت ہے۔ انگلیون کا ترجمہ البشارۃ ہے۔ یہ بشارۃ۔ یہ الٰہی محبت کا پیغام اور خداوند مسیح کے وسیلہ سے راہ نجات ایک ہی ہے اگرچہ اس کا بیان مختلف طور پر کیا گیا ہے تاکہ زیادہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرے اور بجائے فرد واحد اس کے حق میں چار معتبر اصحاب کی شہادت ہو۔ پس ہم کہتے ہیں کہ انجیل ایک ہی ہے۔ اگر یونانی زبان کے اصلی نسخہ کو دیکھیں تو اسکے نام ہی سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یونانی اصل میں لکھا ہے۔ ''انجیل حسب تحریر مقدس متی۔ انجیل حسب تحریر مقدس مرقس'' وغیرہ فقط اختصار کے خیال سے ''انجیل متی'' وغیرہ کے القاب استعمال کئے جاتے ہیں۔ چاروں انجیل نویسوں میں سے ہر ایک نے روح القدس کی ہدایت کے مطابق اپنے طور پر انجیل کو قلمبند کیا لیکن چاروں کا پیغام بالکل ایک ہی تھا''۔ (میزان الحق پہلا حصہ باب ۳)

یہ سارا کھیل اس لیے کھیلا گیا ہے تاکہ اصلی انجیل کے نہ ہونے پر پردہ پڑا رہے اور انجیل ''کتاب'' ثابت نہ ہو سکے مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل حضرات انبیاء علیہم السلام پر کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے تھے بالکل اسی طرح آپ پر بھی ایک کتاب جس کا نام ''انجیل'' تھا نازل فرمائی تھی۔ موصوف نے چار اناجیل کی جو تاویل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسیحی کلیسیا کے پاس ایک ہزار اناجیل بھی ہوں تو بھی انجیل میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان کا پیغام ایک ہی ہوگا۔

پادری وکلف اے سنگھ صاحب لکھتے ہیں:۔

''دراصل حضور المسیح پر کوئی انجیل نازل ہی نہیں ہوئی جیسا کہ اہل اسلام میں مشہور ہے اور نہ آپ نے کوئی انجیل تحریر کی یا لکھوائی''۔ (غلط فہمیاں صف ۳۰ و ۳۱)۔

پادری ڈاکٹر ایچ۔ یو۔ سٹیفن صاحب رقمطراز ہیں:۔

''بعض مصنفین نے خیال کیا کہ سناپٹک اناجیل کے مصنفین کے سامنے ایک اور انجیل تھی جو ہماری موجودہ اناجیل سے بہت پہلے کی تھی اور اب مفقود ہے''۔(تفسیر متی صف ۱۸)-پادری صاحب کے الفاظ سے یہ بات خوب ظاہر ہوتی ہے کہ ''انجیل'' کتاب کا نام اور وہ گم ہے۔

پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے لکھتے ہیں:-

''مسیحیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب ابن اللہ اس دنیا سے آسمان پر صعود فرما گئے تو آپ ورثہ کے طور پر اپنے پیچھے کوئی کتاب نہ چھوڑ گئے جو اصول پر مشتمل ہو۔ بلکہ آپ نے مسیحی کلیسیا کو ورثہ کے طور پر اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا''۔(مسیحیت کی عالمگیری صف ۱۱۷)۔

کیا مسیحؑ کامل اور اکمل نمونہ تھے؟

مندرجہ بالا الفاظ سے یہ نتیجہ صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت اسرائیل کو کوئی کتاب نہیں دی بلکہ اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا۔ جبکہ آپ نے اپنی امت کو کامل اور اکمل نمونہ دیا تو اس کامل اور اکمل نمونہ کی بابت پانچ باتیں ذہن میں آتی ہیں:-

اول:-کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت **خاوند** اپنی امت کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں؟-

دوم:-کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت **باپ** اپنی امت کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں؟-

سوم:-کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت **تاجر** اپنی امت کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں؟-

چہارم:-کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت **سپہ سالار** اپنی امت کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں؟-

پنجم :-کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت **حکمران** اپنی امت کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں؟-

ہم نے ان پانچ باتوں کو عہد جدید میں بہت تلاش کیا مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا پس اس حقیقت کے پیش نظر آپ کامل اور اکمل نمونہ کے مصداق نہیں۔

ثابت تو لہو کے اشکوں سے ہوتا ہے کہ دل کا خون ہوا
پر عقل گواہی دیتی ہے کہ من آپ ہی اپنا قاتل ہے

قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو کوئی کتاب اور اپنا کامل واکمل نمونہ بھی نہیں دیا تو ایسے میں عقل پر زور شہادت دیتی اور بہانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ آپ کے بعد یقیناً ایسا متبرک ومقدس وجود کائنات میں تشریف فرما اور جلوہ آرا ہونا چاہیے جو لوگوں کو ہدایت کے لیے کتاب اور اپنا کامل اور اکمل نمونہ بھی دے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عظیم احسان فرمایا کہ قرآن پاک صاحب لولاک ﷺ کی وساطت ومعرفت بنی نوع انسان کو عطا فرمایا یہ قرآن مجید دنیا کی ہر قوم اور ہر قبیلہ غرضیکہ تمام نسل انسانی کے لیے قیامت تک رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔(ھدیٰ لِلنّاسِ۔البقرۃ :۱۸۵ہدایت واسطے لوگوں کے)-فرقان حمید سے قبل جتنی بھی چھوٹی اور بڑی آسمانی کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ چونکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت اور قیامت تک کے لیے نہ تھیں اس لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا نہیں اور ذمہ لیا نہیں چونکہ قرآن پاک قیامت تک کے تمام انسانوں (خواہ وہ کسی مذہب' کسی قوم یا کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں) کے لیے ہدایت ہے۔اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرقان حمید کی نگہداشت وحفاظت کا یوں اعلان فرمایا:-

''اِنَّا نَحنُ نَزَّ لنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحافِظُونَ ''(الحجر:۹)

(ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت' اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں فرقان حمید کی حفاظت کے متعلق اپنے ذمہ کا اظہار اور مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں حفاظت کا طرز وطریق ارشاد فرمایا:۔

"بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ م بَيِّنٰتٌ "فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ط" (العنکبوت:۴۹)۔

(بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف سینے میں ان کے جنکو ملی ہے سمجھ)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں تحریر فرمائی ہے:۔

"یعنی پیغمبر ﷺ نے کسی سے نہیں لکھا نہیں پڑھا بلکہ یہ وحی جو اس پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے جاری رہے گی،

سینہ بہ سینہ، اور کتابیں حفظ نہ ہوتیں تھیں، یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے لکھنا افزود ہے۔"

(موضع القرآن)

گو اس عالم ناپائیدار میں بہت سے مذاہب پائے جاتے ہیں اور ان کے ماننے والے اپنے پاس آسمانی کتابوں کے ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر ان تمام مذاہب میں سے ایک فرد بھی اپنی کتاب کا حافظ نہیں۔ اہل اسلام میں دور نبوت سے لیکر آج تک لگاتار اور متواتر ہر دور میں قرآن کریم کے حفاظ بے شمار اور لاتعداد پائے جاتے ہیں۔ یہ ربّ کائنات کے حفاظت قرآن پاک کے ذمہ کا واضح ثبوت ہے۔ ایسے میں انسانی عقل کو یہ بات بار بار سوچنا چاہیے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حق و باطل میں یہ فرق رکھا ہے کہ جو اسکی کتاب ہے اس کے حفاظ بنالیتا ہے جو اس کی نہیں اس کا ایک بھی حافظ بننے نہیں دیتا۔

کچھ شمع کی لو ہی میں تاثیر کشش ہوگی
ہوتا نہیں پروانہ ہر آگ کا شیدائی

قرآن پاک کی بابت یوحنا عارف کی بشارت

بہت مناسب معلوم ہوتا اور نہایت زیب دیتا ہے کہ قرآن پاک کی صداقت پر ایک ایسی شہادت تحریر کردی جائے جس سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی نظر آئے اور وہ شہادت یہ ہے کہ حضرت مسیح

علیہ السلام کے رفع جسمانی اور صعود آسمانی کے بعد ۹۵ء یا ۱۰۰ء میں جناب یوحنا نے ایک کتاب لکھی جسے مسیحی دنیا میں ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' کہا جاتا' اور یہ عہد جدید کی آخری کتاب ہے۔اس میں ان باتوں کو تحریر کیا گیا ہے جو زمانہ مستقبل میں رونما اور واقع ہونگی۔ چنانچہ مقدس یوحنا عارف آپ ہی اس کی تشریح وتصریح کرتے ہیں:-

''یسوع مسیح کا مکاشفہ جو اسے خدا کی طرف سے اس لئے ہوا کہ اپنے بندوں کو وہ باتیں دکھائے جن کا جلد ہونا ضرور ہے اور اس نے اپنے فرشتہ کو بھیج کر اس کی معرفت انہیں اپنے بندہ یوحنا پر ظاہر کیا جس نے خدا کے کلام اور یسوع مسیح کی گواہی کی یعنی ان سب چیزوں کی جو اس نے دیکھی تھیں شہادت دی اس نبوت کی کتاب کا پڑھنے والا اور اس کے سننے والے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنیوالے مبارک ہیں۔ کیونکہ وقت نزدیک ہے (یوحنا عارف کا مکاشفہ ۱ : ۱تا۳) -مقدس یوحنا کے خط کشیدہ الفاظ اس امر کی بیّن دلیل ہیں کہ جو کچھ ''مکاشفہ'' میں تحریر کیا گیا ہے وہ آئندہ زمانے میں ظاہر ہوگا اُن میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ:-

"پھر میں نے ایک اور فرشتہ کو آسمان کے بیچ میں اُڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم اور قبیلہ اور اہل زبان اور اُمت کے سنانے کیلئے ابدی خوشخبری تھی (یوحنا عارف کا مکاشفہ ۱۴: ۶) یاد رہے کہ ریفرنس والی بائبل میں ''مکاشفہ'' کے اس مقام پر ''خوشخبری'' کے اوپر ''ج'' لکھ کر اس کے تحت حاشیہ میں ''انجیل'' تحریر کیا گیا ہے۔اس طریق کار سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ گو متن میں ''انجیل'' کا معنی ''خوشخبری'' لکھا گیا ہے مگر دراصل لفظ ''انجیل'' ہی ہے۔اس جگہ ''اہل زبان'' کے مصداق ''اہل عرب'' اور امت کے مصداق ''مسیحی لوگ'' ہیں۔اس مقام پر یاد رہے کہ جناب یوحنا عارف کے مندرجہ بالا الفاظ میں ''ابدی انجیل'' کی مصداق ''انجیل عیسوی'' ہرگز ہرگز اور یقیناً نہیں کیونکہ وہ پہلے آچکی تھی۔نیز وہ ''ابدی انجیل'' نہ تھی۔کیونکہ اگر وہ ''ابدی انجیل'' ہوتی تو تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے قیامت تک موجود رہتی دنیا سے مفقود نہ ہوتی۔ان باتوں کے بعد ہم پورے وثوق اور بہانگ دہل کہتے ہیں کہ چونکہ

''انجیل عیسوی'' کے بعد کائنات میں سوائے قرآن مجید کے اور کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ اس لئے ''ابدی انجیل'' کا مصداق صرف ''قرآن مجید'' ہی ہے۔ اور فرقان حمید قیامت تک کے ہر انسان کے لیے رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ نیز جناب یوحنا عارف لکھتے ہیں:-

''اور اس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی تمجید کرو کیونکہ اس کی عدالت کا وقت آپہنچا ہے اور اسی کی عبادت کرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کیئے''۔

(مکاشفہ ۱۴ : ۷)۔

جبکہ مقدس یوحنا عارف کے خط کشیدہ الفاظ سے مراد ''قیامت'' ہے۔ تو اس سے چار باتیں ظاہر ہوتی ہیں:-

اوّل:- ''ابدی انجیل'' نے ''انجیل عیسوی'' کے بعد قیامت سے پہلے ظاہر ہونا ہے۔

دوم:- ''ابدی انجیل'' قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہوگی۔

سوم:- ''ابدی انجیل'' کے بعد قیامت تک کے لوگوں کیلئے ہدایت کی کوئی کتاب ہرگز نہیں آئیگی۔

چہارم:- ''ابدی انجیل'' کے بعد قیامت آئیگی۔

یہ چاروں باتیں قرآن مجید پر منطبق ہوتیں اور صادق آتی ہیں۔ پس قرآن مجید ہی ''ابدی انجیل'' کا مصداق ہے نیز یہ بات بھی پر لطف ہے کہ آنحضرت ﷺ کا لقب ''نبی الساعة'' (قیامت کا نبیؐ) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے لے کر قیامت تک کے درمیانی زمانہ میں کوئی نبی لوگوں کی ہدایت کے لیے نہیں آئیگا۔ نتیجہ یہ کہ قرآن پاک اور صاحب لولاک ﷺ کے بعد قیامت آئیگی۔ کوئی نئی رشد و ہدایت نہیں آئیگی۔ تو نہایت ٹھنڈے دل، علم و عقل اور انصاف و عدل سے اس بات پر توجہ فرمایئے کہ قرآن پاک اور صاحب لولاک ﷺ سے لے کر آج تک چودہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے اس مدت مدید اور عرصہ بعید میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا۔ اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں پس اس دمکتی اور چمکتی ہوئی دلیل اور اس روشن و منور مشاہدہ سے یہی ثابت اور ظاہر ہوتا ہے کہ ''ابدی انجیل'' کا مصداق

''قرآن پاک'' اور ''قرآن پاک صاحب لولاک ﷺ پر نازل ہوا پس نتیجہ درخشاں وتاباں ہو گیا کہ قرآن حکیم'' اور ''نبی کریم'' ﷺ اللہ رب العزت کی طرف سے بالکل سچ اور حق ہیں۔

امین وصادق کون ہے؟

دل میں آتا اور ذوق تقاضا کرتا ہے کہ جس طرح قرآن شریف کی صداقت پر مقدس یوحنا عارف کی شہادت تحریر کی گئی ہے بالکل اسی طرح ہادی ء دوجہاں' نبی آخرالزماں ﷺ کی صداقت پر بھی جناب یوحنا کی شہادت تحریر کر دی جائے تو سماعت فرمایئے اور لذت اٹھایئے:۔

''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے۔ اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے''۔

(مکاشفہ ۱۹ : ۱۱)۔

اس جگہ کسی خاص حکمت یا مجبوری کے تحت لفظ ''برحق'' لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس جگہ یہ لفظ بالکل نہیں بلکہ کوئی اور لفظ ہے۔ اس بات کی دلیل بائبل کے متفرق زبانوں اور مختلف زمانوں کے مندرجہ ذیل نسخوں کے تراجم ہیں:۔

۱:۔ ''یُدْعَی أمِیناً وَ صَادِقاً'' (نسخہ عربی بائبل ۱۹۵۶ء)۔

۲:۔ ''امین و حق'' (نسخہ فارسی بائبل ۱۹۵۹ء)۔

۳:۔ ''امانت دار اور سچا'' (نسخہ اردو بائبل ۱۸۸۰ء)۔

بائبل کے یہ تینوں نسخے فرقہ پروٹسٹنٹ کے ہیں۔ صرف مندرجہ ذیل ترجمہ فرقہ رومن کیتھولک کی بائبل کا ہے۔

۴:۔ ''وہ امین اور برحق کہلاتا ہے'' (نسخہ رومن کیتھولک بائبل ۱۹۵۸ء)۔

مندرجہ بالا چاروں تراجم سے یہ حقیقت بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ صحیح ترجمہ

''امین وصادق''

ہے ساقی کوثر، شافع محشر ﷺ کو مشرکین مکہ اور کفار بکہ دعوی نبوت سے قبل ''امین'' اور ''صادق'' کے القابوں سے پکارتے تھے ۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب ایم ،اے لکھتے ہیں:۔

''آپ اپنے کاروبار میں اپنا معاملہ ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔ آپ صدق گفتار، حسن کردار اور امانت داری کے سبب سے مشہور تھے۔'' (محمد ﷺ عربی صف ۳۰)۔

جب ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے آپ کو دعویٰ نبوت سے قبل برائے تجارت بھیجا تو پادری برکت اللہ صاحب اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:۔

''انہوں نے حضرت کی امانت، دیانت، صدق، راستی اور ہوشیاری کی شہرت سن کر حضرت کو بلوایا اور ان کو منافع میں شریک کر کے مال دیکر شام کیطرف بھیجا۔ اور اپنا غلام میسرہ ان کے ہمراہ کر دیا۔'' (محمد عربی صف ۳۱)۔

نیز موصوف لکھتے ہیں:۔

''بالآخر ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سے زیادہ عمر رسیدہ تھا رائے دی کہ کل صبح سب سے پہلے جو شخص آئے وہ منصف قرار دے دیا جائے اور اس کا فیصلہ منظور کرلیا جائے۔ قریش نے اس بات کو منظور کرلیا۔ دوسرے روز علی الصبح حضرت محمد سب سے پہلے آئے۔ لوگ آپ کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص امین ہیں انکا فیصلہ ہم کو منظور ہے۔'' (محمد عربی صف ۳۲)۔

''آپ نے دیگر صاحب ثروت اشخاص کی طرح اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کیا۔ آپ کی طبیعت سنجیدہ واقع ہوئی تھی۔ صدق راستی اور اعمال حسنہ کی وجہ سے آپ اپنے قبیلہ میں ممتاز تھے اور دیانت داری کی وجہ سے امین کہلاتے تھے۔'' (محمد عربی صف ۳۳)۔

موصوف کے مندرجہ بالا بیانات سے یہ صداقت خوب اجاگر اور منور ہوگئی کہ جو مقدس ومتبرک وجود ''امین'' و ''صادق'' جناب یوحنا عارف کو دکھایا گیا تھا اور جسے لوگ ''امین'' و ''صادق'' کے القابوں سے پکارتے تھے اس کے مصداق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں کیونکہ

آپ کے معاصرین آپ کو ان دونوں القابوں سے پکارتے تھے۔اور آپ نے قیامت تک کے لوگوں کو رُشد و ہدایت کیلئے بفرمان الٰہی قرآن مجید عطا فرمایا جو آج تک اپنی اصلی ہیت پر ہے اور اس کے بے شمار، لاتعداد اور ان گنت حفاظ موجود ہیں۔

رسولؐ پاک تمام انسانوں کے لیے کامل اور اکمل نمونہ ہیں

باقی رہا نمونہ تو قرآن حکیم، نبی کریم ﷺ کو کامل، اکمل اور ''عمدہ نمونہ'' قرار دیتا ہے:-

''اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' (الاحزاب:۲۱)

(عمدہ نمونہ)

آپ کا کامل، اکمل اور ''عمدہ نمونہ'' احادیث صحیحہ میں موجود اور محفوظ ہے۔

الحاصل رسول اقدس ﷺ نے بنی نوع انسان کو بفرمان الٰہی اور بحکم خداوندی ایک آسمانی، نورانی، روحانی اور لاثانی متبرک کتاب عطا فرمائی جسے ہم اہل اسلام قرآن مجید اور فرقان حمید کہتے ہیں۔ اور اپنا کامل، اکمل اور عمدہ نمونہ بھی دیا۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد میں ان دونوں چیزوں کی اشد ضرورت تھی سو اللہ ربّ العزّت نے بنی نوع انسان پر احسان عظیم فرمایا کہ ان کو دونوں چیزیں عطا فرمائیں۔ پس صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

''رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ'' (الحجر:۲)

(کسی وقت آرزو کرینگے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان)۔

عقلمند انسان وقت سے فائدہ اٹھاتا ہے کیونکہ:-

''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں''

اعتراضات کے جوابات

ناروے کے مسیحی مبشر صاحب رقمطراز ہیں:-

''ان خیالات کو محبت، معافی اور حلیمی سے پڑھا اور سمجھا جائے۔ جس طرح اسلام کی جانب سے

مثبت یا منفی تنقید کا جواب مسیحی لوگ مسلم بھائیوں کو محبت اور عزت سے دیتے ۔اس طرح مسلم دوست بھی کم از کم اپنی بابت محض سوچ تو سکیں‘‘۔

ہم مندرجہ ذیل بالا الفاظ کے متعلق کوئی طویل تبصرہ نہیں کرتے مگر یہ بات خاص مجبوری کے تحت ضرور کہتے ہیں کہ مسلم دوست اور مسلم بھائیوں کے نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق جو نازیبا اور شرافت سے گرے ہوئے الفاظ لکھے گئے ہیں ان سے ان سب باتوں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ جو مسلم دوست اور مسلم بھائیوں کو محبت اور عزت سے جواب دیئے ہیں۔ اگر مسلم بھائیوں اور مسلم دوست کے نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابت سوہان روح اور مکروہ الفاظ لکھنا ’’محبت‘‘ اور ’’عزت‘‘ سے جواب دینا ہے تو ’’عداوت‘‘ اور ’’ذلت‘‘ کا کیا معنی ہے؟ دانشمند دنیا اس طریق کار کو ’’بغل میں چھری اور منہ میں رام رام‘‘ کے مترادف سمجھتی ہے۔

اعتراض ۱ : -’’اسماعیل کیونکر نبی ہو سکتا جب کہ پاک توریت (پیدائش 16 : 12) کے مطابق اسماعیل کو گورخر (جنگلی گدھے) کی طرح آزاد مرد کہہ کر پکارہ گیا ہے اور اسماعیل کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اسماعیل کے خلاف ہوگا‘‘۔

توارت کے نزدیک اسماعیلؑ نبی اور عربی تھے

جواب : - جو دو لفظ خطوط وحدانی میں لکھے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہرگز ہرگز اور یقیناً نہیں مانتے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اجمعین کی زبان مبارک بدزبانی سے منزہ اور گالی سے مبرا ہوتی ہے۔ ایسے میں یہ مقدس وجود انسانی شرافت سے گرے ہوئے الفاظ اپنی مبارک زبان پر نہیں لایا کرتے۔ جو لوگ ان سوہان روح اور مکروہ الفاظ کو تورات کی طرف منسوب کرتے ہیں انہیں نبوت کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کا پتہ ہی نہیں۔ اسکے علاوہ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں مندرجہ ذیل تین ایسی باتیں بھی فرمائی ہیں جن سے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدح

ظاہر ہوتی ہے۔

الف:۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور آپ کا نور نظر قرار دے چکے ہیں۔

ب:۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام پر ترجیح دیتے ہیں۔

ج:۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت (لڑکا ہوگا اور نام اسمٰعیلؑ رکھنا) کا اظہار فرما چکے ہیں۔

جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدحت و منقبت پر دال ہیں۔تو زیر نظر منحوس الفاظ جن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہجو ہوتی ہے۔کیونکر بیان فرما سکتے ہیں؟یقین جانیے اور سچ مانیے کہ ہم اہل اسلام بالکل سچے ہیں۔الغرض زیر نظر الفاظ کلام اللہ نہیں ہیں۔

گذشتہ بالا الفاظ میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعلیٰ مقام و مرتبہ اور آپکے اخلاق و کردار اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدحت و منقبت اور آپ کے بلند مقام نبوت کے پیش نظر لکھا گیا ہے اور یہ بالکل حق و صداقت پر مبنی ہے۔اور اسی صداقت کو موجودہ تورات سے بھی ظاہر و ثابت کیا جاتا ہے:۔

الف:۔ ''وہ وحشی آدمی ہوگا''۔(اردو بائبل نسخہ ۱۸۸۰ء)۔

ب:۔ ''واومرد وحشی خواہد بود''۔(فارسی بائبل نسخہ ۱۹۵۹ء)۔

ج:۔ ''وَاِنَّهٗ یَکُوْنُ اِنْسَانًا وَحْشِیًا''۔(عربی بائبل نسخہ ۱۹۵۶)۔

(وحشی آدمی)۔گو یہ ترجمہ بھی محل نظر ہے مگر اس سے یہ بات تو صاف صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مسیحی مبشر صاحب نے جو ترجمہ تحریر کیا ہے وہ غلط ہے اگر یہ کہا جائے کہ یہ ترجمہ اردو بائبل نسخہ مروج میں موجود ہے۔تو ہم کہتے ہیں کہ جو ترجمہ ہم نے نقل کیا ہے چونکہ یہ ترجمہ تین مختلف زبانوں (اردو۔فارسی۔عربی) کے نسخوں میں موجود ہے اس لیے علم و عقل اور عدل و انصاف کی دنیا میں ان تینوں نسخوں کو اردو بائبل کے نسخہ مروج پر یقیناً ترجیح دی جائے گی۔پس اس انصاف بھری اور کھری بات سے بھی موصوف کا ترجمہ یقیناً غلط ہے۔ہم اس ترجمہ کی بابت یہ کہتے ہیں کہ اس

(جنگلی گدھے کی طرح) ترجمہ کو اس کے عبرانی زبان کے مترادف الفاظ عبرانی بائبل میں اس طرح نہیں ملتے کہ اس کے دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو بالفاظ دیگر علمی دنیا میں جسے نص قطعی کہا جاتا ہے۔ پس موصوف کا ترجمہ صداقت سے دور اور بہت دور ہے۔

بائبل کے مندرجہ بالا تینوں نسخوں میں جس لفظ کا معنیٰ ''وحشی'' کیا گیا ہے۔ اس کا معنیٰ ''جنگلی'' بھی ہے جو وجہ پہلے تحریر کی جا چکی ہے اسی معقول وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شان اقدس میں یہ الفاظ فرمانے یقیناً زیب نہیں دیتے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک اور صرف ایک ہی لفظ ایسا ارشاد فرمایا' جس میں ہجو کا اشارہ تک نہ پایا جاتا تھا۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لفظ کونسا تھا؟ تو بائبل کہتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مسکن عرب تھا۔ یسعیاہ کے اکیسویں باب کی تیرھویں آیت کی ابتدا میں یہ الفاظ ہیں۔

''عرب کی بابت بار نبوت''۔ چودھویں آیت میں ''تیما''۔ سولھویں اور سترھویں آیات میں ''قیدار'' اور ''بنی قیدار'' کا ذکر ہے۔ ''تیما'' اور ''قیدار''۔

دونوں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لڑکوں کے نام ہیں۔ (پیدائش ۲۵ : ۱۳و۱۵)۔ پس اس سے یہ بات روشن ہو گئی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مسکن ''عرب'' تھا۔ اور جناب پولوس لکھتے ہیں:-

''اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے'' (گلتیوں ۴ : ۲۵)

چونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی امی جان حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ تھے اس لیے آپ کا مسکن بھی عرب تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے مسکن کی بابت ڈاکٹر ڈبلیو۔ بلیکی صاحب رقمطراز ہیں۔

''وہ عربی قوم کا بانی ہوا''۔ (تواریخ بائبل صف ۷۶)۔

''عیسو کی اولاد اسمٰعیلیوں کی طرح عرب کی وسیع سرزمین میں ہر جگہ آباد نہ ہوئی۔

(تواریخ بائبل صف ۸۳)

مطلع بے غبار اور بات صاف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ "وہ آدمی عربی ہوگا"۔ "عربی" لفظ میں دوسرے معنی کا احتمال بھی نہیں نیز اس لفظ سے دونوں حضرات انبیاء علیہما السلام کی عزت وعظمت پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔ پس ہمارے نزدیک یہی بات صحیح و درست ہے کہ "وہ آدمی عربی ہوگا"۔ ایسے میں جو ترجمہ مسیحی مبشر صاحب نے نقل کیا ہے وہ کلام اللہ نہیں بلکہ وہ کسی ایسے "رحمدل" یہودی کا وضع کیا ہوا ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر "بہت مہربان" تھا۔ اور یہ بات قابل انکار نہیں کیونکہ تورات کی پانچویں کتاب "استثنا" کے آخری دو ابواب بھی تو کسی یہودی نے درج کیے ہیں حالانکہ ان سے تو کوئی غرض بھی معلوم نہیں ہوتی۔ جبکہ جو الفاظ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شان اقدس میں لکھے گئے ہیں ان سے نبوت سے محروم رکھنے کی غرض معلوم ہوتی ہے۔ یہودیوں نے تو "انبیاءاللہ" کو شہید کیا۔ مسیحی عقیدہ کے مطابق انہوں نے "ابن اللہ" کو سولی پر چڑھایا تو ان کے نزدیک "کلام اللہ" کو بگاڑنا کوئی کٹھن کام اور مشکل امر نہ تھا۔ اس کام کے لیے نہ پاسپورٹ بنانے کی ضرورت اور نہ ویزا لگانے کی حاجت انہیں اس کام میں اس قدر آسانی تھی:۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

باقی رہے یہ الفاظ:۔

"اور اسماعیل کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اسماعیل کے خلاف ہوگا"۔

تو یہ الفاظ غیر موزوں دکھائی دیتے ہیں کیونکہ تورات کی جس آیت سے یہ الفاظ نقل کیے گئے (پیدائش ۱۶ :۱۲) اسی آیت کے بالکل آخر میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابت یہ الفاظ بھی ہیں:۔

"اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہیگا"۔

اگر اِن الفاظ کو مدنظر رکھ کر اُن الفاظ پر نگاہ ڈالیں تو اُن کی صداقت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ اِن

الفاظ میں الفت ومحبت (اپنے سب بھائیوں) کا مظاہرہ ہے۔پس ایسے میں وہ الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے نہیں بلکہ اسی یہودی کا فعل ہے جو پہلے سوہان روح الفاظ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شان اقدس میں لکھ چکا ہے۔اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں صرف مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے تھے:-

''وہ آدمی عربی ہوگا اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا''۔

ایک عقلمند انسان کو ان الفاظ سے کوئی الجھن وکشمکش پیدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ الفاظ مبارک اس قدر صاف ستھرے،اجلے اور نکھرے ہیں کہ فوراً دماغ میں آتے اور دل میں سماتے ہیں۔ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہ الفاظ مبارک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کے پیش نظر آپ کی شان اقدس میں ارشاد فرمائے ہیں۔

صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آنہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے حق میں مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے ہیں:-

''اے سانپو!اے افعی کے بچو!تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے''؟

(انجیل متی ۲۳ : ۳۳)

افعی اس سانپ کو کہتے ہیں جو بہت زہریلا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سوا تمام لوگوں کی بابت فرمایا:-

''اس نے اس سے کہا پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے کیونکہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں''۔(انجیل مرقس ۷ : ۲۷)۔

یادرہے کہ اس جگہ ''لڑکوں'' سے ''بنی اسرائیل'' اور ''کتوں'' سے مراد تمام ''انسان'' ہیں۔مسیحی علماء اس مفہوم کا انکار نہیں،بلکہ اس کی تاویل کرتے ہیں۔

چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔اے نے اس کی تاویل یوں کی ہے:۔
''ہمارے اپنے پنجاب دیس کے بعض اضلاع اور پہاڑی مقامات میں بھی والدین اپنے بچوں کو پیار کے طور پر ''کتورا'' ڈبو وغیرہ بلاتے ہیں''۔(اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی ؟ صفہ ۷۷)۔
پادری صاحب کی اس تاویل پر کوئی تبصرہ نہیں کیا جاتا بلکہ صرف یہی کہا جاتا ہے کہ پہاڑی لوگ گنوار اور تہذیب سے دور ہوتے ہیں تو کیا اللہ ربُّ العزت کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خلق ان کے برابر تھا؟۔

اچھا کیا جو دیکھنے آئے مریض کو مگر
آنکھیں دکھا کر اور ہی بیمار کر دیا

بہت مناسب معلوم ہوتا اور نہایت زیب دیتا ہے کہ اس موقع کے لحاظ سے قرآن کریم کا وہ فرمان مبارک جو نسل انسانی کے حق میں ہے اسے نقل کر دیا جائے تو قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:۔

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ''(بنی اسرائیل:۷۰)۔

(اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو)

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر
لوگ بیدردی سے پھولوں کو مسل دیتے ہیں

جو لوگ یہودیت' مسیحیت اور اسلام سے تعلق نہیں رکھتے وہ لوگ اس مقام پر فیصلہ کریں کہ جو کتاب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے سر پر دستار فضیلت' عزت کی پگڑی اور بزرگی کا عمامہ باندھتی ہے وہ کتاب الہامی ہے؟ یا جو کتاب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو گدھے اور کتے وغیرہ قرار دے وہ کتاب الہامی ہے؟

ہم نے آواز پر تم کو آواز دی
پھر بھی کہتے ہو ہم کو پکارا نہیں

بہر حال قرآن مجید اپنے اطہر و اطیب بیان سے اور فرقان حمید اپنے اعلیٰ و ارفع انداز سے اپنی

اوّلیت وافضلیت کالوہا منوااور سکہ بٹھا گیا ہے۔

اس کے بعد

اللہ تبارک تعالیٰ کے پیارے پیغمبر

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لاڈلے نورنظر

امی جان حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے چہیتے لخت جگر

حضرت سیّدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی قدر و منزلت' شان وشوکت' عزت وعظمت اور نبوت ورسالت ملاحظہ فرمایئے اور حظ اٹھایئے!

ا:۔ سیّدنا حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت با سعادت سے قبل سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خدا نے فرمایا:۔

"کہ بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اس کا نام اضحاق رکھنا"۔

(پیدائش ۱۷ : ۱۹)

خدا کے فرشتے نے سیدنا حضرت زکریاہ علیہ السلام سے فرمایا:۔

۲:۔"اے زکریاہ! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعا سن لی گئی اور تیرے لیے تیری بیوی الیشبع کے بیٹا ہوگا۔ تو اسکا نام یوحنا رکھنا"۔ (انجیل لوقا ۱ : ۱۳)۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتہ نے امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام سے فرمایا:۔

۳:۔"اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا" (لوقا ۱ : ۳۱)

اس جگہ دوبارہ توجہ فرمایئے تا کہ صداقت آسانی سے دماغ میں آ اور دل میں سما سکے۔ ان تینوں حضرات انبیاء علیہم السلام کی ولادت باسعادت سے قبل ان کی بابت دو دو باتوں کا اظہار فرمایا گیا:۔

	(۱)		(۲)
الف:۔	لڑکا ہوگا ۔	اور	نام اضحاق علیہ السلام رکھنا ۔

ب:۔لڑکا ہوگا۔ اور نام یوحنا علیہ السلام رکھنا۔

ج:۔لڑکا ہوگا۔ اور نام یسوع علیہ السلام رکھنا۔

فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تینوں متبرک وجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی تھے۔ چونکہ اللہ رب العزت کے فرشتہ نے امی جان حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے قبل یہی

"(تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اسکا نام اسمٰعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا)"

(پیدائش ۱۶ : ۱۱)

الفاظ فرمائے تھے۔ پس یہ بات احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے خوب روشن ہوگئی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی باری تعالیٰ کے نبی تھے۔ تو سچے نبی کا انکار اور اس کی توہین کرنا سخت کفر ہے۔

یہ بات نہایت توجہ کے قابل ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام کے بعد حضرت ابراہیم نے تیسری شادی کی تھی اور آپ کے ہاں چھ لڑکے پیدا ہوئے تھے (پیدائش ۲۵ : ۱ , ۲)۔ مگر اللہ تبارک تعالیٰ نے نہ انکی بشارت دی اور نہ انکے نام رکھے۔ یہ امتیاز اس بات کی بین دلیل اور واضح ثبوت ہے کہ چونکہ وہ نبی نہ تھے اس لیے ان کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا۔ مسیحی دنیا میں یہ حکم ہے:۔

"جو دعوٰی کسی بزرگ کے برخلاف کیا جائے بغیر دو یا تین گواہوں کے اس کو نہ سن"۔ (ا۔ تیمتھیس ۵ : ۱۹)۔

الحمد للہ! ہم نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت کو مسیحی علماء کی شریعت کے معیار کے عین مطابق ثابت کردیا ہے۔

"سوچنے کی بات ہے اسے باربار سوچ"

بائبل نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت کا جو اظہار کیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر نبی کے ساتھ ایسا ہونا لازمی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ جس کے ساتھ یہ دونوں باتیں ہوں گی وہ یقیناً

اللہ ربُّ العزت کا نبی ہو گا۔ اب جبکہ بائبل نے نہایت صاف ' ستھرے اور اجلے الفاظ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کے اکلوتے اور چہیتے نور نظر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت کا اظہار کر دیا ہے۔ تو کوئی ایسا ذی علم ہے جو بائبل کے اس اظہار کا منہ موڑ سکے؟ بالفاظ دیگر بائبل سے یہ دکھا سکے کہ یہ دونوں باتیں کسی کے ساتھ رونما ہوئی ہوں اور وہ نبی نہ ہوا ہو؟

"هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (النمل: ۶۴)۔

(لاؤ تم اپنی دلیل اگر تم سچے ہو)

گردنیں جو میں نے کہیں وہ تجھکو دکھادیں

تو بھی دکھا دے مجھے شب دیجور کی گردن

اعتراض: ـــ "اور قرآن میں سورۃ العنکبوت کی 27 آیت کے مطابق اسماعیل کو ہر طرح کی نبوت اور ہر طرح کی الہامی کتاب سے محروم رکھا گیا ہے"۔

قرآن پاک کے نزدیک اسماعیلؑ نبی ورسول تھے

جواب: ـــ پہلا نخن لطیف۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک اور آخری کلام میں نرالا طرز اور اچھوتا انداز اختیار فرمایا کہ نبی کے اسی نور نظر کا اسم مبارک لیا جو نبی ہوا اگر کسی نبی کے غیر نبی بیٹے کا ذکر کیا تو اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی طرف ضمیر استعمال کی۔ سارے قرآن مجید میں اس کے خلاف نہیں ملے گا۔ چونکہ قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق علیھما السلام کے نام مبارک "شکریہ خلیل اللہ" علیہ السلام میں موجود ہیں (ابراھیم: ۳۹) پس اس سے یہ بات خوب چمک اور دمک اٹھی کہ یہ دونوں متبرک وجود اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی تھے۔

دوسرا نخن لطیف ـ بائبل جن کے متعلق دو باتیں پیدائش سے قبل (لڑکے کی بشارت اور نام رکھنا) بیان کرتی ہے تو وہ یقیناً نبی ہوتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ بائبل نے چاروں بشارتوں میں اکیلی اکیلی بشارت میں کتنے کتنے الفاظ استعمال کیے ہیں؟ مگر قرآن مجید نے اس مقصد کو صرف

ایک لفظ یعنی نبی کے نور نظر کا اسم مبارک بیان فرما کر حاصل کرلیا۔اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔کہ قرآن مجید کا انداز بیان بائبل کے طرز بیان پر سبقت لے گیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری کلام پاک میں ایسے ہی لاتعداد اور بے شمار اسرار ورموز اور نکات ومعارف کی وجہ سے ہم قرآن پاک کی بابت کہتے ہیں کہ:-

''نہ جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی''

قرآن مجید کی جس آیت مبارکہ سے غلط استدلال کیا گیا' وہ یہ ہے:-

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ج وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ . (العنکبوت:۲۷)

(اور دیا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوبؑ اور رکھ دی اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب اور دیا ہم نے اس کو اسکا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں البتہ نیکوں سے ہے۔)

اس آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریّت واولاد کا ذکر ہے۔جبکہ قرآن پاک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو''نبی اللہ''اور آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا نور نظر قرار دیتا ہے۔تو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی''ذریّت''میں یقیناً آپ بھی شامل وداخل ہیں خارج نہیں۔ہم نے جو مطلب ومفہوم اس آیت مبارکہ کا تحریر کیا ہے اس کی تصدیق فرقان حمید کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ہ

(البقرۃ:۱۲۸)

(اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی کر ایک

جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے کے اور ہم کو

معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔)

یاد رہے کہ آیت شریفہ ۱۲۷- میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے نام مبارک چمک اور دمک رہے ہیں۔ اور آیت مبارکہ ۱۲۹- میں آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر ہے۔ سورۃ العنکبوت: ۲۷- میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خیر موجود ہے۔ پس ان (العنکبوت: ۲۷- البقرۃ: ۱۲۷، ۱۲۸- ۱۲۹-) آیات مبارکہ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور رسول اکرم ﷺ بھی شامل و داخل ہیں۔ بہت زیب دیتا اور نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائبل سے بھی اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور بیٹے ہیں چنانچہ تورات کہتی ہے:-

الف:- ''تب ابرہام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل''۔ (پیدائش ۱۷ : ۲۳)-

ب:- ''اور جب اس کے بیٹے اسمٰعیل''۔ (پیدائش ۱۷ : ۲۵)-

ج:- ''ابرہام اور اس کے بیٹے اسمٰعیل''۔ (پیدائش ۱۷ : ۲۶)-

د:- ''اس لئے کہ وہ تیری نسل ہے''۔ (پیدائش ۲۱ : ۱۳)-

تورات کے مندرجہ بالا چاروں مقامات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نسل اور لڑکے ہیں۔ اگر کوئی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اس حقیقت کے خلاف مانتا ہے تو پھر اس کیلئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ وہ بائبل سے یہ الفاظ دکھادے کہ:-

''اسمٰعیلؑ نسل ابراہیمؑ نہیں''

''اسمٰعیلؑ ابراہیمؑ کا بیٹا نہیں''

الحاصل قرآن وتورات دونوں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ''ابن خلیلؑ اللہ'' اور ''نبی اللہ'' مانتے ہیں۔ پس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اولاد ابراہیمؑ میں داخل وشامل ہیں۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اس کے بعد قرآن پاک سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت ورسالت پر مزید دلائل ملاحظہ کیجیے:۔

۱: ''وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ'' (البقرۃ:۱۳۶)۔

۲: ''وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ'' (ال عمران:۸۴)۔

۳: ''وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ'' (النساء:۱۶۳)۔

غور فرمائیے! کہ قرآن مجید کہ تینوں سورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اور حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے ترتیب زمانی کے لحاظ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اسم مبارک کیسے چمک ودمک رہا ہے۔ اور یہ بات بھی پُر لطف ہے کہ جس طرح کلام ربّانی اور وحی آسمانی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی ہے بالکل اسی طرح آپ کی رسالت بھی ثابت ہوتی ہے:۔

''وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا''۔

(اور مذکور کر کتاب میں اسمٰعیل کا وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی۔ مریم:۵۴)۔

سیّدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام کے حق میں بھی دو لفظ ہیں:۔

''رَسُوْلاً نَّبِیًّا'' (مریم :۵۱)

سیدنا حضرت اسحٰق علیہ السلام کے حق میں بھی ایک ہی لفظ ہے' ۔ نَبِیًّا'' (مریم:۴۹)

سیّدنا حضرت ہارون علیہ السلام کی بابت صرف ایک لفظ ہے ۔''نَبِیًّا'' (مریم:۵۳)

قرآن پاک کے مندرجہ بالا مقامات سے یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے مقام و مرتبہ میں جو فرق ہے وہی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام میں بھی ہے ۔اور یہ ترجیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حق میں تورات سے بھی ثابت ہے ۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو آپ نے باری تعالیٰ کے دربار عالیہ میں یوں عرض کی :-

''کہ کاش اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے'' ۔ (پیدائش ۱۷ : ۱۸)

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پالینے کے بعد اولاد کی دعا بھی نہیں کی ۔ پس ان سے یہ حقیقت روشن ہوئی کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام پر ترجیح ہے ۔ پس ان تمام باتوں سے یہ بات خوب کھل کر منظر عام پہ آگئی کہ آپ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے روحانی بیٹے ،شرعی فرزند اور نبی و رسول ہیں ۔

کتنے ناداں ہیں تیری بستی کے لوگ

پھول سے خوشبو جدا کرتے رہے

پس مسیحی مبشر صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ'' اور قرآن میں سورۃ العنکبوت کی ۲۷ آیت کے مطابق اسمٰعیل کو ہر طرح کی نبوت اور ہر طرح کے کتاب سے محروم رکھا گیا ہے'' ۔

سورۃ العنکبوت :۲۷ کا صحیح مطلب و مفہوم

اوّل تو اسی آیت مبارکہ میں ''ذریّت ابراہیم علیہ السلام'' میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی شامل و داخل ہیں ۔

دوم ۔اگر اس آیت مبارکہ میں آپ کا اسم مبارک نہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ سارے قرآن

مجید میں کہیں بھی نہیں تو یہ بات غلط ذہن کی پیداوار' کذب اور قرآن حکیم پر بہتان عظیم ہے۔
بندہ مسلمان ہونیکی حیثیت سے یہی دعا کر سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ ہدایت عطا فرمائے۔
آمین ثم آمین۔

اعتراض :-''اور نبوت اور پاک نوشتوں کا حکم اور وعدہ تو صرف ابراہیم سے پیدا ہونے والے اضحاق اور اضحاق سے پیدا ہونیوالے یعقوب اور صرف یعقوب کی آل اولاد (اسرائیل) سے ہے''۔

وعدہ الٰہی پورا نہیں ہوا

جواب :- مندرجہ بالا الفاظ میں جس وعدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد کے ساتھ ایک وعدہ اور بھی کیا گیا' اس وعدہ کے الفاظ یہ ہیں:-

''اور میں تجھکو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے ایسا دونگا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔اور میں ان کا خدا ہونگا''۔(پیدائش ۱۷ : ۸)۔

اس وعدہ میں چار باتوں کا ذکر ہے:-

الف:-حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وعدہ۔

ب:- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ وعدہ۔

ج:- تمام ملک کنعان دینے کا وعدہ۔

د:- ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملک کنعان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپکی اولاد کو دینے کا وعدہ۔

اب دو باتیں دیکھنی ہیں۔اول:- یہ ملک کتنا ہے؟ دوم:- وعدہ کے مطابق ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے قبضے میں ملک کنعان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہا؟ تو پادری یوحنا خان صاحب ان دونوں باتوں کی بابت لکھتے ہیں:-

''ملک موعود۔ جس ملک کا خدا نے ابرہام اور اس کی اولاد سے وعدہ کیا تھا اس کا رقبہ تو بہت بڑا تھا ۔ دیکھو پیدائش ۱۵ : ۱۸۔ گنتی ۳۴ : ۱-۱۲۔ یشوع ۱ : ۴ و ۱۳ : ۱۔ اس میں فلستیوں کی سر زمین فینکے کے ساحل کا میدان سیریہ تک شمال کی طرف حمات تک اور فرات کا مشرقی حصہ اور نیچے دریائے مصر تک شامل تھے مگر بنی اسرائیل نے یہ وعدہ شدہ ملک سارا فتح نہیں کیا' بلکہ داؤد اور سلیمان کے عہد میں بھی جبکہ اسرائیل کی سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ اور ملک کو بڑی رونق اور کشادگی حاصل تھی اس ملک کی وسعت وعدہ کی زمین کی وسعت تک نہیں پہنچی۔ یہی حال روحانی عالم میں بھی ہے۔ خدا کے ایماندار بندے اپنے ایمان کی کمی اور کوتاہ نظری کے باعث خدا کے ان وعدوں کی پوری دولت کو حاصل نہیں کر سکتیں جو ان سے کیے گئے ہیں''۔

(جغرافیہ بائبل صف ۱۵ و ۱۶)۔

نیز موصوف لکھتے ہیں:۔

''۷۰ء میں ایک رومی جنرل نے یروشلیم شہر کا پھر محاصرہ کیا جب کہ عید فسح کے موقعہ پر یروشلیم شہر ساری دنیا کے یہودیوں سے اٹا پڑا تھا شہر فتح کر لیا۔ بازاروں میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں ۔ گلی کوچے لاشوں سے مسدود ہو گئے۔ شہر جلا دیا گیا اور سچ مچ ہمارے خداوند مسیح کی پیشگوئی کے مطابق شہر کی اینٹ پر اینٹ باقی نہ رہی۔ مسیحی روما کے بادشاہوں کے عہد میں یروشلیم پھر کچھ تعمیر کیا گیا اور کچھ رونق اس میں ہوئی جو خلیفہ عمر کے عہد تک رہی جب مسلمانوں نے یہ شہر فتح کیا اور ہیکل کی جگہ پر ایک مسجد بنائی جو مسجد عُمر کہلاتی ہے اور اب تک ہے۔ اور کئی صدیوں تک سرا مین کے ماتحت رہا۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبی جنگوں کے ماتحت بوئیلان کے شاہ گاڈفرے نے اسے فتح کیا اور یروشلیم کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ تقریباً ایک صدی کے بعد ترکوں نے اسے فتح کیا اور ۱۲۱۷ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح یہ شہر اپنی پرانی تواریخ میں سات بار برباد ہوا اور سات بار تعمیر ہوا''۔ (جغرافیہ بائبل صف ۷۳)۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔

تیرے وعدہ پہ جئے یہ جان جھوٹ جاناں
خوشی سے مر نہ جاتے گر اعتبار ہوتا

الف:۔موصوف نے جس وعدہ کا ذکر کیا ہے اس کا حال بھی ملک کنعان کے وعدہ کی طرح ہے کیونکہ اگر یہ وعدہ صحیح ہوتا تو تورات حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نبوت کا بانگ دہل اعلان نہ کرتی۔تورات کا آپکی نبوت کا اظہار کرنا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ یہ وعدہ صحیح نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی بابت یعقوبؑ کی بشارت

ب:۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو ارشاد فرمایا:۔

''یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹیگی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔جب تک شیلوہ نہ آئے اور قومیں اس کی مطیع ہونگی''۔(پیدائش ۴۹ : ۱۰)۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس پیشن گوئی سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ آپ ایک ایسی مقدس شخصیت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ جس کے تشریف فرما ہونے کے بعد یروشلیم سے نہیں بلکہ نسل یہوداہ سے سلطنت جاتی اور حکومت رخصت ہو جائے گی۔مسیحی علماء اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بابت مانتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی بات ہزار دقت سے بھی نہیں بنتی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت سے قبل آپ کی امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کو آپ کی بابت یہ بھی بشارت دی گئی کہ:۔

''اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کرے گا اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا''۔

(لوقا ۱ : ۳۳)۔

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نسل یہوداہ سے ہیں اور ''یعقوب کے گھرانے پر'' ابد تک حکومت کرینگے تو زیر نظر بشارت کے یہ الفاظ ''یہوداہ سے سلطنت نہیں چھوٹیگی اور نہ اس کی نسل سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔جب تک شیلوہ نہ آئے''۔(پیدائش ۴۹ : ۱۰)۔

آپ پر صادق نہیں آتے کیونکہ آپ نسل یہوداہ سے ہیں اور نسل یہوداہ پر آپ نے ابد تک حکومت کرنا ہے۔اس سے نسل یہوداہ سے سلطنت چھوٹتی نہیں بلکہ موجود اور مضبوط ہوتی ہے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشارت کے ان الفاظ کے ہرگز ہرگز اور یقیناً مصداق نہیں۔ ہمارے نزدیک زیرِ نظر الفاظ کے مصداق صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ کیونکہ آپ ''نسل یہوداہ'' سے نہیں بلکہ ''نسل اسمٰعیل'' علیہ السلام سے تعلق رکھتے نیز آپ نے یہودیوں کی جو حکومت خیبر میں تھی اسے ختم فرما دیا تھا یہ یہودیوں کی آخری حکومت تھی چونکہ یہ بشارت رسول اکرم ﷺ پر ہی صادق آتی ہے لہٰذا آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔ اس بشارت میں جو لفظ ''شیلوہ'' پایا جاتا ہے۔ اس لفظ کے متعلق مسیحی علماء سرگرداں اور حیران ہیں چنانچہ پادری خیر اللہ صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''شیلوہ:۔ بائبل کا ایک عبرانی لفظ جس کے صحیح معنی معلوم نہیں''۔ (پیدائش ۴۹ : ۱۰)۔

''اس لفظ کی وجہ سے پیدائش ۴۹ : ۱۰ کی تشریح کچھ مشکل پیش کرتی ہے''۔

''بعض علماء کی رائے میں اس لفظ کا مفہوم سلامتی ہے''۔

بعض علماء شیلوہ کو شیلوہ شہر (پروٹسٹنٹ ترجمہ میں سیلا) سمجھتے ہیں۔

اور یشوع ۱۸ : ۱ کی طرف اشارہ کرتے ہیں''۔

''کچھ اور علماء شیلوہ کو دو لفظوں کا مرکب تصور کرتے ہیں''۔

(قاموس الکتاب تحت ش صف ۵۸۶)

پادری، جی، ٹی، مینلی صاحب اس لفظ کی بابت لکھتے ہیں:۔

''یہ مشکل عبارت ہے''۔

''متن کے بارے میں مختلف خیالات ہیں''۔

''غالباً یہ لفظ بابلی لفظ ''شیلوہ'' کا ہم اصل ہے''۔ (ہماری کتب مقدسہ صف ۳۶۲)۔

یہ سرگردانی اور حیرانی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس لفظ کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے۔ تو رومن کیتھولک کی بائبل میں اس مقام کی بابت حاشیہ میں یوں لکھا گیا ہے:۔

''باب ۴۹ : ۱۔ اس طویل نظم میں یعقوب اپنے بیٹوں کی نسلوں کو ان واردات سے جو زمانہ

مستقبل میں وقوع میں آئیں گی۔ آگاہ کرتا ہے۔ متن بعض مقامات میں بہت دھندلا ہے"۔
پروٹسٹنٹ بھی اسباب کے قائل ہیں چنانچہ انگریزی نسخے میں جس کا نام "گڈ نیوز بائبل" ہے۔
پیدائش ۴۹ : ۱۰ کے حاشیہ میں "Hebrew un clear" (عبرانی متن دھندلا ہے)
ایک ذہین وفطین انسان مسیحی علماء کے مندرجہ بالا بیانات کو مدنظر رکھ کر اس حقیقت کو بخوبی پا جاتا ہے کہ لفظ "شیلوہ" اس لیے دھندلا' کہ اس لفظ میں انسانی ہاتھ نے اپنا کرتب دکھایا' اور جو کرتب دکھایا گیا وہ یہ ہے کہ "شیلوہ" جو کہ عبرانی تورات میں موجود اور آیت کے خاتمہ سے دہنے ہاتھ کو چوتھا لفظ ہے۔ اس لفظ کا آخری حرف عبرانی میں یوں ہے:۔" ה "۔یعنی" ہ"۔
عبرانی زبان میں "ح" نہیں آتی بلکہ "خ" آتی ہے۔ اگر عبرانی کے اس حرف ה = ہ۔ سے اس لفظ کو پڑھا جائے تو اس کے متعلق دامن میں کچھ نہیں پڑتا سوائے حیرانی اور پریشانی کے۔ اور اگر اسے اس حرف "ח = خ" ۔ سے پڑھا جائے تو دامن بھر جاتا' حیرانی کا دکھ دور پریشانی کا روگ کافور انسان کو صحیح راستہ مل جاتا اور منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے اس لحاظ سے یہ صحیح لفظ "شیلوخ" ہے۔ انسانی ہاتھ نے اسے اپنا نشانہ بنا کر اسے "شیلوہ" بنا دیا۔ نتیجہ یہ کہ اس کے آخری حرف ח = خ کو ה = ہ سے بدل دیا۔ اس سے اس لفظ کی شکل وصورت بدل گئی' اس کے معنوں میں گڑبڑ پیدا ہو گئی اور بات کہاں کی کہاں تک چلی گئی۔ بس یوں ہی سمجھئے کہ:۔

ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
بس ایک ہی نقطہ نے مجھے محرم سے مجرم کر دیا

جبکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ اصل اور صحیح لفظ "شیلوخ" ہے تو اس سے ہم پر دو باتیں

(۱) (۲)

(شیلوخ عبرانی لفظ ہے ؟ اور اس کا معنی کیا ہے ؟) عائد ہوتی ہیں۔ ان باتوں کا جواب مندرجہ ذیل ہے:۔

"اس سے کہا جا شیلوخ (جس کا ترجمہ "بھیجا ہوا" ہے) کے حوض میں دھولے"۔

(انجیل یوحنا۹ : ۷)۔

یادر ہے کہ انجیل یوحنا۹ : ۷ کے مندرجہ بالا الفاظ میں ہمارا ایک حرف بھی نہیں یہ سب الفاظ اسی انداز سے انجیل مذکورہ میں موجود ہیں۔نیز پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

''(عبرانی شیلوخ = بھیجنے والا)۔(قاموس الکتاب تحت ش صف ۵۸۶)۔

پادری صاحب نے اس جگہ یہ تو تسلیم کیا کہ ''شیلوخ'' عبرانی لفظ ہے مگر اہل اسلام سے ''پیار ومحبت'' کی وجہ سے اس کا معنی بالکل غلط لکھ دیا۔صحیح معنی وہی ہے جسے ہم نے انجیل یوحنا کے متن سے نقل کیا ہے۔پس اس سے یہ حقیقت خوب روشن ہوگئی کہ اصل اور صحیح لفظ ''شیلوخ'' جس کا معنی اردو میں ''بھیجا ہوا'' اور عربی میں اس کا مترادف لفظ ''رسول'' ہے۔یہ بات بھی پر لطف ہے کہ فرقان حمید اور قرآن مجید میں نبی پاک ﷺ کو بارہا مقامات پر لفظ ''رسول'' سے رحمۃ للعالمینؐ، خاتم النبیینؐ، سرور کائناتؐ، فخر موجوداتؐ، ہادی دوجہاںؐ، محبوب رحمانؐ، شافع محشرؐ، ساقی کوثر ﷺ کی عزت وعظمت، شان وشوکت اور قدر ومنزلت کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔

دعائے خلیل علیہ السلام

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولاً مِّنۡهُمۡ (البقرہ:۱۲۹)

(اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا)

بشارت عیسیٰ علیہ السلام

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُولٍ يَأۡتِي مِنۢ بَعۡدِي اسۡمُهُۥٓ أَحۡمَدُ (الصف:۶)۔

(اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جنکا نام احمدؐ ہوگا

ان کی بشارت دینے والا ہوں)

اہل کتاب کیلئے

يَٰٓأَهۡلَ الۡكِتَٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا (المائدہ:۱۹)

(اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے)

تمام بنی نوع انسان کے لیے

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۸)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں)

الحاصل قرآن وتورات سے نبی پاک علیہ کی رسالت ثابت ہے۔ خدا معلوم اس بات میں کس قدر صداقت ہے کہ حضرات انبیاء علیھم السلام صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تشریف فرما ہوں گے؟ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ اپنی زبان مبارک سے فرما رہے ہیں کہ "رسول" تشریف فرما ہوگا جو آپ کی اولاد سے نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا۔ تبھی تو یہودیوں سے حکومت کا عصا موقوف ہوگا۔ اس کے مصداق رسول اکرم علیہ، چنانچہ آپ بنی اسمٰعیل علیہ السلام میں سے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ یہ وعدہ بھی پہلے وعدہ کی طرح صحیح نہیں، کیونکہ پیدائش ۱۶ : ۱۱- سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی "نبوت" اور پیدائش ۴۹ : ۱۰- سے نبی اکرم علیہ کی "رسالت" ثابت ہے۔

اعتراض:- اور بائبل کی پاک تعلیم کے مطابق "نجات تو صرف یہودیوں میں سے ہے"۔

نجات یہودیوں سے مخصوص نہیں

جواب:- ان الفاظ کی بابت پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے لکھتے ہیں:-

"خداوند مسیح نے صاف صاف اعلان کردیا۔ کہ سامریوں کی پرستش نادانی یعنی جہل پر مبنی تھی۔ اور یہودیوں کی علم پر اور اس کا اشارہ صریحاً اختلاف سجدہ گاہ کی طرف ہے۔"

(صحت کتب مقدسہ صف ۲۹۱)۔

پادری صاحب کے ان الفاظ سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سامری عورت نے سجدہ گاہ کی بابت جو سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا آپ نے اس کے جواب میں فرمایا "کیونکہ نجات یہودیوں میں سے ہے" یعنی جس جگہ یہودی عبادت کرتے ہیں وہ صحیح ہے پس زیر نظر

الفاظ کا مطلب اس سے زیادہ نہیں بالفاظ دیگر یہ الفاظ اسی خاص موقع سے تعلق رکھتے ہیں۔

اعتراض:۔ ''اور تمام دنیا کا نجات دہندہ یسوع مسیح بھی اسرائیل میں سے یہوداہ کے خاندان سے تھا؟

جواب:۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت و نبوت تمام دنیا کیلئے ہرگز ہرگز نہ تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا:۔

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دیکر کہا۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''۔

(انجیل متی ۱۰ :۵،۶)۔

''اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا''۔ (متی ۱۵ : ۲۴)۔

آپ کا فعل اور قول دونوں ہی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ کی بعثت تمام دنیا کیلئے ہرگز ہرگز نہ تھی۔ یاد رہے کہ انجیل مرقس ۱۶ : ۱۵، میں ''تمام دنیا'' اور ''ساری خلق'' کو جو منادی کرنیکا حکم ہے۔ اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مبارک نہیں بلکہ کسی نامعلوم شخص نے اسے اپنی طرف سے اس انجیل میں درج کر دیا ہے۔ پادری فانڈر صاحب بھی اس بات کے معترف' چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

''پھر بعض کہتے ہیں کہ مرقس ۱۶ : ۹-۲۰'' -(اس کے آگے اور بھی حوالے ہیں۔ حسینی)۔ کی عبارات کو داخل کرنے سے عہد جدید کی تحریف کی گئی ہے۔ یہ کہنا بالکل درست نہیں ہے۔ ہم مسیحی لوگ یہ دریافت کر چکے ہیں کہ یہ آیات قدیم ترین مسودوں میں موجود نہیں ہیں۔ اور ہم ان کو حواشی کے طور پر سمجھتے ہیں جن کو کسی کاتب نے اصل عبارت کا جزو خیال کر کے متن میں درج کر دیا'' (میزان الحق پہلا حصہ باب ۴۔)

جبکہ انجیل مرقس سب سے پہلی انجیل ہے اس میں یہ مقام کسی نامعلوم کاتب نے لکھ دیا ہے تو انجیل

متی اس کے بعد کی ہے۔ تو اس کا یہ مقام (۲۸ :۱۹) ''سب قوموں کو شاگرد بناؤ''۔ بھی قابل حجت نہیں۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیل جو مندرجہ ذیل ہے۔ اس سے بھی اس حقیقت کا برملا اظہار ہوتا ہے کہ اگر آپ کی بعثت تمام دنیا کیلئے ہوتی تو آپ یہ تمثیل کبھی بھی ارشاد نہ فرماتے:-

''پس جب تاکستان کا مالک آئیگا تو ان باغبانوں کے ساتھ کیا کریگا؟۔ انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کریگا اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اس کو پھل دیں''۔ (متی ۲۱ : ۴۰،۴۱)۔

اس مقام کو لوقا میں یوں بیان کیا گیا ہے:-

''اب تاکستان کا مالک ان کے ساتھ کیا کریگا؟۔ وہ آکر اُن باغبانوں کو ہلاک کریگا اور تاکستان اوروں کو دے دیگا انہوں نے یہ سن کر کہا خدا نہ کرے۔ اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا......... الخ'' (لوقا ۲۰ : ۱۵تا۱۸)۔

جبکہ دونوں اناجیل کے ان (باغبانوں اور معماروں) الفاظ سے مراد یہودی ہیں۔ تو خط کشیدہ الفاظ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ نبوت یہودیوں کے خاندان سے لیکر دوسرے باغبانوں یا اوروں کو دی جائیگی اگر یہ مطلب ومفہوم صحیح ودرست نہ ہوتا تو یہودی کبھی بھی یہ الفاظ (خدا نہ کرے) نہ کہتے۔ پس تمثیل اور یہودیوں کے خط کشیدہ الفاظ اس امر کی بیّن دلیل اور ٹھوس ثبوت ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ساری دنیا کیلئے نہ تھی۔ نیز نبوت صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کیلئے مخصوص نہ تھی۔ اگر بالفرض محال ایسا ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اس کے خلاف ارشاد نہ فرماتے۔ جیسا کہ تمثیل میں آپ نے فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مسیحؑ کی بشارت

نیز:- ''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رَدّ کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں

عجیب ہے؟ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دیدی جائیگی۔'' (متی ۲۱ : ۴۲ و ۴۳)۔

یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مندرجہ بالا الفاظ مبارک میں ''پتھر'' سے مراد ''نبی''، ''معماروں'' سے مراد ''یہودی'' اور خدا کی بادشاہت'' سے مراد ''نبوت'' ہے۔ اس وضاحت کے بعد علم وعقل اور نہایت ٹھنڈے دل سے اس بات پر توجہ فرمایئے کہ اگر یہودیوں کے علاوہ کوئی نبی نہ آنا ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں سے ''خدا کی بادشاہت'' (نبوت) کا لیا جانا اور دوسری قوم کو دیئے جانے کا کبھی بھی ذکر نہ فرماتے۔ اس مطلب ومفہوم پر آپ کے الفاظ مبارک بالکل صاف' ستھرے اور نکھرے ہوئے ہیں۔ جو بات اس مقام پر تحریر کی گئی ہے پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے بھی اس بات کے معترف چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

''کلمۃ اللہ نے اپنی خدمت کے آخر میں انگوری باغ کے ٹھیکیداروں کی تمثیل سنا کر فرمایا خدا کی بادشاہت تم سے (یہود سے) لے لی جائے جائیگی اور اس قوم کو جو اس کا پھل لائے دیدی جائیگی''۔ (اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی صفہ ۵۷)۔

چونکہ پہلے حضرات انبیاء علیہم السلام قوم یہود سے تشریف لائے تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جن مقدس نبی اور متبرک رسول نے تشریف فرما ہونا تھا وہ قوم یہود سے نہیں بلکہ دوسری قوم (بنی اسمٰعیلؑ) سے ہونا تھا اور یہ بات یہودیوں کی نظر میں عجیب تھی۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی قوم یہود سے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا ''ہماری نظر میں'' یعنی یہودیوں کی نظر میں ایسا ہونا عجیب ہے مگر یہ سچ اور حق ہے اور اس بات کی صداقت پر آپ نے یہ دلیل ارشاد فرمائی کہ ''یہ خداوند کی طرف سے ہوا'' نتیجہ یہ کہ آپ کے بعد دوسری قوم (بنی اسماعیلؑ) سے تشریف فرما اور جلوہ آرا ہونے والے نبی اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی اور صعود آسمانی کے بعد کائنات میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جلوہ آرا اور تشریف فرما ہوئے چونکہ آپ بفرمان عیسیٰ علیہ السلام' اللہ ربُّ العزت کی

طرف سے ہیں۔ لہذا آپ کی نبوت ورسالت کا انکار پکا کفر ہے۔ خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب۔ اسی تمثیل کے آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنیوالے مقدس نبی کی مندرجہ ذیل دو علامات ارشاد فرمائی ہیں:۔

(۲) (۱)

''اور جو اس پتھر پر گریگا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا لیکن جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالیگا''۔

(متی ۲۱ : ۴۴)

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ ''ہماری نظر'' میں اپنے آپ کو شامل فرمالیا تو آپ ان علامات سے تعلق نہیں رکھتے۔ نیز یہ دونوں علامات آپ پر صادق بھی نہیں آتیں کیونکہ بقول مسیحی علماء یہودیوں نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر یہ دونوں علامات بالکل صادق آتی ہیں۔ کیونکہ جس نے آپ پر حملہ کیا وہ بھی شکست کھا گیا اور جس پر آپ حملہ آور ہوئے تو وہ بھی ذلیل ہوا۔ چنانچہ آپ کی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ سے ان دونوں علامات کی بھرپور تائید ہوتی ہے۔ پس نبی پاک ﷺ اللہ ربّ العزت کی طرف سے سچے اور برحق نبی ورسول ہیں۔ اس بات کی شہادت پادری غلام مسیح صاحب بھی دیتے ہیں:۔

''اہل عرب کا اپنے بندھنوں سے آزاد ہونا اور اپنی آزادی وحریت کو پھر حاصل کرنا واقعی قدرت کے معجزانہ کام پر منحصر تھا۔ جس کا کوئی حق پسند انسان ہرگز انکار نہیں کرسکتا ہے۔ چونکہ خدا نے یہ عظیم الشان کام حضرت محمدؐ مکی و مدنی کی معرفت کیا تھا اس وجہ سے ہمارے زمانہ کی ۲۴ کروڑ انسانی آبادی عرب اور اس کے فرزند اعظم کی عزت وحرمت کر رہی ہے''۔

(کوائف العرب صف ۱۸۲)۔

پادری جے علی بخش لکھتے ہیں:۔

''۱۰۷۔ ''رحمت بھیجا ہے''۔ یہ وعدہ حضرت ابراہیمؑ سے تھا کہ وہ اور اس کی اولاد ساری قوموں

کے لیے برکت کا باعث ہونگے۔ پیدائش ۱۲ : ۲،۳۔ یہی وعدہ حضرات اضحاق و یعقوب سے دہرایا گیا اور سارے انبیاء اسی وعدہ کے مطابق ساری دنیا کے لیے برکت کا باعث تھے اور اسی وعدہ کے لحاظ سے محمد صاحب بھی دنیا کے لیے برکت کا باعث سمجھے گئے''۔

(تفسیر قرآن حصہ اوّل تحت سورۃ انبیاء صف ۲۵۴)۔

''وہ نبی'' کا مصداق کون ہے؟

''انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے''؟

(انجیل یوحنا ۱ : ۲۵)۔

حضرت یحییٰ (یوحنا) علیہ السلام نے جب نبوت کا دعویٰ فرمایا تو یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی اس لیے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خدمت عالیہ میں بھیجے تا کہ آپ سے یہ دریافت کریں کہ آپ ان تینوں نبیوں (مسیحؑ ،ایلیاہؑ اور وہ نبیؐ) میں سے کون سے نبی ہیں؟ کاہن اور لاویوں نے دو نام مبارک لیے (مسیحؑ اور ایلیاہؑ) اور وہ نبی کا اسم مبارک نہ لیا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ چونکہ حضرات مسیحؑ اور ایلیاہؑ دونوں بنی اسرائیل اور یہودیوں میں سے تھے اس لیے انہوں نے ان دونوں کے اسم مبارک لیے اور آپ کا اسم مبارک اس وجہ سے نہ لیا کیونکہ آپ ''یہودی خاندان'' سے نہ بلکہ ''بنی اسمٰعیل'' سے تعلق رکھتے تھے۔ پس نبی پاک ﷺ ''وہ نبی'' کے مصداق ہیں۔

نیز یہ بھی یادر ہے کہ نبی پاک ﷺ کو ''آنحضرتؐ'' ''وہ نبی'' کے پیش نظر ہی کہا جاتا ہے۔

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کے پیش نظر مسیحی مبشر صاحب کے یہ الفاظ (تو کیا اسطرح محمد عربی اسماعیل کی نسل سے ہوتے ہوئے ہر طرح کی نبوت اور الہامی کتاب سے بالکل باہر نہ رہا)''۔ بالکل سفید جھوٹ اور بہتان دکھائی دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کہ نبوت (پیدائش ۱۶ : ۱۱) اور نبی پاک ﷺ کی نبوت (پیدائش ۴۹ : ۱۰)۔ تمثیل عیسیٰؑ (متی ۲۱ : ۳۳تا۴۴)۔ اور (انجیل یوحنا ۱ : ۲۵) سے اظہر من الشمس ہے۔ پس ان دونوں حضرات انبیاء

علیہما السلام کا منکر خدا کی امت اور ایمان سے خارج ہے۔ خواہ اہل کتاب ہوں۔ جبکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان و فرمان بحکم الٰہی کئی بار ارشاد فرمایا کہ آپکا ذکر خیر اور آپ کی بابت بشارت ان کتابوں میں موجود جو اس زمانے میں مروج تھیں۔ جیسا کہ اس آیت مبارکہ:-

''اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ'' (البقرۃ:۱۴۶-الانعام:۲۰)-

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو اب پہچانتے ہیں

جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔

سے ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! یہ کتنا بڑا اور عظیم دعویٰ ہے تو اس کے پیش نظر اہل کتاب میں سے (حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور آپ کے ساتھی۔ حضرت نجاشیؓ اور آپ کے رفقاء کرام اور دیگر افراد جو خوش قسمت اور نیک بخت) آپ پر ایمان لائے تھے۔ وہ اس وجہ سے آپ سے تعلق توڑ اور منہ موڑ جاتے کہ آپ کی بابت ان کی کتابوں میں بشارات موجود نہیں اور ان آیات کے نزول کے بعد اہل کتاب میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہ لاتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں ایک بھی ایسا واقعہ موجود نہیں۔ بلکہ ان آیات مبارکہ کے نزول کے بعد بھی اہل کتاب میں سے بہت سے افراد آپ پر ایمان لائے۔ پس یہ تاریخی شہادت اس حقیقت کو خوب روشن کرتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے معاصرین اہل کتاب کو یہ یقین تھا کہ آپ کی بابت بشارات ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ باقی رہا یہ کہ وہ ایمان کیوں نہ لائے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان کی مجبوریاں آڑے آئیں جیسا کہ آجکل کے دور میں بھی لوگ نبی پاک ﷺ کے مداح ہیں۔ اور آپ کی مدحت و منقبت میں ایسے بیانات اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مگر وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آپ پر ایمان نہیں لاتے۔

اعتراض ۲:- ''مسلمان کیونکر توریت اور انجیل کی پاک الہامی تعلیمات کو رد کرتے جبکہ قرآن میں کسی ایک بھی آیت کا ایسا حوالہ نہیں جو کہ ثابت کر سکے کہ توریت زبور یا انجیل منسوخ ہو چکی ہیں۔ (اور جو قرآنی حوالہ توریت کی تحریف کے حق میں بڑے شوق سے مسلمان پیش کرتے،

کیا وہ صرف یہ ظاہر نہیں کرتا کہ یہودی توریت کے متن کی جگہ کو بدل دیتے تھے نہ کہ آیات اور متن کو، یہاں توریت کے متن (اصلی عبارت) کو تبدیل کرنے کا اسلامی دعوٰی ہرگز موجود نہیں اور انجیل پاک کی تحریف کی بابت تو سارا قرآن ایک بھی حوالہ دینے سے بالکل ہی محروم ہے)۔ اسلام کی تحریف توریت اور انجیل کے دعوٰی کو عقلی، تواریخی اور تحریری طور پر ثابت کرنے کی بے بسی اور لاچاری اور بے کسی؟''

اسلام دین مکمل ہے اس سے تمام دین منسوخ ہیں

اس اعتراض کے جواب سے پہلے ایک ضروری بات تحریر کی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بشارت بیان فرمائی ہے جسے انجیل یوحنا ۱۶ : ۷ تا ۱۵- میں نقل کیا گیا ہے۔ یہ 'فارقلیط' اور ''نوید مسیحا'' کے نام سے مشہور ہے مسیحی علماء اس بشارت کو ''روح القدس'' کے حق میں مانتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ بشارت روح القدس کی بابت ہے؟ تو دیکھیے اس بشارت (''اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازل کرونگا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو''۔ انجیل لوقا ۲۴ : ۴۹) میں روح القدس کی بابت لفظ ''نازل'' موجود ہے۔ مگر فارقلیط والی بشارت (انجیل یوحنا ۱۶ : ۷ تا ۱۵) میں لفظ ''نازل'' نہیں بلکہ ''آئیگا'' اور وہ ''آکر'' کے الفاظ موجود ہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں بشارتوں کے انداز بیان میں جو امتیاز رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں بشارتیں جدا جدا اور الگ الگ اور ان کے مصداق بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چونکہ روح القدس نے آسمان سے ''نازل'' ہوتا تھا اس لیے انجیل لوقا ۲۴ : ۴۹ میں لفظ ''نازل'' بولا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ روح القدس انجیل لوقا والی بشارت کا مصداق ہے۔ چونکہ ''فارقلیط'' نے آسمان سے نازل نہیں ہونا' بلکہ دیگر حضرات انبیاء علیھم السلام کی طرح جلوہ آرا ہونا تھا اس لیے فارقلیط کی بابت ''آئیگا'' اور وہ ''آکر'' کے الفاظ استعمال کیے گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مقدس شاگردوں کو حکم فرمایا تھا کہ وہ روح القدس کے نزول تک یروشلیم میں ٹھہرے رہیں۔ اس

کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ روح القدس نے مقدس حواریوں کے زمانہ میں نازل ہونا تھا۔ مگر فارقلیط نے مقدس حواریوں کے زمانہ میں تشریف فرمانہ ہونا تھا اس لیے حواریوں کو ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے کا کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس انداز بیان سے بھی یہ بات خوب ظاہر ہوتی ہے۔ کہ لوقا ۲۴ : ۴۹ والی بشارت روح القدس کی بابت ہے۔ اور انجیل یوحنا ۱۶ : ۷ تا ۱۵ -والی بشارت کے مصداق رسول اکرم ﷺ ہیں۔ اس کے بعد جواب ملاحظہ فرمایئے:-

جواب:- رسول اکرم ﷺ کے حق میں حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے''۔

(یوحنا ۱۶ : ۱۲)-

رسول اکرم ﷺ نے دین کی ان باتوں کو بیان فرمادیا جن کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے چھوڑ دیا تھا۔ بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس دین کی ابتدا اور آغاز سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام سے کیا تھا اس دین کی انتہا اور تکمیل نبی اکرم ﷺ پر فرمادی۔ چنانچہ باریتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِ سْلَامَ دِيْنًا ؕ''۔ (المائدۃ ۳:)-

(آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین)

جب دین مکمل ہو گیا تو اس سے پہلے کا غیر مکمل دین خود بخود منسوخ ہو گیا۔ اس بات کی تائید و تصدیق مسیحی کلیسیا کے مایہء ناز رسول جناب پولوس نے بھی کی ہے:-

''کیونکہ ہمارا علم ناقص ہے اور ہماری نبوت ناتمام۔ لیکن جب کامل آئیگا تو ناقص جاتا رہیگا''۔

(۱-کرنتھیوں ۱۳ : ۹, ۱۰)-

''غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا''۔

(عبرانیوں ۷ : ۱۸)-

مسیحی مبشر صاحب کو جو عشق و محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب پولوس سے ہے اس کے ادب واحترام کے پیش نظر:-

''آہ نہ کر لب کو سی' عشق ہے دل لگی نہیں''

قرآن مجید کی ''یحرفون'' والی آیت مبارکہ سے یہ سمجھنا کہ یہودی تورات کے متن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے' آیات اور متن کو نہیں بدلتے تھے۔ اوّل تو یہ سوچ و سمجھ ہی آیت مبارکہ کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض محال اسے صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی ایسا کرنے سے تحریف ثابت ہو گئی کیونکہ ایسا کرنے سے آیت میں کمی بیشی اور مضمون میں فرق پڑ جاتا ہے اور یہ بات اہل فہم پر خوب روشن ہے پر موصوف کی غلط سوچ و سمجھ سے بھی یہودیوں کا تحریف کرنا ظاہر و ثابت ہو گیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں

لو ! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حقیقت یہ ہے کہ یہودی عہد قدیم کی آیات کے الفاظ کو بگاڑتے اور بدلتے تھے اس بات کی بیّن دلیل یہ ہے کہ مقدس متی نے انجیل متی باب دوم اور آیت تیئس (۲۳) میں اس بشارت (وہ ناصری کہلائیگا) کا ذکر کیا ہے مگر یہ بشارت عہد قدیم کی کسی کتاب میں موجود نہیں اور مسیحی علماء اس بات کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پس اس بشارت کا عہد قدیم میں نہ پایا جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہودی عہد قدیم کی آیات میں تحریف کرتے تھے۔

اس کے علاوہ پادری جے، علی بخش صاحب، جناب متی کی اس بشارت (تا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولونگا۔ میں ان باتوں کو ظاہر کرونگا جو بنائے عالم سے پوشیدہ رہی ہیں۔ ''متی ۱۳:۳۵'') کی بابت (زبور ۷۸- ۱ , ۲ یعنی ''اے میرے لوگو ! میری شریعت کو سنو۔ میرے منہ کی باتوں پر کان لگاؤ میں تمثیل میں کلام کرونگا اور قدیم معمے کہونگا''۔) کے تحت لکھتے ہیں:-

''اس آیت کو متی ۱۳ : ۳۴ و ۳۵ میں ایسے طور پر اقتباس کیا ہے کہ وہ عبارت نہ عبرانی سے

ملتی ہے نہ ستروں کے ترجمے سے''۔ (تفسیر زبور صف ۳۳۴)۔

پادری صاحب کے اس اقرار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے زبور ۷۸ : ۱ , ۲ کے متن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عداوت کی وجہ سے تحریف کی ہے۔

یونانی مسیحیوں کا وہ قول جس میں یہودیوں کو تحریف کا مجرم قرار دیا گیا۔ اسے پادری ایف، ایف بروس صاحب نے یوں نقل کیا ہے:۔

''لیکن یونانی مسیحی یہ کہا کرتے تھے کہ'' وہ پیشین گوئیاں جو مسیح کی آمد کے بارے میں ہیں ان میں یہودیوں نے دیدہ ودانستہ ردو بدل کر دیا ہے'' ۔ (طلوع مسیحیت صف ۸۲)۔

خط کشیدہ الفاظ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے عبرانی عہد قدیم میں تحریف کی ہے۔

حضرات یسعیاہ اور یرمیاہ علیہما السلام کے ارشادات بالترتیب ''غیر و الفریضة اور اذ قد حر فتم ''جو پہلے گزر چکے ہیں ان سے بھی یہ بات خوب روشن ہوتی ہے کہ یہودیوں نے عہد قدیم کے متن کو بگاڑا اور الفاظ میں تحریف کی ہے۔ علاوہ ازیں جن ننانوے مسیحی علماء نے عبرانی عہد قدیم کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے اس کا نام ''گڈ نیوز بائبل'' اس میں انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ عبرانی تورات کی پانچوں کتابوں میں جو دھندلے مقامات پائے جاتے ہیں ان کی مجموعی تعداد سترہ ہے جو پہلے نقل کیے جاچکے ہیں ان میں سے ایک ''استثنا ۳۳ : ۲ '' بھی ہے۔ اس مقام پر انہوں نے جو عبرانی متن میں (لفظ ''ربوتھ'' یہ جمع ہے۔ ''رِبَہ'' کی۔ ''رِبَہ'' کا معنی ''دس ہزار ہے) لفظ ''ربوتھ'' ہے اس کا ترجمہ انگریزی ترجمہ میں نہیں بلکہ ''رِبَہ'' کا ترجمہ ''دس ہزار'' متن میں تحریر کیا ہے اور تورات کے اسی مقام کے تحت حاشیہ کی پہلی سطر میں ایسا کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ''عبرانی متن دھندلا ہے'' یعنی عبرانی تورات کا یہ لفظ ''رِبَہ'' تحریف کا نشانہ بنا ہے۔ بالفاظ دیگر عبرانی عہد قدیم کے زیر نظر مقام سے لفظ ''رِبَہ'' کو ختم کر کے اور اڑا کر اس کی جگہ اپنی طرف سے لفظ ''ربوتھ'' لکھ دیا۔ یہودیوں کے اس فعل سے یہ بات کھل کر منظر عام پر آگئی کہ یہودیوں نے متن میں تحریف کی ہے۔ پس ننانوے مسیحی علماء اور مسیحی مترجمین کی شہادت سے

ہمارا یہ قول ظاہر و ثابت ہو گیا کہ یہودیوں نے عبرانی عہد قدیم کے متن میں لفظی تحریف کی ہے۔ قرآن پاک بھی ''یحرفون'' والی آیت مبارکہ میں اسی حقیقت کو بیان فرماتا ہے مگر موصوف قرآن پاک کے اس مقام کو سمجھ ہی نہیں سکے۔

اعتراض: -''انجیل پاک کی تحریف کی بابت تو سارا قرآن ایک بھی حوالہ دینے سے بالکل ہی محروم ہے۔ اسلام کے تحریف توریت اور انجیل کے دعویٰ کو عقلی تواریخی اور تحریری طور پر ثابت کرنے کی بے بسی اور لاچاری اور بے کسی؟''

قرآن کریم انجیل کو محرف قرار دیتا ہے

جواب: -تحریف تورات پر جو کچھ پہلے تحریر کیا گیا ہے وہ ایک انصاف پسند اور عقلمند آدمی کے لیے کافی ہے۔ تحریف انجیل پر قرآن کی دو آیات مبارکہ تلاوت کیجئے:-

''یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ'' (النسآء:۱۷۱)-

(اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں)-

''قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ'' (المائدۃ:۷۷)-

(تو کہہ اے کتاب والو مت مبالغہ کرو اپنے دین کی بات میں)-

یاد رہے کہ قرآن پاک کے ان دونوں مقامات میں ''اہل کتاب'' سے مراد ''یہودی'' نہیں بلکہ عیسائی'' ہیں۔ کیونکہ سورۃ النسآء کی اسی آیت مبارکہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی اور امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا نام مبارک بھی موجود اور سورۃ المائدۃ:۷۵ میں آپکا اور آپکی امی جان کا ذکر خیر ہے۔ پس ان دونوں مقامات میں ''اہل کتاب'' سے مراد ''عیسائی'' ہی ہیں۔

باقی رہا ''غلو'' کا معنی تو عربی لغت میں اس کا معنی مندرجہ ذیل ہے:-

''دین میں حد سے زیادہ زیادتی کرنا'' (المنجد)

یعنی دین کی حد کو پامال کر کے اس کے آگے بڑھنا اور زیادتی کرنا۔ اس امر کا دوسرا نام ''تحریف'' ہے۔ گو الفاظ ''تحریف'' اور ''غلو'' مترادف نہیں مگر ان کا مطلب و مفہوم بالکل یکساں اور مترادف ہے۔ پس ان دونوں آیات مبارکہ سے عیسائیوں کا انجیل میں تحریف کرنا ثابت ہے۔

کارواں کے لٹ جانے کا کس کافر کو صدمہ ہے

الم یہ ہے کہ تیرا لوٹنے والوں میں نام آیا

اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں آیات مبارکہ میں ''انجیل'' کا نام نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''یحرفون الکلم'' والی آیت مبارکہ میں بھی ''تورات'' کا نام نہیں۔ مگر اس کے باوجود اس مقام سے مراد تورات ہے۔ چنانچہ مسیحی مبشر صاحب اس بات کے معترف اور لکھتے ہیں:-

''یہودی توریت کے متن کی جگہ کو بدل دیتے تھے'' (اعتراض ۲)

موصوف نے جس دلیل سے ''یحرفون الکلم'' والی آیت مبارکہ سے مراد ''تورات'' لی ہے۔ اسی دلیل سے ''لا تغلوا'' والی دونوں آیات مبارکہ سے مراد ''انجیل'' ہے۔ پس ان دونوں آیات مبارکہ سے عیسائیوں کا انجیل میں تحریف کرنا ظاہر و ثابت ہے۔ اس ستھری اور نکھری ہوئی صداقت کے پیش نظر یہ کہنا کہ قرآن پاک سے تورات وانجیل کی تحریف ثابت نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم کی مندرجہ بالا آیات مبارکہ کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

آنکھوں میں رہا دل میں اتر کر نہیں دیکھا

کشتی کے مسافر نے سمندر نہیں دیکھا

اعتراض ۳:- ''کیا محمد عربی خود قرآن کی پیشتر آیات کو اپنے ذہن سے بھلا نہیں بیٹھا تھا جو کسی قسم کی وحی کی صورت میں اس پر اتریں''؟-

فرقان حکیم پر مختلف اعتراضات کے جوابات

جواب:- حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے اس اعتراض کا یہ جواب تحریر فرمایا ہے:-

مذکورہ بالا واقعہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ بسا اوقات ایک بات انسان کو یاد تو ہوتی ہے۔مگر چونکہ عرصہ دراز تک اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا نہ اسکی طرف خیال جاتا ہے۔اس لیے وہ ذہن میں مستحضر نہیں رہتی اور جب کوئی شخص اس کا ذکر چھیڑتا ہے تو وہ فوراً حافظے میں تازہ ہو جاتی ہے۔یہ حقیقت میں بھول نہیں ہوتی بلکہ عارضی طور پر خیال سے نکل جانا ہوتا ہے۔یہی صورت آنحضرت ﷺ کو پیش آئی۔اس لیے ایسے واقعے کو بنیاد بنا کر آنحضرت ﷺ کی طرف نسیان کی نسبت کرنا انتہا درجے کی بے انصافی ہے۔جس کا منشا تعصب کے سوا کچھ بھی نہیں''۔(علوم القرآن صفحہ ۲۱۵)۔ہم نے حقیقت تحریر کر دی ہے۔کوئی مانے یا نہ مانے اسکی اپنی مرضی ہے۔

اعتراض ۴:۔ ''قرآن ابھی اپنی کسی بھی جامع کتابی حالت اور نہ ہی کسی طومار کی حالت میں تھا ۔جبکہ محمد عربی زمینی موت کا شکار ہوا''۔

جواب:۔ قرآن کریم، نبی پاک ﷺ کی حیات میں لکھا جاتا تھا:۔

''وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا''

(الفرقان:۵)۔

(اور کہنے لگے، یہ نقلیں ہیں اگلوں کی جو لکھ لایا ہے سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح وشام)۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

''ف اول نماز کا وقت مقرر تھا۔صبح وشام، مسلمان حضرتؐ پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو کافر یوں کہنے لگے۔''(تفسیر موضح القرآن)۔

اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ بھی قرآن مجید کو مختلف حضرات صحابہؓ سے لکھواتے تھے۔جنہیں کاتب وحی کہا جاتا ہے۔چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی تفسیر ''معارف القرآن'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں

آیات کے بعد لکھا جائے (فتح الباری ۱۸/۹) اس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا۔ اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں (ایضہ ۱۱/۹)۔اس طرح عہد رسالت ﷺ میں قرآن کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا۔ اگر چہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا۔ بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا۔" (مقدمہ صف ۳۷)۔

قرآن مجید کی حفاظت کا دارومدار صرف کتابت پر نہ بلکہ زبانی یاد کرنے (حفظ) پر تھا۔ اور قرآن مجید کے پہلے حافظ رسول اکرم ﷺ تھے چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:۔

"چنانچہ ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کیلئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا۔ شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اُسی وقت دہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں۔ اس پر سورۃ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کریم کو یاد رکھنے کیلئے آپ ﷺ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ میں ایسا حافظہ پیدا فرما دیگا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ ﷺ اسے بھول نہیں سکیں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ ادھر آپ ﷺ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں اور اُدھر وہ آپ ﷺ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکار دو عالم ﷺ کا سینہ مبارک قرآن کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا۔ جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا امکان نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال آپ ﷺ نے دو۲ مرتبہ حضرت جبریلؑ کے ساتھ دور کیا۔"

(صحیح بخاری مع فتح الباری، ص ۳۶ ج ۹ ۔مقدمہ صف ۳۵)۔

نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں بہت سے حضرات صحابہؓ نے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ ان میں

سے مشہور مشہور حضرات صحابہؓ اور ان میں تین امہات المومنینؓ بھی ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:۔

امام ابو عبید قاسمؒ بن سلام ان معلمین قراء ات کے متعلق کتاب القراء ات میں کہتے ہیں ''مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت سالمؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہؓ بن السائب، امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہن اور انصار سے حضرت ابیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابوزیدؓ، حضرت مجمع بن جاریہؓ، حضرت انس بن مالکؓ سے وجوہ قراء ات منقول ہیں،'' اسی گروہ میں سے حضرت عیاشؓ اور آپ کے فرزند ابوالحارث عبداللہ بن عیاش قرشیؓ، حضرت فضالہ بن عبید انصاریؓ اور حضرت واثلہ بن اسقع لیثیؓ ہیں۔ ان میں سے اکثر حضرات نے حضور نبی ﷺ سے براہ راست اور بعض نے دوسرے صحابہ کے واسطہ سے قرآن پڑھا تھا اور تمام جماعت روزانہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنتی رہتی تھی۔ اس برگزیدہ جماعت نے ہر حرکت واسکان اور حذف واثبات کو حضور ﷺ سے ضبط کیا تھا اور جس طرح پڑھا تھا اسی طرح تابعین کو پڑھا دیا۔'' (شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قراء ات متواترہ صف ۲۲)۔

اگر قرآن حکیم، نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں ایک جلد اور کتابی صورت میں نہ تھا تو اس سے یہ دلیل اخذ کرنا کہ فرقان حمید آپ ﷺ کی وفات کے بعد جاتا رہا تھا یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ پورا قرآن پاک اکثر حضرات صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ اور مختلف اشیاء پر لکھا ہوا بھی موجود تھا۔ قراء اور حفاظ کی تعداد اتنی کثرت سے تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جنگ یمامہ میں سات سو شہید ہوئے اور واپس بھی بہت آئے تھے۔ ان کے بعد باقی کتنے حفاظ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ و دیگر

مقامات میں بھی موجود قرآن پاک سکھانے اور پڑھانے میں مصروف ومشغول تھے۔ان کی صحیح تعداد۔ واللہ اعلم۔نتیجہ یہ کہ قرآن شریف سرکار دوعالم ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے حضرات صحابہؓ اور تین امہات المومنینؓ (ا۔حضرت عائشہ صدیقہؓ،۲۔ حضرت حفصہؓ،۳۔ حضرت ام سلمہؓ) کے مبارک سینوں میں اسی طرح محفوظ اور موجود تھا جس طرح انہوں نے امام الانبیا علیہ ﷺ سے سیکھا اور پڑھا تھا۔

اعتراض ۵: -''اپنی موت سے قبل ،محمد عربی نے کہا تھا کہ قرآن چار اصحابہ سے لو، (جن کے سینوں میں قرآن تھا) مگر یہ چاروں اصحابہ بھی قرآن کو تشکیل دیئے بغیر ہی جنگی معرکوں میں مارے گئے۔تو پھر حقیقت میں قرآن کی تالیف اور تدوین یا تشکیل کرنے والا کون رہا؟''۔

جواب: -جو الفاظ خطوط وحدانی میں لکھے گئے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف یہ چار حضرات صحابہ ہی حافظ قرآن تھے۔حالانکہ یہ بات صریحاً جھوٹ ہے کیونکہ ان کے علاوہ بھی اکثر حضرات صحابہؓ حافظ قرآن تھے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

یہ تو سچ ہے کہ جب سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع کیا تو اس سے پیشتر حضرت سالم بن معقلؓ جنگ یمامہ میں شہید ہو چکے تھے۔مگر

ا:-حضرت ابن ام عبد یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ۳۲ھ میں۔

۲:-حضرت ابی بن کعبؓ 19ھ میں۔

۳:-حضرت معاذ بن جبلؓ ۱۸ھ میں فوت ہوئے

(دیکھو مشکوۃ شریف کے آخر میں ''اکمال فی اسماءِ الرجال'')۔

اس صداقت کے پیش نظر یہ تینوں حضرات صحابہؓ اس وقت زندہ تھے۔پس مسیحی مبشر کا ان تینوں حضرات صحابہؓ کے متعلق یہ کہنا کہ ''جنگی معرکوں میں مارے گئے۔جھوٹ صریحاً جھوٹ اور سفید جھوٹ ہے۔

باقی رہا یہ کہ قرآن حکیم کی تالیف' تدوین اور تشکیل کیسے ہوئی؟ تو سماعت فرمایئے!
محبوب کبریا' امام الانبیا ﷺ کی وفات' ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں ہوئی آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے۔ آپ کے دور میں جنگ یمامہ ہوئی تو اس جنگ میں سات سو قراء اور حفاظ شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح قراء اور حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ ناپید ہو جائے گا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت عالیہ میں عرض کیا۔ بہر حال صلاح ومشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ واقعی قرآن کریم کو ایک جلد میں جمع کرنا چاہیے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اس عظیم اور نیک کام کو سرانجام دینے کے لیے منتخب فرمایا حضرت زیدؓ اس مقدس کام کے لیے نہایت موزوں اور بہت مناسب تھے کیونکہ یہ حافظ قرآن اور کاتب وحی تھے۔ حضرت زیدؓ نے ہمہ تن مصروف ومشغول ہو کر جن مختلف اشیاء پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا ان سے اور دیگر حفاظ قرآن سے قرآن مجید ایک جلد میں جمع کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کتنی مدت میں قرآن ایک جلد میں جمع کیا گیا؟ تو آنحضرت ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو ہوئی سرکار دو عالم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے اور آپ کی وفات ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو ہوئی۔ اس حساب سے آپؓ کی خلافت کا زمانہ دو برس تین ماہ نو دن بنتا ہے۔ اور جنگ یمامہ کے بعد قرآن پاک کو جمع کرنے کا کام شروع ہوا اس حساب سے گو تھوڑا عرصہ بنتا ہے مگر اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی دوسرے سال میں قرآن کریم ایک جلد میں جمع ہو گیا تھا تو بجا ہے۔ تورات مختلف اشیاء پر لکھی ہوئی نہ تھی' تورات کا حافظ بھی کوئی نہ تھا اور تورات تین سو ستاون سال گم ہونے کے بعد ملی تھی۔ تو بھی یہود ونصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بالکل صحیح اور اس کا ایک حرف بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔ ہم اہل اسلام کے نزدیک دور نبوت میں قرآن حکیم پورا مختلف اشیاء پر لکھا ہوا موجود' اس کے حفاظ بھی کثرت سے تھے اور نبی پاک ﷺ کی وفات کے ایک سال بعد یعنی دوسرے سال میں قرآن کریم ایک جلد میں موجود تھا۔ پھر بھی

اہل کتاب موجودہ قرآن پاک کی صحت کے منکر ہیں انصاف وعدل کی دنیا میں اس طریق کار اور انداز کو بے انصافی کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد مرقس کے سن تالیف کی طرف توجہ فرمایئے! تو مسیحی دنیا میں سب سے پہلی انجیل مرقس ہے۔اس کے سن تالیف کی بابت پادری بے علی بخش صاحب رقمطراز ہیں۔

''اگر یروشلم کی بربادی کے بعد لکھی جاتی تو ضرور ایسے اہم واقعہ کا کچھ ذکر اس میں ہوتا اس لیے یہ کہنا درست ہو گا کہ ۶۳ء و ۷۰ء کے مابین یہ انجیل لکھی گئی''۔(تفسیر مرقس صف۴)۔

پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

''یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ۶۸ء اور ۷۰ء (جب یروشلیم تباہ ہوا) کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی''۔(قاموس الکتاب تحت م صف ۸۹۹)۔

اگر انجیل مرقس کا سن تصنیف ۶۸ء فرض کر لیا جائے پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی (۳۳ء) کے بعد کی ہے۔نتیجہ یہ کہ انجیل مرقس حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود آسمانی کے پینتیس ۳۵ سال بعد لکھی گئی۔جس میں مسیحی علماء کو غلطیوں کا اقرار' انسانی کلام کی آمیزش کا اعتراف اور اس کا کوئی حافظ نہ ہونا بھی تسلیم ہے۔ان سب باتوں کے باوجود مسیحی علماء کے نزدیک انجیل مرقس الہامی اور بالکل صحیح ہے۔!

قرآن مجید اور فرقان حمید جو سرور کائنات اور فخر موجودات ﷺ کی وفات کے ایک سال بعد کتابی صورت اور ایک جلد میں جمع کیا گیا جو کہ غلطیوں سے مبرا' انسانی کلام کی آمیزش سے منزہ اور اس کے بے شمار اور لاتعداد حفاظ دور نبوت سے لے کر آج تک لگاتار' متواتر اور مسلسل موجود ہیں۔تو بھی قرآن پاک مسیحی علماء کے نزدیک غیر الہامی ہے۔

سورج میں لگے دھبے قدرت کے کرشمے ہیں

بت ہمیں کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

اعتراض ۶ :-''اہل تشیع کے مطابق قرآن کے ۴۰ سپاروں میں ۱۰ سپارے سرے ہی سے

غائب ہیں جن کو کوئی بکری نما جانور ہی کھا گیا' اور اسلامی دنیا کو دس سپاروں سے محروم کر گیا؟ مگر اسلامی اللہ کی ان دس سپاروں کی بابت الہامی محافظت کا دعویٰ''؟

جواب: - اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قرآن شریف میں وعدے ارشاد فرمائے ہیں ان میں سے دو یہ بھی ہیں:-

ا:- ''وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ''(المائدہ:۶۷)-

(اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔)-

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان الفاظ مبارک کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

''چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح صادق ہوا گو بعض غزوات میں آپ ﷺ زخمی ہوئے اور یہود نے نامردوں کی طرح آپ ﷺ کو زہر دیا مگر مجتمع ومقابل ہو کر کوئی قتل وہلاک نہ کر سکا اور اس پیشگوئی کا واقع ہونا آپ ﷺ کا معجزہ ودلیل نبوت ہے اور ترمذی میں ہے کہ پہلے حضور ﷺ کا پہرہ دیا جاتا تھا جب سے یہ آیت نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا سب چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کر لی یہ بھی دلیل نبوت ہے کیونکہ ایسا اعتماد بدون وحی کے نہیں ہو سکتا''۔

(تفسیر بیان القرآن)

دنیا بھر کے انسان اس بات کو بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان آپ کو شہید نہیں کر سکا بلکہ سرکار دو عالم ﷺ کی وفات طبعی طور پر ہوئی۔ پس حق سبحانہٗ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

۲:- قرآن حکیم کی حفاظت کا وعدہ (الحجر:۹) جس کی بابت پہلے لکھا گیا ہے وہ بھی پورا ہوا۔ چنانچہ ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے بصورت ''حفظ قرآن'' پورا ہو رہا ہے۔ الحمد اللہ! جگہ جگہ قرآن مجید کے حفاظ بے شمار اور لاتعداد موجود ہیں۔ یہ مشاہدہ بھی ہے۔ مشاہدہ کا انکار کرنا عقلمند انسان کو زیب نہیں دیتا۔

بکری نما جانور والی روایت کی بابت حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں:-

''لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت عائشہؓ نے جن آیتوں کا ذکر فرمایا ہے یہ باجماع

امت وہ آیتیں ہیں جنکی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی خود حضرت عائشہؓ بھی ان آیتوں کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی قائل ہیں لہذا اگر انہوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشا سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے کچھ نہ تھا ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہؓ کے نزدیک قرآن کریم کا جز ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں ۔وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں ۔لیکن انہوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہؓ کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا لہذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔'' (علوم القرآن صف ۲۲۱)۔

مبشر صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔

''دس سپارے سرے ہی سے غائب ہیں جنکو کوئی بکری نما جانور کھا گیا''۔

امی جان حضرت عائشہؓ کی روایت میں صرف ''آیات'' کا ذکر ہے۔مگر موصوف نے ان آیات کو''دس سیپارے'' بنادیا۔یہ بے غیرتی ، بے شرمی اور دجل وفریب کی انتہا ہے۔

اعتراض ۷:۔''لندن کے عجائب گھر میں جو سب سے قدیم ترین قرآنی نسخہ موجود ہے وہ کیوں تمام طرح کے زیر، زبر، جد اور حرکات سے محروم ہے؟ اور موجودہ قرآن کو کیونکر حرکات دینا پڑی، جبکہ ایک زیر یا زبر یا جد یا حرکت کے شامل کرنے یا بدلنے سے عربی کے الفاظ کے مطلب میں آسمان اور زمین کا فرق پڑ سکتا؟''

جواب:۔بقول موصوف لندن کے عجائب گھر میں جو قرآن کریم کا نسخہ موجود ہے۔''وہ سب سے قدیم ترین قرآنی نسخہ ہے'' چونکہ قدیم ترین قرآنی نسخوں میں اعراب نہیں تھے اس لئے اس پر بھی نہیں۔کاش مسیحی مبشر صاحب اس قرآنی نسخہ کو عجائب گھر سے لیکر شائع کر کے منظر عام پر لائیں۔تاکہ دنیا بھر لوگوں کو اس حقیقت کا بخوبی علم ہو سکے کہ سب سے قدیم ترین ''قرآنی نسخہ'' قرآن مجید کے ''نسخہ مروج'' میں صرف اعراب نہ ہونے اور ہونے کا فرق ہے۔باقی

الفاظ مبارک بالکل ایک ہی ہیں باقی رہا قرآن مجید پر اعراب لگانے کا مسئلہ تو اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے!

پادری برکت اللہ صاحب ایم، اے لکھتے ہیں:-

"**اعراب کی ایجاد** = ان مسوراہی فقہا نے چھٹی اور آٹھویں صدی کے درمیان شامی تاثرات کے ماتحت حروف علت وحرکت اور صوت اور چھوٹے بڑے اعراب کو ایجاد کر کے عبرانی کتب سماوی کے الفاظ کے اس تلفظ کو جو قدیم زمانہ سے اہل یہود میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا ہمیشہ کیلئے قائم اور برقرار کر دیا۔ یہی اعراب اس زمانہ کے تمام نسخوں میں موجود ہیں۔ ان اعراب کے وجود کی وجہ سے ہم عبرانی کے مختلف الفاظ یعنی ہمشکل الفاظ کے تلفظ اور ہم آواز الفاظ کے معنی میں تمیز کر سکتے ان فقہا نے مختلف الفاظ پر وقف اور لہجہ کی علامات بھی لگائی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم عبرانی الفاظ کا تلفظ اہل یہود کی اس قدیم طرز پر کر سکتے ہیں جو خداوند مسیح سے صدیوں پہلے علمائے اسرائیل میں رائج تھی۔ اور عبارت کو اسی لب ولہجہ اور توقف کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں جس طرح قدیم فقہا پڑھا کرتے تھے۔" (صحت کتب مقدسہ صف ۱۴۰)۔

پادری خیر اللہ صاحب رقمطراز ہیں:-

"اعراب:- وہ نشانات جو لفظوں کے حروف کی حرکات وسکنات کو ظاہر کرنے کیلئے مقرر کئے گئے اعراب کہلاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب قدیم عبرانی (اور اسی طرح عربی بھی) اعراب کے بغیر لکھی جاتی تھی۔ چونکہ یہ زبان عام بولی جاتی تھی اس لئے صحیح تلفظ ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ جب عبرانی کی جگہ ارامی نے لے لی تو عوام عبرانی سے ناواقف ہو گئے":- (قاموس الکتاب تحت اعراب صف ۶۵)۔

"اس لئے مسوراتی (دیکھئے مسوراتی) علماء نے ساتویں صدی عیسوی میں کچھ نشانات مقرر کئے جن سے صحیح تلفظ ممکن ہوا"۔ (صف ۶۵)۔

اب جبکہ ساتویں صدی عیسوی مکمل تک عہد قدیم پر اعراب لگائے گئے تو عہد قدیم کی پہلی کتاب

توارت ہے تو ایسے میں سیدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات سے ساتویں صدی عیسوی تک اگر حساب لگایا جائے تو یہ مدت بہت بنتی ہے۔ اگر اس مدت مدید اور عرصہ بعید کو نظر انداز کر دیا جائے اور عہد قدیم کی آخری کتاب ملاکی سے ساتویں صدی عیسوی تک حساب لگائیں تو یہ مدت گیارہ سو سال بنتی ہے کیونکہ کتاب ملاکی سے لیکر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت تک تخمیناً چار سو سال بنتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ کتاب ملاکی کے گیارہ سو سال بعد عہد قدیم پر اعراب لگائے گئے۔ ہم اہل اسلام اسبات کے قائل ہیں کہ حجاج بن یوسف نے قرآن حکیم پر اعراب لگوائے تھے۔ اور اس کی وفات ۹۵ ہجری میں ہوئی۔ اس حقیقت کے پیش نظر اگر بالفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس نے اپنی زندگی کے آخری سال میں اعراب لگوائے تھے۔ تو یہ بات پہلے تحریر کی جا چکی ہے کہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع کروایا تھا تو آپؓ کی وفات ۱۳ ھ کو ہوئی تو اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے تقریباً بیاسی ۸۲ سال بعد قرآن مجید پر اعراب لگائے گئے تو اس وقت قرآن مجید کے بے شمار اور لاتعداد حفاظ بھی موجود تھے۔ تو بابو جی کی ''نرالی عقل'' کے نزدیک قرآن مجید پر اعراب لگانے سے عربی زبان میں فرق کا امکان ہے۔ اور عہد قدیم جس کا ایک بھی حافظ نہ تھا اور ملاکی سے گیارہ سو سال بعد اس پر اعراب لگائے گئے تو بابو جی کی ''عقل سلیم'' کے نزدیک عبرانی زبان میں فرق کا امکان نہیں۔ اس مقام پر یہ بات بالکل درست، صحیح اور بجا ہے۔ کہ یہ طریق کار صرف عداوت اسلام ہے۔

ایسا نہ ہو کہ حشر میں تکرار کی ٹھہرے
تُو اپنی خطا پہ کبھی قائل نہیں ہوتا

اعتراض ۸: -''یونکہ خلیفہ عمر نے پہلے قرآنی مجموعہ میں بے شمار قرآنی آیات کو غائب پایا''۔

جواب: -مذہبی گفتگو میں جب فریق ثانی پر اعتراض کیا جاتا ہے تو معترض کا اخلاقی فریضہ ہوتا ہے کہ اس کی معتبر و مستند کتب سے حوالہ بھی تحریر کرے مگر مسیحی مبشر صاحب نے ایسا نہیں کیا۔

یہ فعل اخلاقی دنیا میں بددیانتی اور خیانت تصور کیا جاتا ہے مگر موصوف "بارہا چھوٹے قفس سے بارہا پکڑے گئے"۔ کے مصداق ہیں۔ یہ اعتراض صداقت سے دور اور بہت دور ہے کیونکہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جب قرآن مجید کو جمع کرنے کا کام شروع کیا گیا تو قرآن مجید ایک جلد میں جمع ہو گیا تو حضرت عمرؓ اس کو صحیح جانتے اور مانتے تھے پس اس لحاظ سے یہ اعتراض غلط ہے۔ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو ہوئی آپ کے بعد حضرت عمرؓ امیر المومنین بنے اور آپ کی وفات یکم محرم ۲۴ھ کو ہوئی اس حساب سے آپ کی مدت خلافت دس سال چھ ماہ اور دس دن بنتی ہے ۱۴ھ باجماعت تراویح کا آغاز ہوا۔ اور آپ کے دور خلافت میں کئی ملک فتح ہوئے چنانچہ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک ہزار چھتیس شہر مع ان کے مضافات کے فتح کیے اور جو مقام قبضہ میں آتا فوراً حکم دیتے کہ وہاں مسجد بنائی جائے اور مساجد میں ائمہ اور موذنین کا تقرر فرماتے حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا چار ہزار مسجدیں پنج وقتی نماز کے لیے اور نو سو جامع مسجدیں آپ کے زمانہ میں بنیں"

(خلفائے راشدین صف ۱۲۸ ، ۱۲۹)۔

حضرت مولانا شبلی نعمانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے' اوّل یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اس کی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنا دیئے تا کہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہ تھا"۔

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے ان کی

تنخواہیں مقرر کیں''۔(الفاروق صف ۲۶۶)۔

''حافظوں کی تعداد'' = آدمی قرآن پڑھ گئے ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا۔لیکن حافظوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔فوجی افسروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ حفاظان قرآن کو میرے پاس بھیج دو تا کہ میں ان کو قرآن کی تعلیم کے لیے جابجا بھیجوں تو سعد وقاصؓ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو (۳۰۰) حفاظ موجود ہیں''۔(الفاروق صف ۲۶۸)۔

ان حقائق کے پیش نظر عقل سلیم کیونکر یہ تسلیم کرے گی کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید سے آیات کو غائب پایا تھا؟ اگر بالغرض محال اس بات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی معترض کی بات بنتی نہیں اور دال گلتی نہیں کیونکہ یہ منسوخ تھیں بائبل میں درجن سے زیادہ ایسی کتب کے نام ملتے ہیں جو کسی زمانے میں الہامی مانی جاتی تھیں مگراب وہ بائبل میں موجود نہیں۔ان کتابوں کے گم ہونے سے مسیحی دنیا پر ضرب کاری اور چوٹ بھاری پڑتی ہے کیونکہ مسیحی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ رب العزت کا کلام نہ بدل اور نہ گم ہوسکتا ہے۔تو پادری فانڈر صاحب اس اعتراض کا جواب یوں دیتے ہیں۔

''بعض مسلمان بائبل کا ایک اور نقص یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض کتب جو کسی زمانہ میں بائبل میں شامل تھیں اب مفقود ہیں۔ مثلاً کتاب الیاشر (یشوع ۱۰ : ۱۳)اور خدا کا جنگ نامہ (گنتی ۲۱ : ۱۴) لیکن یہ کتابیں کبھی بائبل کا جزو نہ تھیں جیسا کہ جن کتابوں کا ذکر قرآن میں ہے مثلاً صحف ابراہیم وغیرہ قرآن کا جزو نہ تھیں'' (میزان الحق پہلا حصہ باب ۴)۔

''صحف ابراہیمؑ'' کے نہ ہونے سے ہم پر اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ ہم الہام کے گم اور بدل جانے کے قائل ہیں۔ہمارا اعتراض اب بھی قائم ہے کہ یہ کتابیں الہامی تھیں تو گم کیوں ہیں؟ نتیجہ یہ کہ وہ آیات منسوخ ہوگئی تھیں اس لیے انہیں قرآن مجید میں لکھا نہیں گیا پس اعتراض باطل ہے۔

اعتراض ۹ :-'' کیونکر خلیفہ عثمان کو راجح الوقت مختلف قرآنی نسخوں کو اکٹھا کرنا پڑا اور

اس نے بعض قرآنی نسخوں کو تو نظر آتش کر دیا، جبکہ بعض قرآنی نسخوں کو محفوظ کر لیا''۔

جواب: ۔''نظر آتش کر دیا''۔اس اعتراض کا جواب آگے چل کر تحریر کیا جائے گا۔باقی موصوف کے خط کشیدہ الفاظ کی بابت حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

''چوتھا مشہور قول امام طحاویؒ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نازل تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا۔لیکن چونکہ اہل عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے، اور ہر ایک کے لیے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی۔اس لیے ابتداء اسلام میں اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کیلئے قرآن کریم کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی۔ان کیلئے خود آنحضرت ﷺ نے ایسے مرادفات متعین فرما دیئے تھے جن سے وہ تلاوت کر سکیں یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کئے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے تعالَ کی جگہ ھَلُمّ یا اَقْبِلْ یا اُدْنُ پڑھ دیا جائے، معنی سب کے ایک ہی رہتے ہیں، لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی۔جبکہ تمام اہل عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے، پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا۔اہل عرب اس کے عادی ہو گئے اور ان کیلئے اسی اصلی لغت پر قرآن کی تلاوت آسان ہو گئی، تو آنحضرت ﷺ نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا آخری دور کیا۔جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔اس موقعہ پر یہ مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی۔اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔'' (مشکل الآثار للطحاوی صفحہ ۱۸۶ تا ۱۹۱-جلد ۴)۔

اس قول کے مطابق ''سات حروف'' والی حدیث اسی زمانے سے متعلق ہے۔جب تلاوت میں مرادفات استعمال کرنیکی اجازت تھی۔اور اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ وہ اس وسعت کے ساتھ نازل ہوا ہے کہ اسے ایک مخصوص زمانے تک سات حروف پر پڑھا جا سکے گا اور سات حروف سے بھی مراد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم

کے ہر کلمہ میں سات مرادفات کی اجازت ہے۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ جتنے مرادفات استعمال کئے جاسکتے ہیں ان کی تعداد سات ہے اوراس اجازت کا مفہوم بھی یہ نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مرضی سے جو الفاظ چاہے استعمال کر لے بلکہ متبادل الفاظ کی تعین بھی خود آنحضرت ﷺ نے فرمادی تھی، اور ہر شخص کو آپ ﷺ نے اس طرح قرآن سکھلایا تھا جو اس کیلئے آسان ہو۔ لہذا صرف ان مرادفات کی اجازت دی گئی تھی جو حضور ﷺ سے ثابت تھے۔''

(فتح الباری ص ۲۲، ۲۳ ج ۹ ۔علوم القرآن صف ۱۰۴ ، ۱۰۵)۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی ''حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن تیسرا مرحلہ'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

''جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم وایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی۔ اُدھر آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا۔ اور مختلف صحابہ کرامؓ نے اسے آنحضرت ﷺ سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا اس لئے ہر صحابیؓ نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود اس نے حضور ﷺ سے پڑھا تھا۔ اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا۔ جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان لوگوں میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے۔ بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے۔ ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے۔ دوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ

طیبہ میں موجود تھا۔ پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کیلئے حجت بن سکے۔ کیونکہ دوسرے نسخے افرادی طور پر لکھے ہوئے تھے۔ اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ اسلئے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی کوئی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قراءت صحیح اور کونسی غلط ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اس کارنامہ کی تفصیل روایات حدیث کے ذریعہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے، چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اور جا کر عرض کیا کہ امیر المومنین! قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلاف کا شکار ہو آپ اس کا علاج کیجئے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیہ کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا، وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ اُبَیّ بن کعبؓ کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی، اور اہل عراق عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں، حضرت عثمانؓ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے، انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلّم نے اپنے شاگردوں کو ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا اور دوسرے معلّم نے دوسری قراءت کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا، اور وہ بھی ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتے جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ "مجھے یہ اطلاع ملی

ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے۔ اور یہ بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے، لہذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے''؟ صحابہؓ نے خود حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ'' آپ نے کیا سوچا ہے''؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ'' میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف جمع کر دیں تا کہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے'' صحابہؓ نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمانؓ کی تائید فرمائی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ'' تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قراءتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لیے واجب الاقتدا ہو'' اس غرض کے لیے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابو بکرؓ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمانؓ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے، جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، ان صحابہؓ میں سے چار حضرت زیدؓ انصاری تھے، اور باقی تینوں حضرات قریشی تھے، اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ'' جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟ تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لیے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے''۔

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی

مدد کے لیے ساتھ لگا دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤدؒ کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک پہنچ گئی، جن میں حضرت ابی بن کعبؓ حضرت کثیر بن افلح، حضرت مالک بن ابی عامرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی شامل تھے، ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے۔

(۱) حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا،

(۲) قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً سرھا لکھا، تاکہ اسے نَنشُرُھا اور نُنشِزُھا دونوں طرح پڑھا جاسکے کیونکہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں،

(۳) اب تک قرآن کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا،

(۴) مذکورہ بالا کام کرنے کے لیے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لیے وہی طریق کار اختیار فرمایا، جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، انھیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ از سر نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے گئے" (علوم القرآن صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۱)۔

نیز موصوف لکھتے ہیں۔

(۵) ''قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش کر دیئے جو مختلف صحابہؓ کے پاس موجود تھے۔ تاہم رسم الخط، مسلمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

''حضرت عثمانؓ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بہ نظر استحسان دیکھا اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت فرمائی''۔ (علوم القرآن صف ۱۹۲)۔

الحاصل حضرت عثمانؓ نے اختلاف قراءت کے مسئلہ کو احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے ہمیشہ کے لیے حل فرما دیا۔ اور اہل اسلام کو آئندہ کے فتنہ سے محفوظ کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے جو نسخے منگوائے اور جو نسخے تیار کروائے اس کا جواب مولانا موصوف کی تحریر میں موجود ہے۔

باقی رہا ''نذر آتش'' والا معاملہ، تو اس سے آپؓ پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ اسلام سے قبل بھی مذہبی دنیا میں ایسا ہوتا تھا چنانچہ پادری فانڈر صاحب لکھتے ہیں۔

''بعض اوقات کہنہ مسودوں کو نہایت احتیاط کے ساتھ نقل کر کے غایت درجہ کی تعظیم کے ساتھ جلا دیتے تھے تاکہ ان کی کسی طرح سے بے حرمتی و بے عزتی نہ ہونے پائے''۔

(میزان الحق پہلا حصہ باب ۳)۔

چونکہ ''نذر آتش'' کا اعتراض آپؓ پر وارد نہیں ہوتا اس لیے آپؓ کا دامن پاک ہے۔

مسئلہ اختلاف قراءت بائبل میں بھی موجود ہے

اسلامی دنیا میں جو اختلاف قراءت کا مسئلہ پایا جاتا ہے ایک ہوش مند مسیحی عالم اس پر اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مسئلہ بائبل میں بھی موجود ہے۔

چنانچہ پادری ایچ، یو، ٹیمٹن صاحب لکھتے ہیں:۔

''مختلف نسخوں میں جو اختلاف قراءت تھا اس کو علمائے اسلام نے اپنے دعویٰ تحریف کے ثبوت

میں پیش کیا لیکن دراصل یہ اختلاف قراءت خوداس امر کا ثبوت ہے کہ مسیحی علماء ان قدیم مقدس نسخوں کی اصلیت وصداقت کی تحقیق وچھان بین میں کس قدر محتاط و بے لاگ تھے''۔

(تفسیر متی صف ۱۰)۔

یہ بات خصوصی طور پر یادر ہے کہ علماء اسلام نے کبھی بھی ''اختلاف قراءت'' کو''تحریف'' قرار نہیں دیا کیونکہ علماء اسلام کے نزدیک، ''تحریف، نسخ اور اختلاف قراءت'' یہ تینوں مضامین الگ الگ اور جدا جدا ہیں۔ اس لیے پادری صاحب کا یہ لکھنا حقیقت کے خلاف ہے۔

پادری برکت اللہ صاحب ایم ،اے لکھتے ہیں۔

''مسوراہی علماء کے دو بڑے فریق تھے۔ ایک فریق بابلون میں تھا۔ جوصدیوں سے یہودی علم و فضل کا مرکز تھا۔ دوسرا فریق کنعان میں تھا۔ اوراس کا مرکز طبریاس تھا۔ جہاں مسورہ کا مطالعہ صدیوں تک جاری رہا۔ عبرانی کتب مقدسہ کے مطالعہ میں دونوں فریق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ دونوں کی قراءتوں میں چند ایک اختلافات تھے جونہایت باریک تھے۔ اور جو ''مشرقی'' اور ''مغربی'' قراءتیں کہلاتی ہیں یہ اختلافات ایسے باریک قسم کے تھے ان سے کسی لفظ کے معنی میں فرق نہیں پڑتا تھا''۔ (صحت کتب مقدسہ صف ۱۳۲)۔

''انہوں نے اختلاف قراءت کا خیال رکھ کراس کو بھی قلم بند کیا۔ لیکن عبرانی متن میں کسی دوسری قراءت کو جگہ نہ دی بلکہ جس قراءت کو وہ درست یا بہتر خیال کرتے تھے وہ اس کو حاشیہ میں لکھ دیتے تھے اس حاشیہ کی قراءت کو وہ ''قری'' (یعنی پڑھنا) کہتے تھے اور متن کی قراءت کو''کتب'' (یعنی لکھی ہوئی) کہتے تھے۔ یوں قراءتوں کو الگ رکھ کر پڑھتے وقت وہ حاشیہ کی قراءت پڑھتے تھے لیکن نقل کرتے وقت وہ متن کی قراءت کو ہی متن میں جگہ دیتے تھے''۔ (صف ۱۳۳)۔

''علاوہ ازیں مختلف زمانوں اور ملکوں کے نسخہ جات اور مختلف زبانوں کے تراجم کی مدد سے ہم اصول تنقید کے ذریعے آسانی سے یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ ان مختلف قراءتوں میں سے جومختلف نسخوں میں ہم کوملتی ہیں۔ کونسی قراءت صحیح ہے''؟ (صف ۱۴۱)۔

پادری فانڈر صاحب لکھتے ہیں۔

''قرآنی اختلاف قراءت سے بائبل کا اختلاف قراءت بہت زیادہ ہے''۔

(میزان الحق پہلا حصہ باب ۴)۔

پادری فانڈر صاحب قرآن مجید کی بعض آیات مبارکہ کا اختلاف قراءت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

''ان اختلافات سے معانی میں نہایت خفیف سی تبدیلی ہوتی ہے لیکن قرآن کی تعلیم نہیں بدلتی۔ پر اگر ان اختلافات کی بنا پر کوئی مسیحی کہے کہ قرآن محرف ہے تو علمائے اسلام کیا جواب دینگے؟ ان کا یہ کہنا درست ہوگا کہ جو کوئی ایسا نتیجہ نکالتا ہے وہ محض لاعلمی اور ہٹ دھرمی کا اظہار کرتا ہے''۔

(میزان الحق پہلا حصہ باب ۴)۔

بقول پادری فانڈر صاحب قرآن کریم کے مسئلہ اختلاف قراءت پر اعتراض کرنا ایک لاعلم اور ہٹ دھرم انسان کا کام ہے۔

اعتراض ۱۰:۔ ''ابن مسعود کے قرآنی نسخہ میں کیونکر 112 سورتیں پائیں گئیں، جبکہ قرآن میں 116 سورتیں تھیں''؟

معوذتین پر اعتراض کا جواب

جواب:۔ جس کا دل چاہے قرآن حکیم سے دیکھ لے کہ اس میں ''۱۱۴'' سورتیں ہیں پس بابو جی کی ''۱۱۶'' سورتوں والی بات جھوٹ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے قرآنی نسخہ میں جو دو سورتیں (معوذتین) کم تھیں۔ اس کا بہترین جواب حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے یوں تحریر فرمایا ہے:۔

حالانکہ یہ واقعہ بالکل غلط ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی پوری امت کی طرح معوذتین کو قرآن کریم کا جزء قرار دیتے تھے اور جن روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان دو

سورتوں کے قرآن ہونے کے قائل نہ تھے وہ درست نہیں ہیں اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن کریم کی جو متواتر قراءتیں منقول ہیں ان میں معوذتین شامل ہیں، قراءات عشرہ میں سے حضرت عاصمؒ کی قراءات حضرت ابو عبدالرحمن سُلمیؒ، حضرت زر بن جیشؒ اور حضرت ابو عمرو الشیبانیؒ سے منقول ہے، اور یہ تینوں حضرات اسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح حضرت حمزہؒ کی قراءت علقمہؒ، اسودؒ، ابن وہبؒ، مسروقؒ، عاصم بن ضمرہؒ، اور حارثؒ سے منقول ہے، اور یہ تمام حضرات اسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں اس کے علاوہ قراءات عشرہ میں سے کسائیؒ، اور خلفؒ کی قراءتیں بھی بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر ختم ہوتی ہیں، کیونکہ کسائیؒ، حمزہؒ کے شاگرد ہیں، اور خلفؒ ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں، اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ قراءات عشرہ کی ساری اسانید ساری دنیا میں سب سے زیادہ قوی اور صحیح اسانید ہیں اور نسلاً بعد نسل تواتر سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں، اس لیے اگر کوئی خبر واحد ان متواتر قراءتوں کے خلاف ہو تو وہ یقیناً واجب الرّد ہے، اور اسے قبول نہیں کیا جا سکتا، اسی بناء پر محقق علماء اور محدثین کی اکثریت نے ان روایتوں کو ضعیف، موضوع یا کم از کم ناقابل قبول بتایا ہے، جو حضرت ابن مسعودؓ کی طرف یہ باطل مذہب منسوب کرتی ہیں، ان علماء میں شیخ الاسلام علامہ نوویؒ، علامہ ابن حزمؒ، امام رازیؒ، قاضی ابوبکر بن عربیؒ، علامہ بحر العلومؒ اور آخری دور کے مشہور محقق عالم علامہ زاہد کوثریؒ شامل ہیں، اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ نورالدین ہیثمیؒ نے تصریح کی ہے کہ ان روایتوں کے تمام راوی ثقہ ہیں، پھر ان روایتوں کو غیر صحیح کیسے کہا جا سکتا ہے لیکن جو حضرات علم حدیث سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا کسی روایت کے صحیح ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کوئی علت یا شذوذ نہ پایا جائے تمام محدثین نے "حدیث صحیح" کی تعریف میں یہ بات لکھی ہے کہ وہ روایت ہر قسم کی علت اور شذوذ سے خالی ہو، چنانچہ اگر کسی روایت میں علت یا شذوذ پایا جاتا ہو تو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اس کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا

،حافظ ابن الصلاحؒ اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ’’پس حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں کوئی علت معلوم ہوتی ہو جو اس حدیث کی صحت کو مجروح کرتی ہو، باوجودیکہ ظاہری نظر میں یہ حدیث صحیح سالم معلوم ہوتی ہو، اور یہ ’’علت‘‘ اس سند میں بھی واقع ہو جاتی ہے جس کے راوی ثقہ ہوتے ہیں، اور جس میں بظاہر صحت کی تمام شرائط موجود ہوتی ہیں اور اس علت کا ادراک علم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کو مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، کبھی راوی کو منفرد دیکھ کر اور کبھی یہ دیکھ کر کہ وہ راوی کسی دوسرے راوی کی مخالفت کر رہا ہے، اور اس کے ساتھ کبھی دوسرے قرائن بھی مل جاتے ہیں‘‘۔

اس طرح حدیث کی ایک قسم ’’شاذ‘‘ ہے، اس کے راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں، اس لیے ان کی حدیث قبول نہیں کی جاتی، لہٰذا جب روایتوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے، کہ وہ معوذتین کو قرآن کریم جزء نہیں مانتے تھے علامہ نوویؒ اور ابن حزمؒ وغیرہ ان کو راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود مندرجہ ذیل تین وجوہ سے قابل قبول نہیں سمجھا۔

(۱) یہ روایتیں معلول ہیں، اور ان کی سب سے بڑی علت یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ان قراءتوں کے خلاف ہیں جو ان سے بہ طریق تواتر منقول ہیں،

(۲) مسند احمدؒ کی وہ روایت جس میں حضرت ابن مسعودؓ کی یہ صریح قول نقل کیا گیا ہے کہ اَنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللهِ (معوذتین اللہ کی کتاب کو جزء نہیں ہیں) صرف عبدالرحمٰن بن یزید نخعیؒ سے منقول ہے، اور کسی نے صراحۃً ان کا جملہ نقل نہیں کیا، اور متواترت کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ جملہ یقیناً شاذ ہے، اور محدثین کے اصول کے مطابق ’’حدیث شاذ‘‘ مقبول نہیں ہوتی، (۳) اگر بالفرض ان روایتوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی بہر حال یہ اخبار احاد ہیں ،اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جو خبر واحد متواتر اور قطعیات کے خلاف ہو وہ مقبول نہیں ہوتی ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو قراءتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی صحت قطعی ہے

،لہٰذا ان کے مقابلے میں یہ اخبارِ آحاد یقیناً واجب الرّدّ ہیں، اب صرف ایک سوال رہ جاتا ہے ،اور وہ یہ کہ اگر یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو ان ثقہ راویوں نے ایسی بے اصل بات کیونکر روایت کر دی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں کی حقیقت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ معوذتین کو قرآن کریم کا جزء مانتے ہیں، لیکن کسی وجہ سے انھوں نے اپنے مصحف میں ان کو لکھا نہ ہو، اس واقعہ کو روایت کرتے ہوئے کسی راوی کو وہم ہوا، اور اس نے اسے اس طرح روایت کر دیا ،گویا وہ انھیں سرے سے جزءِ قرآن ہی نہ مانتے تھے، حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ معوذتین کو جزءِ قرآن ماننے کے باوجود انھوں نے اپنے مصحف میں ان کو نہیں لکھا تھا، اور نہ لکھنے کی وجوہ بہت سی ہو سکتی ہیں، مثلاً علامہ زاھد کوثریؒ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے معوذتین کو اس لیے نہیں لکھا کہ ان کے بھولنے کا کوئی ڈر نہ تھا، کیونکہ یہ ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہیں، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ بھی نہیں لکھی تھی، اور امام ابوبکرؒ الانباریؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: اگر میں سورۂ فاتحہ لکھتا تو اسے ہر سورت کے ساتھ لکھتا"۔ امام ابوبکرؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ہر سورت سے پہلے سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، اس لیے میں نے اسے نہ لکھ کر اختصار سے کام لیا، اور مسلمانوں کے حافظے پر اعتماد کیا، بہر کیف؛ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے مصحف میں سورۂ فاتحہ اور معوذتین تحریر نہ فرمائی ہوں تو اس کی بہت معقول توجیہات ہو سکتی ہیں، اور ان سے یہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ وہ ان کو قرآن کریم کا جزء ہی نہیں مانتے تھے، جبکہ ان سے تواتر کے ساتھ قرآن ثابت ہے، جس میں معوذتین بھی شامل ہیں"۔

(علوم القرآن صف ۲۲۳ تا ۲۲۷)۔

ہم نے مذکورہ بالا اعتراض کا جواب لکھ دیا ہے۔ ویسے "من پاپی عذر ہزار" کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔

اعتراض:۔" کیونکر سورۃ الاحزاب کی شروع سے موجود 200 آیات کی نسبت اب صرف

اس سورۃ میں 72 آیات رہ گئیں ہیں"۔

جواب: - آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں سورۃ الاحزاب کی بہت سی آیات منسوخ ہو گئی تھیں یہ دوسو آیات بھی ان ہی میں سے ہیں۔ (نور الانوار صفحہ ۲۱۱)۔

ان الفاظ کے بعد اب ذرا مسیحی دنیا کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے! مسیحی دنیا میں پہلی اور بڑی کلیسیا ''رومن کیتھولک'' ہے۔ اس کی بائبل کے عہد قدیم میں مندرجہ ذیل کتب زیادہ ہیں۔

۱:- طوبیاہ۔ ۲:- یہودیت۔ ۳:- حکمت۔ ۴:- یشوع بن سیراخ۔

۵:- باروک- ۶:- مکابین اوّل- ۷:- مکابین دوم۔

پروٹسٹنٹ کی بائبل میں یہ کتابیں موجود نہیں کیونکہ یہ فرقہ انہیں غیر الہامی قرار دیتا ہے اور اس فرقہ کی بنیاد جناب لوتھر نے ۱۵۱۷ء میں رکھی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ ۱۵۱۶ء تک جو مسیحی لوگ ان کتابوں کو الہامی مانتے تھے وہ سچے تھے یا جو فرقہ ۱۵۱۷ء سے ان کتابوں کے الہامی ہونے کا منکر ہے وہ فرقہ سچا ہے؟

اعتراض ۱۱: - ''شیعہ علماء دین کے اس دعوٰی کی بابت دوسرے مسلمانوں کا کیا خیال ہے کہ 200 سے زائد قرآنی آیات کو یا تو قرآن سے نکال باہر کیا گیا ہے یا ان کو بدل کر اور توڑ مڑور کر قرآن میں پیش کیا گیا ہے''۔

جواب: - نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں جو آیات منسوخ ہو گئی تھیں ان کو قرآن مجید میں نہیں لکھا گیا۔ نیز دوسرے فرقے کا قول ہمارے لیے حجت نہیں جیسا کہ پروٹسٹنٹ کے نزدیک دوسرے کسی مسیحی فرقہ کا قول حجت نہیں۔

اعتراض ۱۲: - ''تمام غیب اور سب حکمت والا اسلامی اللہ کیوں اپنی ہی بعض قرآنی آیات کو باطل اقرار کر کے ان کو منسوخ کر دیتا اور پھر اس کو بعد میں نئی آیات نازل کرنا پڑتیں؟''

مسئلہ نسخ بائبل میں بھی پایا جاتا ہے

جواب: -- مسئلہ نسخ میں جو حکمتیں ہیں وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ویسے اس مسئلہ پر اعتراض کرنا حماقت و جہالت، بغض وحسد اور تعصب وضد ہے کیونکہ بائبل میں بھی نسخ کا مسئلہ موجود ہے ملاحظہ فرمائیے!

الف: -- اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختنہ کے متعلق یہ حکم دیا۔

''پھر خدا نے ابرہام سے کہا کہ تو میرے عہد کو ماننا اور تیرے بعد تیری نسل پشت در پشت اسے مانے اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ تمہارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو کیا جائے۔ خواہ وہ گھر میں پیدا ہو خواہ اسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں۔ لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمہارے جسم میں ابدی عہد ہوگا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا''۔ (پیدائش ۱۷ : ۹ تا ۱۴)۔

غور فرمائیے ختنہ کرنے کی کس قدر سخت اور بار بار تاکید ہے۔ اور یہ حکم قیامت تک کے لیے اور ابدی ہے۔ یہ حکم صرف حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت میں ہی نہیں بلکہ تورات میں بھی موجود ہے:- ''اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے''۔ (احبار ۱۲ : ۳)۔

اس مقام سے بھی صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ ختنہ کرانے کا حکم ابدی اور ہمیشہ کے لیے ہے ۔ اسی حکم کے تحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا۔

''جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اس کے ختنہ کا وقت آیا تو اس کا نام یسوع رکھا گیا۔ جو فرشتہ نے اس کے پیٹ میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا''۔ (لوقا ۲ : ۲۱)۔

'اور جب وہ خداوند کی شریعت کے مطابق سب کچھ کر چکے تو گلیل میں اپنے شہر ناصرة کو پھر گئے'

(لوقا۲ : ۳۹)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کے بعد جب مسئلہ ختنہ پر اختلاف ہو (اعمال ۱۵ : ۱،۲) تو چند افراد کو اس مسئلہ کے حل کے لیے یروشلیم بھیجا گیا تو وہاں جناب یعقوب نے اپنی ذاتی رائے سے حکم ختنہ کو منسوخ کر دیا۔(اعمال ۱۵ : ۱۹) اس کے بعد باقی افراد نے بھی اس کے حق میں ووٹ دے دیے اور اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔(اعمال ۱۵ : ۲۸، ۲۹) غور فرمایئے کہ ختنہ کرانے کا جو ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حکم تھا اسے چند افراد نے منسوخ کر دیا چنانچہ اب عیسائی ختنہ نہیں کراتے ایسا کرنے سے وہ اہل حق سے کٹ گئے ہیں چنانچہ لکھا ہے۔

''اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اس نے میرا عہد توڑا''۔(پیدائش ۱۷ : ۱۴)۔

ب :-''انہی دنوں میں حزقیاہ ایسا بیمار پڑا کہ مرنے کے قریب ہو گیا اور یسعیاہ نبی آموص کے بیٹے نے اس کے پاس آ کر اس سے کہا کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو اپنے گھر کا انتظام

(۱)

کر دے کیونکہ تو مر جائے گا اور نہ بچنے کا نہیں ۔۔تب حزقیاہ نے اپنا منہ دیوار کی طرف کیا اور خداوند سے دعا کی۔اور کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں یاد فرما کہ میں تیرے حضور سچائی اور پورے دل سے چلتا رہا ہوں اور جو تیری نظر میں بھلا ہے وہی کیا ہے اور حزقیاہ زار زار رویا ۔تب خداوند کا یہ کلام یسعیاہ پر نازل ہوا کہ جا اور حزقیاہ سے کہہ کہ خداوند تیرے باپ داؤد کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تیری دعا سنی ۔میں نے تیرے آنسو دیکھے۔سو دیکھ میں تیری عمر پندرہ

(۲)

برس اور بڑھا دوں گا ۔''(یسعیاہ ۳۸ : ۱تا۵)۔

نہایت بردباری اور حلیمی سے غور فرمایئے کہ خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک میں حزقیاہ کی موت کی خبر ایسی پکی ہے جو کبھی بھی ٹلنے کی نہیں مگر خط کشیدہ الفاظ نمبر دو میں موت کے ٹلنے اور حزقیاہ کی عمر بڑھانے کا ذکر ہے پس ہم اہل اسلام کے نزدیک خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک ''منسوخ'' اور خط کشیدہ الفاظ نمبر دو ''ناسخ'' ہیں۔ الغرض پہلا حکم ''منسوخ'' ہے۔

ج:۔ مندرجہ ذیل مقام میں لفظ ''منسوخ'' دو مرتبہ موجود ہے۔

''تب میں نے فضل نامی لاٹھی کو لیا اور اسے کاٹ ڈالا کہ اپنے عہد کو جو میں نے سب لوگوں سے باندھا تھا منسوخ کروں۔ اور وہ اسی دن منسوخ ہو گیا۔ تب گلہ کے مسکینوں نے جو میری سنتے تھے معلوم کیا کہ یہ خدا کا کلام ہے''۔ (زکریاہ ۱۱ : ۱۰، ۱۱)۔ لفظ ''منسوخ'' اور خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ''خداوند کے کلام'' میں مسئلہ نسخ پایا جاتا ہے۔

د:۔ مسیحی کلیسیا کے مایہ ناز رسول پولوس لکھتے ہیں:۔

''غرض پہلا حکم کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا''۔

(عبرانیوں ۷ : ۱۸)۔ دیکھو مندرجہ بالا مقام میں مسئلہ نسخ موجود ہے۔ اور پولوس اللہ تبارک و تعالیٰ کے پہلے حکم کو منسوخ، کمزور اور بے فائدہ قرار دیتے ہیں۔

ھ:۔ بابو جی کی ایک الہامی کتاب میں مسئلہ نسخ اس طرح بھی موجود ہے۔

(۱)

''اور تو جو کے پھلکے کھانا اور تو ان کی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے انکو پکانا۔ اور خداوند نے فرمایا کہ اسی طرح سے بنی اسرائیل اپنی ناپاک روٹیوں کو ان اقوام کے درمیان جن میں میں انکو آوارہ کروں گا کھایا کریں گے۔ تب میں نے کہا کہ ہائے خداوند خدا! دیکھ میری جان کبھی ناپاک نہیں ہوئی اور اپنی جوانی سے اب تک کوئی مردار چیز جو آپ ہی مر جائے یا کسی جانور سے پھاڑی جائے میں نے ہرگز نہیں کھائی اور حرام گوشت میرے منہ میں کبھی نہیں گیا۔ تب اس

نے مجھے فرمایا دیکھ میں انسان کی نجاست کے عوض تجھے گوبر دیتا ہوں سوتو اپنی روٹی اس سے پکاتا''۔(حزقی ایل۴ : ۱۲ تا ۱۵)۔

مندرجہ بالا مقام کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک منسوخ اور نمبر دو ناسخ ہیں۔پس بائبل کے ان پانچوں مقامات سے مسئلہ نسخ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ان حقائق کے پیش نظر قرآن کریم پر مسئلہ نسخ کی بابت کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔کیونکہ بائبل قرآن پاک سے پہلے کی ہے۔ایسے میں مسئلہ نسخ پر مسیحی مبشر کے جتنے بھی اعتراضات ہیں وہ سب بائبل پر وارد ہوتے ہیں۔پس قرآن پاک ان سے بری ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو

اعتراض ۱۳:۔''دعویٰ نبوت سے قبل مکہ میں جو 360 کے قریب پتھر کے بت تھے ان میں سب سے بڑے بت کا نام اللہ تھا اور اس کی بیوی (بت) کا نام الات تھا۔اس طرح محمد نے کیوں مسلمانوں کو ایسے اللہ کو خدا کے روپ میں متعارف کروایا۔جو کہ پہلے پتھر کا بت تھا اور اس کی بیوی الات اور نئے بت جمع کرنے کے سلسلہ میں نئے بتوں کو بچوں کا درجہ دیا جاتا تھا۔تو کیونکر محمد نے مسیحی دین میں خدا باپ،خدا بیٹا،اور خدا روح پاک کوانہی بتوں (اللہ اور الات اور بچوں) سے تشبیہ دی؟

جواب:۔۳۶۰ بتوں میں کسی بت کا نام ''اللہ'' نہیں تھا۔مشرکین مکہ ''الات'' کو اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں مانتے تھے۔(تفسیر مظہری النجم:۱۹)۔

نیز قرآن پاک کی اسی آیت مبارکہ میں ''لات'' ہے ''الات'' نہیں۔''تفسیر حقانی'' میں لات کی بابت یوں مرقوم ہے:۔

''لات ایک شخص عرب میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا اس کے مرنے کے بعد اس کی شکل

پر ایک بت پوجنے لگے"۔(النجم:۱۹)۔باقی باتیں حقیقت سے دور اور جھوٹ ہیں۔

اعتراض ۱۴۲:۔"کیا واقعی محمد عربی لفظ اللہ کو دنیا سے متعارف کروایا، جبکہ محمد عربی کے اپنے والد کے نام (عبداللہ) میں اللہ کا نام تھا جس کا مطلب تھا کہ اللہ بت کا غلام"؟۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا تعارف

جواب:۔" واقعی نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو لفظ "اللہ" اور اللہ رب العزت کی ذات پاک کا صحیح معنوں میں تعارف کرایا۔ چنانچہ جب مشرکین نے باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا کہ وہ کیسا ہے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرمائی"۔

"قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" ۝ ج اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ ج لَمْ يَلِدْ ۝ لا وَ لَمْ يُوْلَدْ لا وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ"۝" (سورۃ اخلاص)۔

تو کہہ وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ کسی کو جنا نہ کسی سے جنا اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس سورۃ مبارکہ کی تفسیر یوں تحریر فرمائی ہے:۔

ف ۶:۔"یعنی جو لوگ اللہ کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کیسا ہے؟۔ان سے کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہے جس کی ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر اور دُوئی کی گنجائش نہیں۔نہ اس کا کوئی مقابل، نہ مشابہ، اس میں مجوس کے عقیدہ کا رَدّ ہو گیا۔جو کہتے ہیں خالق دو ہیں۔خیر کا خالق "یزداں" اور شرّ کا "اہرمن"۔نیز ہنود کی تردید ہوئی جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو خُدائی میں حصّہ دار ٹھہراتے ہیں۔"

"ف ۸ یعنی نہ کوئی اسکی اولاد، نہ وہ کسی کی اولاد اس میں ان لوگوں کا رَدّ ہوا جو حضرت مسیحؑ کو یا حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔نیز جو لوگ مسیحؑ کو یا کسی بشر کو خدا مانتے ہیں انکی تردید "لم یولد" میں کر دی گئی۔یعنی خدا کی شان یہ ہے کہ اسکو کسی نے جنا نہ ہو۔اور ظاہر ہے۔حضرت مسیحؑ ایک پاکباز عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے پھر وہ خدا کس طرح ہو سکتے ہیں؟" (تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

محدث کبیر حضرت مولانا محمد بدر عالمؒ سورۃ اخلاص کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔
''مشرکین عرب جو خدائی تنزیہ سے یکسر نابلد تھے۔ایک بار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تخیل کے مطابق نہایت بے باکی سے یہ سوال کر بیٹھے ''اَنسِبْ لَنَا رَبَّكَ'' ہمیں ذرا اپنے پروردگار کا نسب تو بتلائیے'' گویا انکے نزدیک خدا تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح حسب ونسب کے میزان میں تولا جا سکتا تھا۔ان کے اس جاہلانہ سوال کے جواب میں ایک نہایت مختصر ترین سورت اتری۔جس نے خدا کی ذات کا سب سے اعلیٰ اور سب سے پاک تعارف اس طرح پیش کیا کہ وہ یکتا ویگانہ ہے نہ ذات میں اسکا کوئی شریک ہے نہ صفات میں اسکا کوئی سہیم، یہی احدیۃ کا مفہوم ہے۔یہ وہ صفت تھی کہ اس سے زیادہ آسان اور اس سے زیادہ صحیح تعارف کسی اور صفت کے ساتھ مشکل ہے۔ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ایک صفت واحدیت بھی ہے۔مگر احدیت اس سے کامل تر ہے تمام سورۃ اخلاص اسی کی تفسیر ہے۔صمدیۃ اسی احدیت کی تکمیل ہے اور لم یلد ولم یولد اسی کی تشریح۔صمد بے نیاز کو کہتے ہیں۔یعنی وہ ایک اور اکیلا ہو کر بھی اپنے کمال میں کسی کا محتاج نہیں۔والد کی طرح نہیں جو اپنے بیٹے کیلئے محتاج الیہ ہو کر بھی اپنے کمالات کی شہرت وبقاء میں تمام تر اپنے بیٹے کا محتاج ہے اور نہ اس ولد کی طرح ہے جو ایک جہت سے محتاج الیہ بنکر بھی اپنے وجود میں والد کا سرتاسر محتاج ہوتا ہے۔نسب وہاں قائم ہو سکتا ہے جہاں رشتہ اشتقاق پیدا ہو سکے۔جہاں اوپر اور نیچے کی دونوں جانبوں میں رشتہ اشتقاق نہیں وہاں نسب کا تصور بھی نہیں۔اصول وفروع سے گزر کر نسب کا دوسرا تخیل شعب واطراف میں قائم کیا جا سکتا ہے۔مگر جسکا کوئی کفو ونظیر بھی نہیں اس کیلئے نسب کا تصور اطراف وجوانب میں بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔صرف یہ جواب کہ اسکا کوئی نسب نہیں ان کے مذاق فطرت کے موافق نہ تھا۔اسلئے آپ نے پہلے وجودی دو صفتیں ایسی ذہن نشین کر دیں جس کے نتیجہ میں دو سلبی صفتیں پیدا ہو جائیں اور اسکے بعد نسب کا سوال خود بخود ذہنوں سے نکل جائے۔یہ واضح رہنا چاہئے کہ غنی وصمد میں بڑا فرق ہے۔صمد اسکو کہتے ہیں جو خود کسی سے برآمد نہ ہو سکے اور نہ کوئی دوسرا اس سے برآمد ہو سکے

جیسا کہ والد اور ولد، اسلئے خدا کے نسب کی بجائے (جو ایک ذاتی تھی اس کی) صمدیت کو پیش کیا گیا ہے۔ غناؤ فقر نسب کی جگہ نہیں آسکتے۔ یہ خارجی اوصاف، عوارض ہیں۔ نسب ایک رشتہ خون کا نام ہے جس میں جزیۃ کا مفہوم کسی نہ کسی پہلو سے ضرور سامنے آتا ہے۔ صمدیۃ اس رشتہ کے بالمقابل غناء و بے نیازی کا نام ہے یعنی اس ذات پاک میں اس اندرونی اشتقاق کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ کسی نوعیت سے بھی وہاں نسب کی شرکت کا تصور لایا جاسکے اسماءِ الٰہیہ میں بسا اوقات الفاظ کا ترجمہ یکساں نظر آتا ہے مگر اس کے مصداق و صحیح مفہوم میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ان مختصر نوٹوں میں ان تمام تفاصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں یہ تشریح صرف اس مقصد کے پیش نظر ہے کہ ابتداءِ کتاب میں خدائیتعالٰی کے مختصر تعارف کے ساتھ ان اسماء کی مقبولیت و محبوبیت کی وجہ بھی کچھ نہ کچھ ذہن نشین ہو جائے۔ لم یولد اور خود جنا نہیں گیا۔ شیخ اکبرؒ یہاں ایک لطیفہ لکھتے ہیں کہ عقل انسانی غور وفکر اور ترتیب مقدمات کے بعد جو نتیجہ بھی نکالتی ہے وہ اس کا مولود اور پیدا کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہاں خدائیتعالٰی کی صفات میں یہ پہلی صفت ہے کہ وہ کسی کا مولود نہیں۔ اب بھلا اس عاقل کو خدا کی ذات کی کیا معرفت ہے جس کی معرفت خود اپنی تراشیدہ اور اپنی ہی پیداوار ہے''۔ (ترجمان السنۃ جلد اوّل۔ کتاب التوحید۔ حدیث شریف ۸ صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳)۔

سرکار دو عالم ﷺ نے لفظ ''اللہ'' اللہ تبارک وتعالٰی کی ذات پاک اور اس کی مقدس توحید کا اس احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے لوگوں کو تعارف کرایا کہ بہت سے لوگ جن میں مشرکین، یہود اور نصاریٰ بھی تھے اس مقدس تعلیم کو دیکھ کر ہادی دو جہان اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائے۔ یہ تعلیم اس قدر اعلیٰ، ارفع، افضل، اکمل اور کامل تھی۔ کہ اس مقدس تعلیم توحید اور آنحضرت ﷺ کی مدحت و منقبت پادری برکت اللہ صاحب ایم-اے نے یوں تحریر کی ہے:-

''حضرت محمدؐ صاحب دنیا کی نامور ہستیوں میں سے ہیں۔ جس طرح ہندوستان کو مہاتما بدھ کے وجود پر۔ ایران زرتشت اور چین کو کنفوشیس کے وجود پر اور بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کے وجود پر بجا فخر ہے۔ اسی طرح سرزمین عرب کو حضرت محمدؐ کے وجود پر فخر ہے۔ آپ کی ذات سے

جو فیوض اہل عرب کو پہنچے وہ تاریخ کے ورقوں پر آب زر سے لکھے ہوئے ہیں۔آپ نے عرب کے مختلف قبیلوں کو جو ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے۔ایک جماعت میں منظم کر دیا۔اور دشت عرب میں ایک ایسے مذہب کی بنا ڈالی جس نے عرب میں شرک اور کفر کا خاتمہ کر دیا اور اب دور حاضرہ میں مختلف ممالک میں پھیل گیا ہے۔اس مذہب کے پیرووں کی تعداد کروڑوں پر مشتمل ہے۔پس ہر شخص کا فرض ہے کہ اس نامور ہستی کے سوانح حیات سے واقف ہو''۔ (محمد عربی صف۹)۔

مندرجہ بالا الفاظ کسی مسلمان کے نہیں بلکہ مسیحی مبشر کے ہم مذہب بھائی پادری برکت اللہ صاحب ایم-اے کے ہیں۔ہم ان کے آگے اور کیا تحریر کریں۔بس یہی بات کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ رب والعزت کا جو تعارف لوگوں کو کرایا تھا اس کی شہادت ایک غیر مسلم اور مسیحی عالم نے دے دی ہے۔

جبکہ تین سو ساٹھ بتوں میں کسی بت کا نام ''اللہ'' تبارک تعالیٰ نہ تھا۔تو اس سے یہ بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے ابو جان کے اسم مبارک (عبداللہ) کا صحیح مطلب ومفہوم ہے'' اللہ کا بندہ'' اس بات کی شہادت ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب سے بھی ملتی ہے جسے بالکل آخر میں تحریر کیا گیا ہے۔پس اس لحاظ سے بھی معترض کا اعتراض باطل اور محض تعصب ہے۔

اعتراض ۱۵:- ''اسلامی اللہ کی بابت مسلمان کیونکر کسی قسم کے نزدیکی اور ذاتی رشتہ اور تعلق سے محروم ہیں اور غلام کی طرح اسکی غلامی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں''۔

اہل اسلام کو اللہ تبارک تعالیٰ کا قرب ونزدیکی حاصل ہے

جواب:- یہ اعترض کرنا قرآن پاک سے لاعلمی اور ناواقفی کی دلیل ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے اپنی بابت یہ تعلیم ارشاد فرمائی ہے:-

الف:-''اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ'' (المجادلة:۱)

(''بے شک اللہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔'')۔

ب:۔''وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ '' (التغابن: ۴)

(''اور اللہ کو معلوم ہے جیوں کی بات'')۔

ج:۔''وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط''(الحدید: ۴)

(''اور وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو'')۔

د:۔'' وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ''(ق: ۱۶)

(''اور ہم اس سے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ'')۔

قرآن شریف کے یہ چاروں مقامات اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قرب و نزدیکی کا برملا اظہار کرتے ہیں جو باریتعالیٰ سے اہل اسلام کو ہے۔ نیز رَبُّ العالمین کا قرب مسلمان کو اس وقت بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس وقت نماز میں سجدہ کرتا ہے۔ پس ان سے یہ حقیقت بخوبی روشن و منور ہوگئی کہ اہل اسلام اللہ رَبُّ العزت کے قرب سے ہرگز ہرگز محروم نہیں ہیں۔

معہذا ہم حق سبحانہٗ وتعالیٰ کو اَللہ، اِلٰہ، رب، خالق اور اس کی دیگر صفات کو بھی مانتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ وہی ہمارا اللہ، وہی ہمارا معبود، وہی ہمارا پروردگار اور وہی ہمارا خالق یعنی پیدا کرنیوالا ہے۔ اور ہم اسی کی مخلوق ہیں۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنا باپ اور اپنے آپ کو اسکے بیٹے قرار نہیں دیتے کیونکہ یہ رشتہ مادی، جسمانی اور محدود ہے۔ اور ذات حق کی شان کے لائق ہی نہیں۔ کیونکہ وہ صمد ذات ہے چونکہ مالک کائنات کو اَللہ، اِلٰہ، ربّ، خالق اور اسکی دیگر صفات کو ماننا روحانی اور لامحدود رشتہ ہے۔ اسلئے ہم اسی کو اعلےٰ، ارفع، افضل واکمل سمجھتے اور اسی پر ایمان رکھتے، دیگر باتوں کو افسانہ خیال کرتے ہیں۔

اعتراض:۔''اور غلام کی طرح اس کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں''۔

مسلمان اللہ پاک کے فرمانبردار ہیں

جواب:- الحمد للہ! کہ سیدنا حضرت ابرہیم علیہ السلام نے ہمارا نام ''مسلمان'' رکھا ہے (الحج:۷۸)۔ ''مسلمان'' کا معنیٰ ''فرمانبردار، وفا شعار اور حکمبر دار'' ہے۔ جو ''فرمانبردار'' اور ''وفا شعار'' ہوگا وہ اللہ ربُّ العزت کا مطیع اور اسکا تابع ہوگا۔ جسے اعتراض میں ''اللہ کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے'' کہا گیا ہے۔ پس مسلمان اللہ ربُّ العزت کے فرمانبردار، وفا شعار اور حکمبر دار ہیں۔ آزاد اور آوارہ نہیں۔ اللہ کی شان جو الفاظ ہماری ذلت و مذمت کیلئے استعمال کیئے گئے اُن سے ہماری عزت وعظمت اور مدحت ومنقبت ثابت ہوگئی۔ اگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تو کسی صاحب علم اور ذی فہم سے سمجھ لی جائے۔

نیز ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحی مبشر صاحب اللہ تبارک وتعالیٰ کے غلام نہیں بلکہ شتر بے مہار کی طرح اور آوارہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ایسی زندگی سے محفوظ فرمائے اور اپنی غلامی میں جکڑے رکھے آمین ثم آمین۔

اعتراض:- ''جب کہ مسیحی ایمان میں مسیح یسوع نے آسمانی خدا کو محبت کرنے والے حلیم باپ کے طور پر ظاہر کیا ہے؟''

جواب:- موصوف کے ان الفاظ سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ مسیحی مذہب میں صرف ایمان کافی ہے اسی کی تائید کیلئے باریتعالیٰ کے دوصفاتی اسم مبارک (۱-محبت کرنیوالا اور ۲-حلیم) تحریر کیئے گئے ہیں گو اس بات میں شک نہیں کہ یہ دونوں اسم مبارک اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہیں مگر ہمیں نیک اعمال پر عمل کرنیکی وجہ سے غلامی میں جکڑے ہوئے کا طعنہ دینا، خود نیک اعمال سے روگردانی اور شتر بے مہار کہ طرح زندگی بسر کرنا یقیناً نفس کا دھوکہ ہے آج نہیں تو کل قیامت کے دن آنکھیں کھل جائینگی چنانچہ مقدس یعقوب اس دھوکے کے متعلق لکھتے ہیں:-

الف:- ''اے میرے بھائیو! اگر کوئی کہے کہ میں ایماندار ہوں مگر عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ؟ کیا

ایسا ایمان اسے نجات دے سکتا ہے؟'' (یعقوب کا عام خط۲ : ۱۴)۔

ب :۔ ''اسی طرح ایمان بھی اگر اسکے ساتھ اعمال نہ ہوں تو اپنی ذات سے مُردہ ہے''

(یعقوب کا عام خط۲ : ۱۷)۔

ج :۔ ''مگر اے نکمے آدمی! کیا تو یہ بھی نہیں جانتا کہ ایمان بغیر اعمال کے بیکار ہے؟''۔

(یعقوب کا عام خط۲ : ۲۰)۔

د :۔ ''پس تو نے دیکھ لیا کہ ایمان نے اس کے اعمال کے ساتھ مل کر اثر کیا اور اعمال سے ایمان کامل ہوا''۔(یعقوب کا عام خط۲ : ۲۲)۔

ھ :۔ ''پس تم نے دیکھ لیا کہ انسان صرف ایمان ہی سے نہیں بلکہ اعمال سے راستباز ٹھہرتا ہے''۔

(یعقوب کا عام خط۲ : ۲۴)۔

و :۔ ''غرض جیسے بدن بغیر روح کے مُردہ ہے ویسے ہی ایمان بھی بغیر اعمال کے مُردہ ہے''۔

(یعقوب کا عام خط۲ : ۲۶)۔

غرضیکہ مندرجہ بالا چھ مقامات مسیحی مبشر صاحب کے دعویٰ کے بُطلان کیلئے کافی ہیں۔

گو مسیحی ایمان میں باریتعالیٰ کو ''محبت کرنیوالا'' کہا گیا ہے۔ مگر اسلامی ایمان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ''اَلْوَدُوْدُ'' فرمایا گیا ہے۔(البروج:۱۴)۔

''اَلْوَدُوْدُ'' ۔کا معنیٰ عربی لغت میں یہ ہے:۔

''اَلْکَثِیْرُ الْحُبّ'' ۔(بے پناہ محبت کرنیوالا ، بہت محبت کرنیوالا)۔ (المنجد صف ۸۹۳)۔

مسیحی ایمان میں اللہ ربّ العزت صرف ''محبت کرنیوالا'' ۔اور اسلامی ایمان میں اللہ تبارک و تعالیٰ ''بے پناہ اور بہت محبت کرنیوالا'' ہے تو اس سے یہ بات خوب روشن ہوگئی ہے کہ ''مسیحی ایمان'' سے اللہ ربُّ العزت کی محبت کے متعلق تصور ''اسلامی ایمان'' میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے پس اس حقیقت کے پیشِ نظر ''اسلامی ایمان'' ''مسیحی ایمان'' پر سبقت لے گیا ہے۔ باقی

رہا" حلیم" تو قرآن مجید میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا یہ صفاتی اسم مبارک موجود ہے۔

(التغابن: ۱۷)۔

اعتراض ۱۶: –" اللہ کے 99 نام اللہ کو المتکبر (غرور اور تکبر کرنے والا) الجبار (ظالم اور جابر اور جبر کرنے والا) القھار (قہر کرنے والا) الخافض (انسانیت کو نیچا دیکھانے والا) المذل (تباہ و برباد کرنے والا) الممیت (قتل کرنے والا، قاتل) الموخر (ہر ایک چیز کو اپنے سے دور رکھنے والا) الضار (دکھ اور مصیبت برپا کرنے والا، جو بدی لانے کا بھی ذمہ دار ہے۔) نام ظاہر کرتے کہ اللہ کس طرح اس آسمانی خدا باپ سے مختلف ہے جو مسیح نے ظاہر کیا اور توریت میں خدا کو یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ (خداوند، خداوند خدای رحیم اور مہربان، قہر کرنے میں دھیما، اور شفقت اور وفا میں غنی، ہزاروں پر فضل کرنے والا، گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہ کریگا"۔

اللہ رب العزت کے صفاتی اسماء مبارکہ کا صحیح مطلب ومفہوم

جواب: –اس اعتراض میں باری تعالیٰ کے بعض صفاتی اسماء مبارکہ نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں بددیانتی کا یہ بھرپور مظاہرہ کیا گیا ہے کہ ان کے معنیٰ غلط لکھے ہیں اور ستم پہ ستم یہ کہ ان کو ہماری طرف منسوب کر دیا ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان کے صحیح معنی یوں تحریر فرمائے ہیں:

"المتکبر، اپنی بڑائی دکھانے والا، کبریائی والا، سخت سزا دینے والا"۔

(سیرت النبیؐ جلد چہارم تحت توحید صف ۵۰۹)۔

"الجبار، جبروت والا، جس کے سامنے کوئی دوسرا دم نہ مار سکے، جس سے کوئی سرتابی نہ کر سکے"۔ (صف ۵۰۹)۔

"القھار، جس کے حکم سے کوئی باہر نہیں جا سکتا، سب کو دبا کر اپنے قابو میں رکھنے

والا''۔(صف ۵۰۹)۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی بابت ارشاد فرمایا۔

''وَاَنَّ اللہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ''(ال عمران:۱۸۲)

(بے شک خدا بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں)۔نیز

''اِنَّ اللہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ'' (البقرۃ:۱۴۳)

(بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے)۔

مسیحی مبشر نے ''الجبار'' اور ''القہار'' کے جو معنی تحریر کیے ہیں۔قرآن پاک کے ان دونوں مقامات کے پیش نظر بھی وہ معنی یقیناً غلط ہیں۔یہ بات بھی یاد رہے کہ موصوف کی الہامی کتاب میں بھی اللہ رب العزت کو ''قہار'' کہا گیا ہے۔(ناحوم ۱ : ۲) اس سے یہ ظاہر ہوا کہ موصوف کا اعتراض قرآن پاک پر نہیں بلکہ اپنی مذہبی اور الہامی کتاب پر ہے کیونکہ یہ کتاب قرآن پاک سے بہت پہلے کی ہے۔

''الخافض، نیچا کرنے والا۔(صف ۵۱۳)۔انسانیت کو نیچا دکھانیوالا نہیں بلکہ کفر اور اپنے باغی کو نیچا کرنے والا۔''المذل، ذلت دینے والا۔(صف ۵۱۴)۔''الممیت، مارنیوالا۔(صف ۵۱۳)۔''المؤخر، جو سب سے پیچھے رہ جائے گا۔(صف ۵۱۱)۔''الضار، نقصان پہنچانے والا۔(صف ۵۱۳)۔موصوف نے جو کچھ صفات الٰہیہ کے بارے میں لکھا ہے اس سے ان کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ چونکہ ان صفات سے باریتعالیٰ کی طرف برائی کی نسبت پائی جاتی ہے اس لیے یہ صفات صحیح نہیں ہیں۔افسوس اس بات کا ہے کہ بابو جی بائبل سے بے خبر ہیں۔کیونکہ بائبل میں بھی برائی کی نسبت اللہ رب العزت کی طرف پائی جاتی ہے ملاحظہ فرمائیے!

''تب خداوند نے اسے کہا کہ آدمی کا منہ کس نے بنایا ہے؟ اور کون گونگا یا بہرا یا بینا یا اندھا کرتا ہے؟ کیا میں ہی جو خداوند ہوں یہ نہیں کرتا؟''۔(خروج ۴ : ۱۱)۔

اللہ پاک نے مندرجہ بالا تینوں کاموں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔

’’میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں ،میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں‘‘۔(یسعیاہ ۴۵ : ۷)۔

’’خداوند مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ وہی قبر میں اتارتا اور اس سے نکالتا ہے خداوند مسکین کر دیتا اور دولتمند بناتا ہے۔ وہی پست کرتا ورسرفراز بھی کرتا ہے‘‘۔(اسموئیل ۲ : ۶، ۷)۔

تینوں خط کشیدہ الفاظ میں انہی صفات الٰہیہ کا اظہار ہے۔ جن پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۔’’الممیت‘‘ -۲- المذل -۳- الخافض۔’’میں ہی مارڈالتا اور میں ہی جلاتا ہوں۔ میں ہی زخمی کرتا اور میں ہی چنگا کرتا ہوں‘‘ (استثنا ۳۲ : ۳۹)۔

’’اوران سب بلاؤں کے بارے میں جو خداوند نے اس پر نازل کی تھیں اسے تسلی دی‘‘۔

(ایوب ۴۲ : ۱۱)۔

’’اس نے عذاب کے فرشتوں کی فوج بھیج کر اپنے قہر کی شدت غیض وغضب اور بلا کو ان پر نازل کیا‘‘۔(زبور ۷۸ : ۴۹)۔

’’کیونکہ میں بلا اور ہلاکت شدید کو شمال کی طرف سے لاتا ہوں‘‘۔(یرمیاہ ۴ : ۶)۔

موصوف نے اسی برائی کی نسبت کی وجہ سے ہم اہل اسلام پر اعتراض کیا چونکہ بائبل میں برائی کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف پائی جاتی ہے اس لئے مبشر صاحب کو تثلیث کی تعلیم کو ترک کر کے صرف دو خداؤں پر ایمان لانا چاہئے ایک نیکی کرنیوالا خدا اور دوسرا برائی کرنیوالا خدا تیسرے اقنوم اور خدا کی ضرورت ہی نہیں بس دو ہی کافی ہیں۔ الغرض اسلامی صفات الٰہیہ پر اعتراض کرنا کسی مسیحی عالم کو زیب نہیں دیتا کیونکہ یہ صفات باریتعالیٰ کی بابت بائبل میں بھی موجود اور پائی جاتی ہیں۔ قرآن پاک اس بات کو یوں ارشاد فرماتا ہے کہ گو’’حسنہ‘‘ اور’’سیئہ‘‘ دونوں باریتعالیٰ کی طرف سے ہیں۔(النساء:۷۸) مگر جب انسان کو’’حسنہ‘‘ ملے تو اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور جب اسے’’سیئہ‘‘ ملے تو اسے اپنے نفس کی طرف سے جانے۔(النساء:۷۹)۔ یہ مقام ادب ہے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی بات کو یوں ظاہر فرمایا

کہ کھانے، پینے اور شفا کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف اور بیماری کی نسبت اپنی طرف فرمائی (الشعراء:۷۹،۸۰)۔آپ نے ایسا کر کے رب کائنات کا ادب سکھایا ہے۔

موصوف کے یہ الفاظ (نام ظاہر کرتے کہ اللہ کس طرح اس آسمانی خدا باپ سے مختلف ہے جو مسیح نے ظاہر کیا) نہایت بے بسی اور بے کسی کا اظہار ہیں کیونکہ جب "اسلامی صفات الٰہیہ اور مسیحی صفات الٰہیہ کا تقابل کیا جار ہا تھا تو ایسے میں موصوف کا اخلاقی فریضہ تھا کہ بالکل اسی طرح جو صفات الٰہیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہیں۔ان کو ضرور نقل کر کے اپنے مذہب کی افضلیت واوّلیت ثابت کرتے مگر موصوف ایسا کرنے سے قاصر و عاجز ہیں۔یہ عجز وانکسار، بے بسی اور بے کسی کا برملا اظہار ہے۔اسی لیے فوراً اپنا منہ تورات کی طرف کر لیا اور اس سے صفات الٰہیہ تحریر کر دیں۔جو تورات سے صفات الٰہیہ تحریر کی ہیں۔ان کا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ شریف میں باری تعالیٰ کے دونوں صفاتی اسم مبارک "رحمٰن" اور "رحیم" موجود ہیں۔نیز حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی ذات پاک کو "غفور رحیم" قرار دیا اور اپنے عذاب کو اپنی ذات پاک نہیں فرمایا بلکہ عذاب کو اپنا فعل قرار دیا۔(الحجر ۴۹ ، ۵۰)۔اس نرالے اور اچھوتے طرز بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کی ذات پاک "غفور رحیم" ہے۔عذاب اس کی ذات پاک نہیں بلکہ اس کا فعل ہے۔نیز باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنی ذات پاک پر رحمت فرمانا فرض کر لیا ہے۔(الانعام ۱۲،۵۴) سارے قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ذات حق نے عذاب کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے "غفور" اور "رحیم" ہونے کا اس طرح بھی اظہار فرماتا ہے کہ:۔

"قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝"

(زمر:۵۳)۔

(کہہ اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر، آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ، وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا مہربان)۔

غفور اور رحیم میں فرق

چونکہ ''غفور'' اور ''رحیم'' کے مطلب ومفہوم میں فرق ہے اس لیے اسے ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے مثلاً ایک آدمی کسی سے مبلغ پانچ سو روپیہ قرض لیتا اور یہ قرض تین ماہ کے اندر اندر واپس کرنیکا وعدہ کرتا ہے جب یہ مدت پوری ہو جاتی اور تین ماہ گزر جاتے ہیں تو قرض خواہ، قرض دار سے اپنی رقم مانگتا، تو وہ کہتا ہے کہ آپ کا اپنی رقم مانگنا بالکل بجا اور درست ہے مگر میرے حالات ساز گار نہیں ہاتھ بہت تنگ، غربت اوڑھنا، نکبت بچھونا بن چکی ہے اور بعض اوقات عیال و اطفال فاقہ بھی کاٹتے ہیں قرض خواہ، قرض دار کی دردبھری کہانی اور داستان غم سن کر کہتا ہے کہ

(۲) (۱)

اور اپنے بال بچوں پر صرف ویسے ہی لے جا پانچ سو روپیہ اور مبلغ معاف سابقہ قرضہ

کرلے۔ پس خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک ''غفور'' کا صحیح مطلب اور خط کشیدہ الفاظ نمبر دو ''رحیم'' کا ٹھیک مفہوم ہیں۔ یعنی ''غفور'' گناہوں سے معافی اور ''رحیم'' جنّت میں داخلہ۔ جو کوئی پکی اور سچی توبہ کرلے۔ عقائد واعمال درست کرلے باریتعالیٰ کا معاملہ اس کے ساتھ یہی ہوگا۔ وہ ذات پاک لاتعداد، ان گنت اور بے شمار انسانوں پر اپنا فضل وکرم فرمانے والا ہے مگر کافرومشرک، اپنے باغی اور سرکش کو قیامت کے دن معاف نہیں فرمائیگا۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ''غفور اور رحیم'' ہے۔ عذاب اس کا فعل ہے مگر یہ بھی انسانوں کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ ربّ العزت کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اعتراض:۔ ''جبکہ اللہ اپنی مخلوق سے قطع نظر ایسا دور ہے کہ کوئی اس تک پہنچ نہیں سکتا تو کس طرح واقعہ معراج کو درست مانا جاسکتا''۔

واقعہ معراج پر اعتراضات کے جوابات

جواب:- چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بغیر باپ، روح القدس کی قدرت سے اپنی امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔(متی ۱ : ۱۸)اس لحاظ سے مسیح دنیا آپ کو کامل انسان مانتی ہے اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ انسان مخلوق ہے۔ نیز آپکی بابت یہ عقیدہ بھی رکھتی ہے کہ ''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا''(مرقس ۱۶ : ۱۹)۔

اب ہم کہتے ہیں کہ جبکہ اللہ اپنی مخلوق سے قطع نظر دور ہے کہ کوئی اس تک پہنچ نہیں سکتا تو کس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے دہنی طرف بیٹھ جانے کے واقعہ کو درست مانا جا سکتا ہے؟۔

اعتراض:-'' کہ محمد عربی، یروشلیم میں یہودیوں کی ہیکل سے جانور نما چیز پر سفر کرتا ہوا خدا کے بنائے ہوئے چاند کو توڑ کر اللہ کے پاس گیا''۔

جواب:- یہ بات یاد رہے کہ رسول اکرم ﷺ، آپ ﷺ معراج پر تشریف نہیں لیگئے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو لے گیا اسی بات کا اظہار یوں فرمایا گیا۔

'' سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ''(بنی اسرائیل:۱)۔

انسان کا آسمان پر چلے جانا امر محال نہیں بلکہ تورات بھی اسکی قائل ہے:-

''اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھا لیا''۔

(پیدائش ۵ : ۲۴)۔

غور فرمایئے! کہ جس طرح حضرت حنوک علیہ السلام کے ''رفع'' کی نسبت اللہ ربُّ العزت کی طرف ہے بالکل اسی طرح سرکار دو عالم ﷺ کے ''اسرا'' اور ''معراج'' کی نسبت بھی باریتعالیٰ کی طرف ہے۔ نیز جس طرح حضرت حنوک علیہ السلام چاند کو توڑ کر آسمان پر چلے گئے بالکل اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی چاند کو توڑ کر معراج پر تشریف لیگئے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ آنحضرت

ﷺ کے معراج کی ابتدا مکہ معظمہ سے ہوئی تھی کیونکہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ ہی سے براق پر جلوہ آرا ہو کر بیت المقدس تشریف فرما ہوئے تھے۔ اور اسی براق پر باقی آسمانی منزلیں طے ہوئی تھیں۔

نیز بائبل کہتی ہے:-

''اور وہ آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا''۔ (۲-سلاطین ۲ : ۱۱)۔

ٹھنڈے دل اور کامل عقل سے توجہ فرمایئے! کہ جس طرح حضرت ایلیاہ علیہ السلام آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں پر سوار ہو کر چاند کو توڑ کر آسمان پر چلے گئے بالکل اسی طرح رسول اکرم ﷺ بھی بُراق پر سوار ہو کر اور چاند کو توڑ کر آسمانوں سے آگے اس مقام پر تشریف فرما ہو گئے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ اور آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ بات پہلے تحریر کی جا چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی چاند توڑ کر آسمان پر جا چکے ہیں۔ اب جبکہ تین حضرات انبیاء علیہم السلام (۱-حنوک ۲-ایلیاہ ۳-مسیح) رسول اکرم ﷺ سے قبل آسمان پر تشریف لے جا چکے ہیں اور ان پر بابو جی کو کوئی اعتراض نہیں پس نقل، عقل اور عدل کی رو سے فخر کائنات ﷺ کا آسمان پر تشریف فرما ہونے اور معراج پر چلے جانے پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کے واقعہ معراج کی صداقت پر ہندوؤں کی ایک الہامی کتاب سے بھی ایک شہادت ملتی ہے۔ جسے جوابات کے بالکل آخر میں نقل کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

مسیحی مبشر کے یہ الفاظ (چاند توڑ کر) بالکل جھوٹ وفریب پر مبنی ہیں کیونکہ چاند اتنا بڑا نہیں کہ اس نے سارے آسمان کو چھپا رکھا ہے۔ اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ ہر صحیح الدماغ انسان اس بات کو بخوبی جانتا اور ہر بینا آدمی بخوبی دیکھتا ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ چونکہ عداوت اسلام میں دماغی اعصاب ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں اس لئے جھگڑالو عورت کی طرح جو کچھ منہ میں آتا ہے اسے فرمائے جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت عطا فرمائے امین ثم امین۔

اعتراض:- ''جبکہ محمد عربی سورۃ الانعام 50 کے مطابق خود اقرار کرتا ہے کہ'' (کہہ دو کہ میں

(محمد) تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے (محمد) کے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں (محمد) غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں... کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم (مسلمان) غور کیوں نہیں کرتے''۔

جواب:۔ مسیحی مبشر نے اس جگہ یہ فریب کیا کہ اس آیت مبارکہ کو ''مسلمانوں'' کے حق میں لکھا حالانکہ یہ آیت مبارکہ مشرکین مکہ کی بابت ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ نے آنحضرت ﷺ سے معجزات کا مطالبہ کیا تو باریتعالیٰ نے کفار مکہ کے جواب میں اس آیت مبارکہ کو نازل فرمایا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالقادر محدث دہلویؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''یعنی پیغمبر آدمی کے سوا کچھ اور نہیں ہو جاتے کہ ان سے محال باتیں طلب کریئے ایک اندھے اور دیکھنے کا فرق ہے۔'' (موضح القرآن)۔

نتیجہ یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے بفرمان الٰہی اپنے مخالفوں اور منکروں کو یہ سمجھایا کہ آپ کا دعویٰ الٰہ ہونے اور جنس فرشتہ سے نہیں بلکہ آپ کا دعویٰ بشر و پیغمبر (بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ بنی اسرائیل:۹۳) کا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر معجزات دکھانا باریتعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے حضرات انبیاء علیہم السلام کے بس میں نہیں۔ باقی رہا نبوت و رسالت کا بلند اور اعلیٰ مقام تو وہ ایسے ہی ہے جیسے بینا اور نابینا میں فرق ہے یعنی بینا دیکھتا ہے اور نابینا نہیں دیکھتا بالکل اسی طرح نبی بینا اور کفار نابینا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اکرم ﷺ نے اس وقت کوئی معجزہ نہیں دکھایا تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی ایسے موقعہ پر معجزہ نہیں دکھایا چنانچہ مقدس مرقس لکھتے ہیں:۔

''پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کے لیے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا۔ اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں ۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔ اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھا اور پار چلا گیا''۔ (مرقس ۸ : ۱۱)۔

نیز ملاحظہ فرمایئے!

''اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں اس سے کہا اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔اس نے جواب دے کر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔'' (متی ۱۲ : ۳۸ ، ۴۰)۔

اس جگہ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے منکروں اور مخالفوں کو کوئی معجزہ نہیں دکھا سکے اور جس نشان کا وعدہ فرمایا وہ بھی پورا نہیں ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔نیز آپ نے اپنے مخالفین و منکرین کے حق میں یہ الفاظ فرمائے:-

''اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ''

یہ الفاظ تہذیب و تمدن کی دنیا اور اخلاق انسانی میں کس نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔یہ فیصلہ عوام پر ؟اس موقع پر یہ بات تحریر کی جاتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے جب معجزہ کا سوال کیا گیا تو آپؐ نے اس موقع پر لوگوں کو مسئلہ سمجھایا اور خط کشیدہ الفاظ ارشاد نہیں فرمائے۔اس انداز بیان سے جو عظمت قرآنی فرمان مبارک سے چمکتی اور دمکتی ہے انجیلی بیان میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

اعتراض:- ''جبکہ محمد عربی کہ اپنی بیویوں میں ایک بیوی کے مطابق محمد کا خاکی جسم اس کے پاس موجود تھا اور کیا واقعہ معراج اس طرح محمد کی محض خام خیالی کی حالت نہ تھی''۔

جواب:- ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کا نکاح حضرت سودہؓ سے ہوا۔گو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح نبی پاک ﷺ سے ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں ہوا تھا مگر رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔پس ''عورتوں'' کا لفظ لکھنا صرف نادانی ہے۔بابو جی نے جس روایت کا ذکر کیا ہے۔چونکہ وہ ہماری کسی معتبر و مستند کتاب میں موجود نہیں اس لیے قابل توجہ نہیں۔اسلامی دنیا میں کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے شرعی

ادلہ چار ہیں۔

۱:-قرآن مجید-۲:-احادیث صحیحہ-۳:-اجماع امت-۴:-اجتہاد-

سرکار دو عالمﷺ کا معراج جسمانی ان چاروں ادلہ سے بخوبی ثابت ہے۔ نیز حضرت علامہ ابن کثیرؒ نے معراج جسمانی کی صداقت پر بہت سے ان حضرات صحابہؓ کے اسماء مبارکہ تحریر فرمائے ہیں۔ جو اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)-الغرض نبی پاکﷺ کا معراج جسمانی بالکل بجا، صحیح اور درست ہے۔

اعتراض:-''اس وقت تو سلیمانی ہیکل کا وجود بھی نہ تھا''۔

بیت المقدس موجود نہ تھا اس اعتراض کا جواب

جواب:-اس اعتراض کا جواب حضرت مولانا عبدالحق الحقانی دہلویؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے:- ''مسجد اس جگہ کا نام ہے جو وہ عمارت کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی گو وہ خاص ہیکل منہدم تھی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے جن کو خود عیسائی اور عوام ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے۔ جن کو قریش مکہ نے جب کہ وہ اس ملک اور شہر میں تجارت کے لیے آتے جاتے تھے بارہا دیکھا تھا۔ انہیں کو آنحضرتﷺ نے مطابق سوال بتلا دیا۔ رہا اس کا مکہ میں آپ کے سامنے موجود ہو جانا جسے دیکھ دیکھکر آنحضرتﷺ قریش کو جواب دیتے اور نشان بتلاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے بلکہ آپؐ پر انکشاف روحانی ہوا اور تمام عمارت قلبی آنکھوں کے سامنے آ گئی آپؐ تو سید المرسلینؐ موید بالہام تھے۔ معمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا تصور میں پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں''۔ (تفسیر حقانی)۔

اعتراض:-''(اور محمد کو یہودیوں کی غائب شدہ ہیکل ہی سے معراج کی کیا ضرورت پڑی، محمد نے مکہ مدینہ کے خانہ کعبہ کو قصہ معراج کے لیے کیوں نہ ترجیح دی؟)''۔

جواب :- معراج کی ابتدا خانہ کعبہ شریف ہی سے ہوئی تھی اسی مقدس جگہ سے سرکار دو عالم ﷺ براق پر تشریف فرما ہو کر بیت المقدس میں جلوہ آرا ہوئے تھے ۔ پس یہ اعتراض کرنا موصوف کی لاعلمی پر دال ہے۔

اعتراض :- ''چاند کو توڑنے کے محمد عربی کے دعوٰی کا جھوٹا پول تو اب ساری دنیا پر عیاں ہے۔ جبکہ مسیحی امریکی خلانوردوں نے چاند کو سر کرلیا اور اس کو مکمل پایا''۔

معجزہ شق القمر صحیح ہے

جواب :- ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ'' (سورۃ القمر:۱)

(پاس آگئی قیامت اور پھٹ گیا چاند)۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں :-

''ہجرت سے پیشتر نبی کریم ﷺ ''منیٰ'' میں تشریف فرما تھے۔ کفار کا مجمع تھا۔ انہوں نے آپؐ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا ۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا۔ دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے ۔ کفار کہنے لگے ۔ کہ محمدؐ نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے۔ اس معجزہ کو ''شق القمر'' کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹیگا۔ طحاویؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعوٰی کیا ہے۔ اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا۔ اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لیے لازم ہے روز مرہ کے معمولی واقعات کو ''معجزہ'' کون ۔ کہے گا۔ (ملاحظہ ہو ہمارا مستقل مضمون جو معجزات و خوارق عادات کے متعلق ''الحمود'' میں شائع ہوا ہے) باقی یہ کہنا کہ '' شق القمر'' اگر واقعہ ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے

بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہوگا اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی ۔لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی ۔بشرطیکہ مطلع صاف ہو اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا ۔ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے ۔لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ۔اور اس زمانہ میں آجکل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع ومکمل انتظامات اور تقادیم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی ۔بہر حال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی ۔با ایں ہمہ ''تاریخ فرشتہ'' وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے ۔ہندوستان میں مہاراجہ ''مالیبار'' کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں'' ۔(فوائد عثمانیؒ)۔

صداقت شق القمر پر ایک شہادت تاریخ ''فرشتہ'' سے تحریر کی گئی ہے ۔دوسری شہادت ملاحظہ فرمایئے ۔جو خلا باز چاند پر سب سے پہلے پہنچے تھے ۔تو انہوں نے واپس آکر یہ بیان دیا تھا کہ'' چاند کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک لکیر موجود ہے'' ۔اور ان کا یہ بیان اخبارات میں شائع بھی ہوا تھا ۔تو علماء اسلام نے اس وقت اس لکیر کی بابت یہ بیان دیا تھا کہ ''یہ شق القمر کے معجزہ کی وجہ سے ہے'' پس خلا بازوں کا یہ بیان شق القمر کے معجزہ کی صداقت پر شہادت ہے ۔اس شہادت کے باوجود اگر کوئی مرغے کی ایک ٹانگ کی دہائی دیتا رہے تو اس کا کوئی علاج و درماں نہیں ۔''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' ۔تیسری شہادت یہ ہے کہ شق القمر کا عظیم الشان معجزہ چودھویں رات اور ہجرت سے پانچ سال قبل رونما ہوا تھا ۔مکہ معظمہ کے ہر انسان کے کان میں اس معجزہ کی آواز پڑ چکی ، گھر گھر اس کا چرچا ، دور دراز تک ۔اس کی شہرت ہو چکی ، اہل مدینہ بھی اس معجزہ کی بابت سن اور واقف ہو چکے تھے ۔اس کے بعد رسول اکرم ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما اور جلوہ آرا ہوئے تو اس وقت یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور آپؓ کے دیگر ساتھی سرکار دو عالم ﷺ پر ایمان لائے ان کے

علاوہ دیگر افراد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔اگر شق القمر کا معجزہ صحیح نہ ہوتا تو اس کے بعد کوئی فرد بھی رحمت دو عالمؐ پر ایمان نہ لاتا کیونکہ اس معجزہ کو جھوٹا جانتا تھا۔استغفر اللہ معاذ اللہ۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس معجزہ کے بعد بے شمار، لاتعداد اور ان گنت لوگ آپؐ پر ایمان لائے، تمام زندگی اسی ایمان پر ثابت قدم رہے اور اسی حالت میں وہ اللہ کو پیارے ہوئے۔پس اس نکھری، صاف ستھری اور اجلی شہادت کے پیش نظر یہ بات برملا ظاہر اور ثابت ہوتی ہے کہ شق القمر کا معجزہ بالکل حق، سچ اور صحیح ہے۔

پتا پتا ، بوٹا بوٹا ، حال ہمارا جانے ہے

نہ جانے تو گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

مسیحی مبشر نے شق القمر کے معجزہ کو ''جھوٹا پول'' قرار دیا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ معجزہ حق اور سچ ہے جیسا کہ تین شہادتوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ہاں البتہ زیر نظر اُنسٹھ اعتراضات یقیناً بہتان ،جھوٹ اور فریب پر مبنی ہیں۔

اعتراض:۔ ''اور چاند پر آج بائبل مقدس کی کتاب کی موجودگی کی حکمرانی ہے ،اور محمد یا اس کے قرآن کا کوئی نام اور نشان چاند پر نہیں''۔

جواب:۔ قرآن و بائبل میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ جس مذہب کی حکومت چاند پر ہوگی وہ مذہب سچا ہوگا؟۔

جبکہ حضرت زکریاہ، یحییٰ (یوحنا) اور مسیح علیہما السلام کو حکومت حاصل نہ تھی تو اس اعتراض کے پیش نظر کیا یہ حضرات انبیاء علیھما السلام اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں اور یقیناً نہیں بلکہ بالکل سچے تھے۔تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مذہب کی حکومت کا ہونا یا نہ ہونا صدق و کذب کا معیار نہیں پس یہ اعتراض باطل ہے۔اس اعتراض میں ''بائبل کی حکومت'' کا ذکر ہے تو بائبل میں دو عہد نامے پائے جاتے ہیں۔(الف:۔عہد قدیم ۔ب:۔عہد جدید)۔جبکہ عہد قدیم یہودیوں کا اور عہد جدید عیسائیوں کا ہے۔تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ چاند پر جو بائبل کی

حکومت ہے۔تو اس میں ''یہودیوں''اور''مسیحیوں'' دونوں کی حکومت ہے گو یا مخلوط حکومت ہے تو مسیحی مبشر صاحب کی دلیل کے پیش نظر یہ ثابت ہوا کہ ''یہودی'' بھی حق وصداقت پر قائم ہیں ۔مگر یہ بات بھی یاد رہے کہ یہودی بعض حضرات انبیاء علھیم السلام کے قاتل بھی ہیں اور منکر بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی امی جان حضرت مریم صدیقہ علیھا السلام کی بابت ایسے نظریات رکھتے اوران کی شان اقدس میں ایسی اخلاق سوز باتیں کہتے ہیں اگر گوئم زبان سوزد۔تو ایسے میں حضرت مسیح علیہ السلام اور آپؑ کی امی جان حضرت مریم صدیقہ علیھا السلام کے بے ادبوں ، گستاخوں ،منکروں اور خون کے پیاسوں کے ساتھ ملکر مخلوط حکومت بنانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امی جان حضرت مریم صدیقہ علیھا السلام یقیناً ناراض اور بہت ناراض ہونگے مگر مسیحی مبشر صاحب اس حکومت پر بہت زیادہ خوش وخرم نظر آئے ہیں۔

دیکھا ہے اسدؔ کو خلوت وجلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں تو ہوشیار بھی نہیں

اعتراض:۔''اوپر والی قرآنی آیت کے مطابق تو محمد عربی تو فرشتہ سیرت بھی نہیں رہا۔کیونکہ محمد عربی خود ہی انکار کر رہا ہے کہ وہ فرشتہ تک نہیں تو مسلمان کیونکر محمد عربی کو امین روح کے جھوٹے لقب سے نوازتے رہتے ؟۔

مسیحی مبشر کا جھوٹ

جواب:۔موصوف نے اس اعتراض میں یہ جھوٹ بولا اور فریب کیا ہے کہ لفظ''سیرت''اپنی طرف سے لکھا ہے حالانکہ مذکورہ بالا قرآنی آیت مبارکہ میں یہ لفظ موجونہیں۔یادرہے کہ اصل لفظ یوں ہے کہ''روح الامین''۔یہ اعتراض کرنا ہم پر بہتان عظیم ہے۔کیونکہ قرآن حکیم میں ''روح القدس''اور''روح الامین''حضرت جبریل علیہ السلام کے القاب ہیں۔اور ہم ان دونوں القابوں کو صرف حضرت جبریل علیہ السلام ہی کے لیے مانتے اور جانتے ہیں۔

(النحل:۱۰۲،الشعراء:۱۹۳)۔

اعتراض:۔’’اس آیت کے مطابق محمد اللہ کے پاس نہیں گیا(کیونکہ محمد عربی کے پاس اللہ کے خزانے ہی نہیں اور نہ وہ غیب جانتا اور اللہ تو غیب ہی ہے) تو بھلا محمد کس طرح اللہ سے پچاس سے پانچ تک کی نمازوں کا سلسلہ وصول کرسکتا تھا؟‘‘۔

جواب:۔مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں وہ کون سا لفظ ہے جس کا معنیٰ یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو معراج نہیں ہوا؟۔

جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے،اللہ تبارک وتعالیٰ کی دہنی طرف بیٹھ گئے (مرقس ۱۶ : ۱۹)اور باریتعالیٰ سے روح القدس لے کر(یوحنا ۱۵ : ۲۶،اعمال ۲ : ۳۳) اسے عید پنتکست کے دن مقدس حواریوں پر نازل کیا۔(اعمال ۲ : ۱تا۴)۔بالکل اسی طرح رسول اقدس ﷺ کو معراج ہوا اور آپؐ نے اللہ رب العزت سے پانچ نمازیں لے کر اپنی امت کو عطا فرمادیں۔پس عقل سلیم کے نزدیک یہ اعتراض کچا اور بودا ہے۔

اعتراض:۔’’اور جب محمد کے پاس اللہ کے خزانے اور غیب کا علم ہی نہیں،تو محمد عربی انسانیت کو کیا،اللہ کا کلام یا خزانہ دے سکتا؟‘‘۔

جواب:۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مقدس شاگردوں کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

الف:۔’’اس نے ان سے کہا ان وقتوں اور میعادوں کا جاننا جنہیں باپ نے اپنے ہی اختیار میں رکھا ہے تمھارا کام نہیں‘‘۔(اعمال ۱ : ۷)۔

ب:۔’’لیکن اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ‘‘۔(متی ۲۴ : ۳۶)۔

ان دونوں مقامات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے

کیونکہ آپ نے علم قیامت کو صرف باریتعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو آپ اپنے آپ سے علم قیامت کی نفی نہ فرماتے۔

''یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لیے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں''۔ (متی ۸ : ۲۰، لوقا ۹ : ۵۸)۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس ''اللہ کے خزانے'' تو درکنار بلکہ ''مکان'' بھی نہ تھا اور آپ عالم الغیب بھی نہ تھے۔ تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جہالت وحماقت نے جو اعتراض آنحضرت ﷺ پر کیا ہے۔ وہی اعتراض حضرت مسیح علیہ السلام پر بھی وارد ہوتا ہے۔ پس یہ اعتراض صرف نبی پاک ﷺ سے نفرت وعداوت کا اظہار کرتا اور جہالت وحماقت پر مبنی ہے۔ ایسے میں موصوف کا حال اس طرح نظر آتا ہے۔

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں تصویر سنگ ہے

باقی رہی مایہ اور خزانہ کی بات تو دنیادار اور مالدار کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:۔

''اس جوان نے اس سے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے۔ اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے ؟۔ یسوع نے اس سے کہا اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے ۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آکر میرے پیچھے ہو لے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا۔ اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو''۔

(متی ۱۹ : ۲۰ تا ۲۴)۔

یہوداہ اسکریوتی بھی اس دولتمند نوجوان کی طرح دنیاوی خزانہ کا اس قدر حریص تھا کہ بقول انجیل متی اس ذلیل انسان نے یہودیوں سے صرف تیس ۳۰ روپے لے کر آپ کو پکڑوا دیا۔ آج بھی جو

لوگ مذہب کا لبادہ اوڑھکر جھوٹ وفریب سے دولت کماتے ہیں ان کا حشر مرنے کے بعد یہ ہوگا کہ:- ''خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے''۔ گویا کہ:-

سونے چاندی کی چمک بس دیکھنے کی بات ہے

چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے

اعتراض ۱۷:- ''کیا رائج الوقت انسانی کیتھولک رسم ورواج نے محمد عربی کو پاک مسیحی تثلیث غلط سمجھنے میں ساتھ نہ دیا۔ جو مریم کو خدا کی ماں کے طور پر مریم کی بھی پرستش کرتے تھے۔ جبکہ پاک سچی انجیل میں مریم کی پرستش کا حکم نہیں''۔

نوٹ:- (اس کے آگے ڈیڑھ انچ جگہ فوٹوسٹیٹ میں نہیں آئی چونکہ الفاظ غائب ہیں اس لیے ان کا جواب لکھنے سے مجبور ہیں۔ حسینی)

..........کیا گیا ہے۔ جس سے کسی کو بھی انکار نہیں مریم تو خود پاک انجیل (لوقا 1:46) میں اپنی ہی دعا میں یوں کہتی کہ (میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے اور میری روح میرے منجی خدا سے خوش ہوئی) اس پاک آیت کے مطابق تو منجی (نجات دہندہ) تو صرف مسیح یسوع ہے جس کی اس آیت کے مطابق مریم کو بھی ضرورت تھی!۔ کیا جس غلط تثلیث (باپ، بیٹا اور ماں) کا شکار کیتھولک لوگ ہو گئے تھے کیا اسی شدید غلطی کا شکار (اللہ، محمد اور قرآن) بھی نہ ہوئے؟ اور موجودہ تمام اسلامی دنیا بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں؟ جبکہ پاک تثلیث کا درست خیال تو (باپ، بیٹا اور روح القدس) ہے''۔

جواب:- بابوجی کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں فرقہ رومن کیتھولک، باپ، بیٹا اور ماں (اللہ تبارک تعالیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام) کو تثلیث میں شامل کرتا تھا۔ حالانکہ رومن کیتھولک کی بائبل کے آخر میں ''پاک نوشتوں کے چند مقامات'' کے تحت صفحہ ''ج'' پر یوں لکھا ہے کہ:-

''روح القدس''۔ یعنی اقدس ثالوث کا تیسرا اقنوم۔ خدا ہے''۔ پھر اس کے آگے لکھا ہے کہ:-

''وہ باپ اور بیٹے سے منبثق ہوتا ہے''۔

صفحہ ''ز'' پر حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کا اسم مبارک لکھ کر آپؑ کو تثلیث والوہیت میں بالکل شامل نہیں کیا گیا۔ فرقہ رومن کیتھولک کے اس انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رومن کیتھولک کے نزدیک باپ، بیٹا اور روح القدس تثلیث میں شامل ہیں مگر امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام نہیں۔ ہاں البتہ عرب میں بعض مسیحی فرقے آباد تھے جو آپؑ کو الوہیت وتثلیث میں شامل کرتے تھے۔ چنانچہ پادری جے علی بخش صاحب لکھتے ہیں:۔

''اس آیت میں شاید ان بدعتی مسیحیوں کی طرف بھی اشارہ ہو جو عرب میں مقدس مریم کی پرستش کرتے اور اسے ملکہ آسمان کہتے اور اسے روٹی چڑھایا کرتے تھے''۔

(تفسیر قرآن حصہ اوّل سورہ جن آیت ۳ صف ۱۱۶)۔

''اسی طرح عرب میں بعض بدعتی مسیحی فرقے مقدس مریم کو ملکہ آسمانی کہہ کر اس کو درجہ الوہیت میں شمار کرتے تھے''۔ (تفسیر قرآن حصہ اوّل تحت سورہ نمل: ۶:۷ صف ۱۶۱)۔

بہر حال اللہ تبارک تعالیٰ، آنحضرت ﷺ، قرآن مجید اور تمام مسلمان اس شدید غلطی میں کبھی بھی مبتلا نہیں ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک تثلیث پکا کفر ہے (المائدۃ: ۷۳) خواہ تثلیث میں تیسرا اقنوم ''روح القدس'' یا حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام ہوں؟ قرآن مجید الوہیت مسیح علیہ السلام کو بھی کفر قرار دیتا ہے (المائدۃ: ۷۲) الغرض اسلام تثلیث سے کسی غلطی یا شدید غلطی کا مرتکب نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ رب العزت نے ان دونوں عقیدوں اور الوہیت مسیح علیہ السلام کو کفر قرار دیا ہے۔ اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مقدس شاگردوں کو یہ تعلیم نہیں دی چنانچہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:۔

مسیحؑ نے تثلیث کی نہیں بلکہ صرف توحید کی تعلیم دی تھی

(۲) (۱)

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا

ہے جانیں''۔(یوحنا ۱۷ : ۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خط کشیدہ الفاظ نمبر ا میں بلا اقنوم اللہ ربّ العزت کو''خدائی واحد اور برحق''فرمایا اور خط کشیدہ الفاظ نمبر ۲ میں اپنے آپ کو باریتعالیٰ کا''رسول''قرار کیا۔اور لفظ ''جانیں''سے اس بات کا اظہار فرمایا کہ اسی تعلیم پر عقیدہ رکھیں۔پس آپؑ کی یہ تعلیم بالکل صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے۔کہ''خدا تعالیٰ''ہر اقنوم سے مبّرا، منزّہ اور برحق ہے۔اور آپؑ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں شریک وسہیم نہیں بلکہ آپ اللہ تبارک وتعالیٰ کے''رسول''ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے باریتعالیٰ کی توحید کو دوسری جگہ پر بلا اقنوم، بلا سہیم اور بلا شریک یوں ارشاد فرمایا:۔

''اور فقیہوں میں سے ایک نے ان کو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا ہے۔وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اوّل کون سا ہے؟یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اَے اسرائیل سُن۔خُداوند ہمارا خُدا ایک ہی خُداوند ہے۔اور تُو خُداوند اپنے خُدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں۔

(۲) (۱)

فقیہ نے اس سے کہا اَے استاد بہت خوب!تُو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا اور کوئی نہیں۔اور اس سے سارے دل اور ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔جب

(۳)

یسوع نے دیکھا کہ اُس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا تو خدا کی بادشاہی سے دُور نہیں اور پھر کسی نے اس سے سوال کرنے کی جرات نہ کی''۔(مرقس ۱۲ : ۲۸ تا ۳۴)۔

مندرجہ بالا مقام سے تین باتیں صاف صاف ظاہر ہوتی ہیں کہ:۔

الف :- یہ فقیہہ یہودی تھا۔

ب :- تثلیث کا منکر تھا۔

ج :- اور اسی تعلیم توحید کا قائل تھا جسے حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یوں ارشاد فرمایا تھا:-

'' سُن اے اسرائیل! خُداوند ہمارا خُدا ایک ہی خُداوند ہے''۔ (استثنا ٦ : ۴)۔

یاد رہے کہ یہی تعلیم توحید یہودیوں کا کلمہ ہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی اسی تعلیم توحید کو فقیہہ کے سامنے دُہرایا تھا:-

'' اَے اسرائیل سُن ۔ خداوند ہمارا خُدا ایک ہی خُداوند ہے''۔ (مرقس ۱۲ : ۲۹)۔

فقیہہ نے اسی تعلیم توحید کی تعریف اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تائید خط کشیدہ الفاظ نمبر ۱ میں کی اور خط کشیدہ الفاظ نمبر ۲ میں تعلیم توحید کو وضاحت سے بیان کیا۔ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس بلا اقنوم تعلیم توحید کو خط کشیدہ الفاظ نمبر ۳ میں '' دانائی'' قرار دیا۔ پس یہ بات خوب روشن و منوّر ہوگئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے مقدس شاگردوں کو بلا اقنوم توحید کی تعلیم فرمائی تھی نہ کہ تین اقنوم والی تثلیث کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپؑ کے رفع جسمانی کے بعد آپؑ کے مقدس شاگردوں نے لوگوں کو کیا تعلیم دی تھی؟ تو ملاحظہ فرمایئے:-

'' اور وہ ہیکل میں اور گھروں میں ہر روز تعلیم دینے اور اس بات کی خوشخبری سنانے سے کہ یسوع ہی مسیح ہے باز نہ آئے۔'' (اعمال ۵ : ۴۲)۔

اس مقام سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے ک مقدس شاگردوں نے تثلیث کی تعلیم بالکل نہیں دی ، پادری ایم ، ایچ ، فن لے صاحب بھی اس حقیقت کے معترف چنانچہ آپ لکھتے ہیں:-

'' البتہ غور کیجیے کہ رسولوں نے بطور عقیدہ اس کی منادی نہیں کی اور نہ مسئلہ تثلیث کو مرتب کرنے کی سعی فرمائی''۔ (تحقیق حق صف ۴۹)۔

جبکہ مسیحی دنیا میں ایمان کا دارومدار اور انحصار تثلیث پر، اس کا منکر کافر اور دوزخی ہے تو اس بات

کے پیش نظر یہ بات نہایت ہی قابل غور اور سوچنے کے لائق ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مقدس شاگردوں نے مسئلہ تثلیث کی تبلیغ واشاعت اور اسے مرتب کیوں نہ کیا؟ ان کے اس فعل سے اس حقیقت کا برملا اظہار ہوتا ہے کہ چونکہ انہوں نے اس تعلیم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے نہ سنا اور نہ پڑھا تھا۔ اور ان کے زمانے میں مسئلہ تثلیث کا وجود ہی نہ تھا اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کی نہ تبلیغ کی اور نہ اسے مرتب کیا۔ الغرض مسئلہ تثلیث مقدس شاگردوں کے زمانہ کے بہت بعد کی پیداوار ہے۔

کئی مسیحی فرقے تثلیث کے منکر ہیں

حضرت مسیح علیہ السلام کے مقدس شاگردوں کے بہت بعد جس زمانہ میں تعلیم تثلیث کا آغاز ہوا تو اس وقت سے لیکر آج تک بعض مسیحی فرقے اس کا بالکل انکار کرتے آئے ہیں چنانچہ پادری لوئیس ھاف صاحب بی، ڈی اس بات کا اقرار کرتے ہیں:۔

''ابتدائی کلیسیا میں چند ایسے فرقے تھے جنہوں نے بیٹے کی الوہیت (اُلوہیت مسیح: حسینی) کا انکار کیا۔ آجکل بھی فلسفہ انسانیت کے پیروی کرنے والے اہل توحید (**Unitarians**) اور بہت سے علماء جو جدید خیال کے ہیں یہ کہتے ہیں کہ بیٹا الوہیت نہیں رکھتا۔'' (مسیحی علم الٰہی کی تعلیم صفہ ۱۳۳)۔

غور فرمایئے کہ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس دن سے تعلیم تثلیث کو وضع کیا گیا ہے اسی دن سے لیکر آج تک اس کے خلاف مسیحی فرقے بیان دیتے آئے اور تعلیم توحید پر عمل پیرا اور گامزن ہیں۔ ہمارے اس دور میں ایک مسیحی فرقہ ''یہوواہ وٹنس'' بھی ہے اس کا تثلیث کی بابت یہ عقیدہ ہے:۔

''۱۳۔عبرانی انبیاء اور کرسچن رسول (حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مقدس شاگرد۔حسینی) اس عقیدہ کو نہیں جانتے تھے۔ دی نیو کیتھلک انسائیکلوپیڈیا (۱۹۶۷ کا اڈیشن جلد **XIV** صفحہ ۳۰۶) یہ تسلیم کرتا ہے کہ ''پاک تثلیث کے عقیدہ کی تعلیم پرانے عہدنامہ میں نہیں ملتی'' وہ یہ بھی مانتا ہے کہ

اس عقیدہ کی ابتدا یسوع مسیح کی موت کے تقریباً تین سو پچاس برس کے بعد ہوئی تھی۔ چنانچہ ابتدائی مسیحی جنہوں نے یسوع مسیح سے براہ راست تعلیم پائی تھی وہ یہ نہیں مانتے تھے کہ خُدا ایک ''تثلیث'' ہے''۔ (سچائی جو باعث ابدی زندگی ہے صفہ ۲۲،۲۳)۔

اب تو یہ حقیقت درخشاں وتاباں اور یہ صداقت خوب چمک اور دمک اٹھی کہ حضرات انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام تثلیث کو نہ جانتے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مقدس شاگرد تثلیث کو نہ مانتے تھے۔ چونکہ مسئلہ تثلیث حضرت مسیح علیہ السلام اور آپ کے مقدس شاگردوں کے بہت بعد وضع کیا گیا ہے اس لئے یہ آسمانی اور الہامی نہیں۔

مسیحی فرقہ ''یہوواہ وٹنس'' تثلیث کی بابت کہتا ہے:۔

''۱۹۔ پس ''تثلیث'' کی بابت حقیقتیں کیا روشن کرتی ہیں؟ خُدا کے کلام بائبل میں نہ تو یہ لفظ اور نہ ہی اس کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی بابت ابتداخدا سے نہیں ہوئی۔ لیکن آپکو یہ جاننے میں دلچسپی ہوگی کہ سر، ای، اے، والس بج کی کتاب بابلونین لائف اینڈ ھسٹری کی ۱۹۲۵ ایڈیشن کے صفحات ۱۴۶، ۱۴۷ کے مطابق قدیمی بابل میں غیر قوم لوگ ایسی چیز میں ایمان رکھتے تھے۔ دراصل وہ معبودوں کی ایک سے زیادہ تثلیثوں کی پرستش کرتے تھے۔''

(سچائی جو باعث ابدی زندگی ہے۔ صفہ ۲۵)۔

غور فرمایئے کہ یہ مسیحی فرقہ اس حقیقت کا بابانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ لفظ تثلیث اور اس کا تصور بائبل میں نہیں پایا جاتا اور اسے غیر قوم لوگوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ایسے ہی اور بھی مسیحی فرقے ہیں جو تثلیث کے منکر ہی۔ پس ان حقائق کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ، صاحب لولاک رسول پاک ﷺ اور قرآن پاک تثلیث کی بابت غلطی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ اہل تثلیث ہی خطرناک اور شدید غلطی پر ہیں۔

''تثلیث کیا ہے؟''۔ کے عنوان کے تحت پادری ایم، ایچ، فن لے صاحب رقمطراز ہیں:۔

''بائبل مقدس تعلیم دیتی ہے کہ خُدا ایک میں تین ہے۔ ایک قادرِ مطلق ذات جس میں

تین اقنوم ہیں جنہیں باپ، بیٹا اور رُوح القدس کہتے ہیں ''۔(تحقیق حق صف ۳۸)۔

تثلیث کا ذکر بائبل میں نہیں ملتا

پادری فن لے صاحب نے تثلیث کی جو تعریف کی اور اسے مقدس بائبل کی طرف منسوب کیا اور اسے بائبل کی تعلیم قرار دیا ہے۔ یہ صریحاً جھوٹ ہے کیونکہ بائبل کی پہلی کتاب ''پیدائش'' کی پہلی آیت سے لیکر بائبل کی آخری کتاب ''یوحنا عارف کا مکاشفہ'' کی آخری آیت تک تثلیث کی جو تعریف خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے یہ ہرگز ہرگز اور یقیناً بائبل میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ صداقتِ تثلیث پر بائبل ساتھ نہیں دیتی اور مسیحی علماء کا دامن دلیل سے خالی ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اَے خدا!
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اعتراض ۱۸:- ''کیا ایسی غلطی کی یہ وجہ بھی نہ تھی، کہ محمد عربی کے وقت میں توریت اور انجیل کا عربی میں ترجمہ موجود نہ تھا اور محمد ان پڑھ ہوتے ہوئے عبرانی اور یونانی زبانوں میں انجیل کو بھلا کیسے پڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔''

جواب:- اعتراض ۱۷- کے آخری الفاظ یہ ہیں:-'' جبکہ پاک تثلیث کا درست خیال تو (باپ، بیٹا اور روح القدس) ہے''۔ اردو لغت میں ''خیال'' کے کئی معنی ہیں۔ بہر حال تثلیث مسیحی لوگوں کا ''خیال'' ہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ''حکم مبارک'' نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ''حکم مبارک'' اور مسیحی لوگوں کے ''خیال'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کسی صاحب علم سے سمجھ لے۔ الغرض تثلیث فرمان الٰہی اور تعلیم عیسوی نہیں بلکہ بقول بابو جی ''خیال'' ہے۔

(۱) (۲) (۳)

رگ گل، خاک پروانہ، عرق شبنم سے
اس نے ترکیب تو سوچی تھی پر دل نہ بنا

رسول پاک ﷺ کو ان کتابوں کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ وحی الٰہی کے پابند تھے۔ اور یہی وحی آپ کو کافی تھی۔

اعتراض: ۔''اور کیا آج بھی مسلمان ایسی ہی مشکل میں نہیں کہ وہ پاک انجیل کو پڑھنے لکھنے کا علم رکھتے ہوئے بھی نہیں پڑھتے اور سچائی سے ناواقف اور محروم ہیں''۔

جواب: ۔''اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ'' ط۔ (الزمر:۲۲)

(بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ نور میں ہے اپنے رب کی طرف سے)

الحمدللہ! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم اہل اسلام کا سینہ دین اسلام پر ایمان و یقین لانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کھول دیا ہے۔ چونکہ یہ خوش قسمت اور نیک بخت انبوہ کثیر اور جم غفیر باریتعالیٰ کے نور، روشنی اور اجالے میں ہے اس لیے وہ کسی ضلالت وظلمت کی طرف منہ نہیں کرتا۔ اور اللہ پاک کی غلامی میں جکڑا ہوا ہے۔ اور اعتراض ۱۵، میں اس بات کا اعتراف بھی کیا گیا ہے۔

اعتراض ۱۹: ۔''جبکہ ایک اللہ، ایک نبی اور ایک قرآن کے پیش نظر اسلام کی ایک ہی قوم میں ایک ہی فرقہ ہونا چاہیے تو پھر اسلام میں **74** سے زائد فرقے کہاں سے آموجود ہوئے؟''۔

جواب: ۔ پادری برکت اللہ صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں:۔

''اگر چہ دور حاضرہ میں مسیحیت بیسیوں فرقوں پر مشتمل ہے''۔

(اسرائیل کا نبی یا جہان کا منجی صف ۱۱۵)۔

جبکہ مسیحی دنیا میں ایک باپ، ایک بیٹا، ایک روح القدس اور ایک عہد جدید کے پیش نظر مسیحیت کی ایک ہی قوم میں ایک ہی فرقہ ہونا چاہیے تو پھر مسیحیت میں بیسیوں فرقے کہاں سے آموجود ہوئے؟۔

یہودیوں کا کلمہ:۔''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے''۔

(استثناء ۶ : ۴)۔

مسیحیوں کا کلمہ:۔''اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے''۔

(مرقس ۱۲ : ۲۹)۔

صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد نہیں بلکہ آپؑ کے مقدس شاگردوں کے بہت بعد

مسیحیوں کا کلمہ:۔''باپ، بیٹا اور والدہ (امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام)۔

اسے مسیحی دنیا میں تثلیث یا ثالوث کہا جاتا ہے۔

مسیحیوں کا کلمہ:۔''باپ، بیٹا اور روح القدس'' (ایک نادیدنی روح)۔

اہل اسلام کا کلمہ:۔'' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط''

(اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

حضرت محمد ﷺ اللہ پاک کے رسول ہیں)۔

گو اہل اسلام کے کئی فرقے ہیں مگر کسی فرقہ نے اس کلمہ پاک کو نہیں بدلا بلکہ چودہ سو سال سے اسی طرح ہے۔ مگر عیسائیوں نے اپنے کلمہ کو دو مرتبہ بدلا ہے۔ جبکہ مسیحی مذہب میں ایک خدا، ایک مسیح اور ایک عہد جدید ہے تو پھر عیسائیوں میں باریتعالیٰ کی بابت یہ تین عقیدے کہاں سے آموجود ہوئے؟۔

جو جلاتا ہے کسی کو خود بھی جلتا ہے ضرور
شمع بھی جلتی رہی پروانہ جل جانے کے بعد

اعتراض ۲۰:۔''قرآن میں کیونکر پانچ یا پچاس نمازوں کی ترتیب وطریقہ کا ذکر نہیں۔ جبکہ نماز اسلام کا ایک اہم ستون ہے؟ مگر اس ستون کا بنیاد قرآن میں نہیں!''۔

جواب:۔ پانچوں نمازوں کی فرضیت قرآن پاک سے ثابت ہے۔ باقی رہا ان کے ادا کرنے کا

طریقہ تو آنحضرت ﷺ نے جس طریقہ سے ان نمازوں کو ادا فرمایا یہ طریقہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ہم اسی طریقہ سے یہ نمازیں ادا کرتے ہیں۔کیونکہ ہمیں یہ فرمان مبارک ملا ہے۔

''**فَاتَّبِعُونِی**'' (پس میری اتباع کرو۔ال عمران:۳۱)۔

جبکہ موجودہ عیسائیت میں تثلیث (باپ، بیٹا اور روح القدس) پر ایمان لانا فرض، اس کا منکر کافر اور دوزخی ہے اور تثلیث کی تعریف یہ ہے۔

''خدا ایک میں تین ہے۔ایک قادر مطلق ذات جس میں تین اقنوم ہیں جنہیں باپ، بیٹا اور روح القدس کہتے ہیں''۔(تحقیق حق صف ۳۸)۔

جبکہ یہ عقیدہ مسیحیت کا ستون ہے تو اس ستون کی بنیاد یعنی تثلیث کا لفظ اور اس کی تعریف بائبل میں کیوں نہیں؟

نیز ''روح'' القدس صرف ''باپ'' سے صادر ہے:۔''سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے''۔(انجیل یوحنا ۱۵ : ۲۶)۔

مگر مسیحی کلیسیا کا عقیدہ یہ ہے کہ ''باپ اور بیٹا'' دونوں سے ''روح القدس'' صادر ہے چنانچہ پادری ولیم جی، ینگ صاحب لکھتے ہیں:۔

''مسیح خدا سے خدا ہے''۔اور روح القدس ''باپ اور بیٹے سے صادر ہے''۔

(رسولوں کے نقش قدم پر صف ۲۲۱)۔

جبکہ مسیحی کلیسیا کا وہ عقیدہ جو خط کشیدہ الفاظ میں موجود ہے۔مگر انجیل میں کیوں مفقود ہے؟۔

مختلف اعتراضات کے جوابات

اعتراض ۲۱:۔''جانور ذبح کرنے کی بابت معلوم نہیں ہو پاتا کہ کس طرح اور کس جگہ سے اور کس قدر کاٹا جائے''۔

جواب:۔''ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے تیز چھری ہاتھ میں

لے کر **بسم اللہ اللہ اکبر** کہہ کے اس کے گلے کو کاٹے یہاں تک کہ چار رگیں کٹ جائیں۔ایک نرخرہ جس سے سانس لیتا ہے۔دوسری وہ رگ جس سے دانہ پانی جاتا ہے۔اور دو شہ رگیں جو نرخرہ کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔اگر ان چار میں تین ہی رگیں کٹیں تب بھی ذبح درست ہے اس کا کھانا حلال ہے اور اگر دو ہی رگیں کٹیں تو وہ جانور مردار ہو گیا اس کا کھانا درست نہیں''۔ (بہشتی زیور تیسرا حصہ)۔

نیز لبّہ اور لحیین کے درمیان سے ذبح کریں۔دیکھو (شامی کتاب الذبائح)۔

اعتراض ۲۲:۔''عورتوں کے حیض (ماہواری) کے دنوں کی تعداد کتنی؟ عورت کب اپنے خون کے آیام کے کتنے دنوں کے بعد پاک خیال کی جاسکے''؟

جواب:۔کم از کم تین دن تین رات۔زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات تک۔

اعتراض ۲۳:۔''ختنہ کرنا چاہیے یا نہیں اور اگر کرنا ہو تو کب کیا جائے اور کس موقعہ پر اور کس طرح اور کیا لڑکے اور لڑکی دونوں کا؟''۔

جواب:۔لڑکا کا ختنہ سنت ہے اس وقت کیا جائے جب قوت برداشت پیدا ہو جائے کھال اتنی اتاری اور کاٹی جائے کہ حشفہ ظاہر ہو جائے۔لڑکی کا ختنہ سنت نہیں۔

اعتراض:۔(کیونکہ اسلام میں مردانہ ختنہ تو یہودیوں کی صاف صاف نقل ہے)۔

جواب:۔ختنہ کرانا اللہ تعالیٰ کا ابدی حکم ہے (پیدائش ۱۷ : ۱۰ تا ۱۴) چونکہ یہ حکم ابدی ہے۔اس لیے یہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔نیز سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (پیدائش ۱۷:۲۳ تا ۲۷)۔یہ یہودیوں کی نقل نہیں کیونکہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں یہودی ہرگز ہرگز نہ تھے۔اگر بالفرض محال کوئی اس بات پر بضد ہو کہ یہ یہودیوں کی نقل ہے تو عہد قدیم کو ماننا بھی یہودیوں کی نقل ہے نیز ختنہ نہ کرانا بھی مشرکوں،بت پرستوں اور

کافروں کی نقل ہے کیونکہ یہ لوگ ختنہ نہیں کراتے۔

اعتراض:۔"اسلام کے فرقے تو آپس میں لڑکیوں اور عورتوں کے ختنے پر الجھے نظر آتے"؟

جواب:۔جبکہ اسلام میں لڑکی کا ختنہ کرانا سنت نہیں تو وہ کون سے اسلام کے فرقے ہیں جو اس میں الجھے نظر آتے ہیں ان فرقوں کے نام کیوں نہیں لکھے گئے؟۔
زیادہ سے زیادہ اس مسئلہ کو فروعی اختلافی مسئلہ تو کہا جا سکتا ہے مگر اس پر کفر کا فتویٰ جاری نہیں ہوگا۔اس طرح کے فروعی اختلافی مسائل ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً عشائے ربانی، خمیر روٹی یا بُھنے ہوئے چنوں کی روٹی کھانے کا مسئلہ۔ان مسائل کے علاوہ مسیحی مذہب میں تو مسیحی لوگ مسئلہ "تثلیث" پر الجھے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ یہ مسئلہ فروعی نہیں بلکہ اصولی ہے اور اس پر ایمان اور نجات کا دارومدار ہے۔

آپ منجدھار کی بات کرتے ہیں
لوگ ساحل پہ ڈوب جاتے ہیں

اعتراض ۲۴:۔"کیونکر قرآن ،اعلیٰ روحانی اصولوں (توریت ،زبور اور انجیل کی پاک تعلیمات کی پیروی، یسوع مسیح کے وسیلہ سے گناہوں سے معافی ،ابدی نجات ،آسمانی کفارہ کی ضرورت۔"

جواب:۔قرآن کریم اور فرقان حکیم کے اعلےٰ وارفع ،افضل واکمل ،نورانی اور روحانی اصولوں کا یہ عالم ہے کہ آج بھی زمانہ اس حقیقت وصداقت کا معترف ہے چنانچہ امریکہ ،برطانیہ، ڈنمارک ،فرانس اور ہالینڈ جو کہ عیسائیت کے مراکز ہیں ان میں اسلام بغیر مادی ہتھیاروں اور سہاروں سے صرف اپنی روحانی قوت ،محض اپنی نورانی طاقت کی تاثیر وکشش سے بڑی جراءت اور سرعت سے پھیل رہا ہے۔آجکل امریکہ میں اسلام دوسری بڑی قوت وطاقت ہے۔ایسے مقامات پر نور زیادہ چمکتا ہے۔ایسی خبریں اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔اب اگر کوئی انسان

آنکھیں بند کر کے ان صداقت بھرے حقائق کا انکار کر دے تو اسکا کوئی علاج و درماں نہیں۔ ویسے علم و عقل اور انصاف و عدل کی دنیا میں اسے ضد اور تعصب کہا جائیگا۔

تورات، انجیل اور قرآن مجید میں زنا نہ کرنے کے متعلق حکم

عربی تورات کہتی ہے کہ:-''لاتزنِ''(تُو زنا نہ کر۔استثناء۵ : ۱۸)-

انجیل کہتی ہے کہ:-''تُم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا۔لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنّم میں نہ ڈالا جائے۔''(انجیل متی ۵ : ۲۷تا۲۹)-

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:-

''وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا۔(بنی اسرائیل:۳۲)-

(''اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ ہے۔'')-

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بُری نظر سے غیر محرم عورتوں کو دیکھے گا قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائیگا۔اوکما قال النبی ﷺ-

غور فرمایئے کہ قرآن پاک اور تورات کے طرزِ بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے:-

الف:-قرآن کریم نے''وَلَا تَقْرَبُوا''میں ایسی ان تمام باتوں اور کاموں سے دور رہنے کیلئے ارشاد فرمایا جو زنا کا سبب بن سکتے ہوں۔

ب:-فرقان حکیم نے''زنا''کو''فاحشہ''(بے حیائی) قرار دیکر انسان میں زنا سے کراہت ونفرت پیدا فرمادی۔گویا کہ زنا اللہ ربُّ العزّت کی رحمت اور انسانیت سے دُور، بہت دُور ہے۔ اور انسان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

ج:-قرآن پاک نے "زنا" کو "سَآءَ سَبِيْلًا" (بُری راہ) فرما کر انسان کی غیرت کو ہوشیار اور بیدار فرمادیا کیونکہ اگر آج کوئی انسان کسی کی ماں، بہن، بیوی یا لڑکی سے زنا کریگا تو کل کو اس کی ماں، بہن، بیوی یا لڑکی کے ساتھ کوئی زنا کریگا۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا، اور ایک بھینس سارے تالاب کو گندہ کر دیتی ہے۔ زنا سے بُرا راستہ کھلیگا اور شرافت کا ماحول بگڑ جائیگا۔ نیز آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب زنا ہوگا تو انسانوں کے قتل کا بازار گرم ہو جائیگا۔ اوکما قال النبی ﷺ۔

الحاصل قرآن کریم اور فرقان حکیم نے اپنے نرالے طرز اور اچھوتے بیان سے تورات وانجیل کے بیانات پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کتابیں ایسے طرز بیاں سے بالکل خالی ہیں۔ اور قرآن پاک کے سارے نورانی اور روحانی اصول اعلےٰ، ارفع، افضل اور اکمل ہیں بس ان کو دیکھنے کیلئے عقیدت وبصیرت کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہر نبی کی امت اپنے نبی کی اتباع اور وسیلہ سے گناہوں سے معافی اور ابدی نجات حاصل کرتی ہے بالکل اسی طرح ہم اہل اسلام بھی ہادیِ دوجہان اور نبی آخر الزمان ﷺ کی اتباع اور وسیلہ سے گناہوں کی معافی اور ابدی نجات حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید اس حقیقت کو بارہا مرتبہ ارشاد فرماتا ہے ان میں سے دو فرمان مبارک یہ بھی ہیں:-

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ." (البقرۃ:۸۲)

(اور جو یقین لائے، اور عمل کئے نیک، وہ لوگ ہیں جنت کے۔ وہ اسی میں رہ پڑے۔)

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔" (النسا:۱۲۲)۔

(اور جو یقین لائے اور عمل کئے نیک، ان کو ہم داخل کرینگے باغوں میں، جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ اور اللہ سے سچی کس کی بات۔)

گو قرآن پاک میں اہل اسلام کی گناہوں سے معافی اور نجات ابدی کی اور بھی بہت سی آیات مبارکہ ہیں مگر اس جگہ صرف ۲ ہی کو نقل کیا گیا ہے۔ اگر اب بھی کوئی یہ کہے کہ قرآن کریم گناہوں سے معافی اور نجات ابدی کے ذکر سے محروم ہے تو وہ انسان قرآن کریم پر بہتان عظیم لگاتا اور جھوٹ وفریب کا مظاہرہ کرتا ہے۔

کیا کفارہ مسیحؑ صحیح ہے؟

باقی رہے مسیحی مبشر کے یہ الفاظ کہ "آسمانی کفارہ کی ضرورت"۔ تو مسیحی علماء اس مسئلہ کی بنیاد اس طرح رکھتے ہیں۔ کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام اور امی جان حضرت حوا علیہا السلام کو اس درخت کے پھل کھانے کو منع فرمایا تھا جو جنت کے بیچ تھا۔ مگر ان دونوں نے وہ پھل کھا لیا۔ تو اس سے دونوں نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور دونوں گناہ گار ہو گئے (پیدائش ۳ : ۱ تا ۱۹) اور وہ گناہ موروثی طور پر اولاد آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ پس تمام انسان گناہ گار ٹھہرے تو آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو جو معصوم تھے دنیا میں اسلئے بھیجا کہ تمام انسانوں کے اس موروثی گناہ کا کفارہ دیں۔ پس آپؑ نے صلیب پر چڑھکر اس موروثی گناہ کا تمام انسانوں کیلئے کفارہ دے دیا پس موروثی گناہ ختم ہوا۔ مسیحی علماء کے اس بیان پر بہت سی ایسی معقول باتیں تحریر کی جا سکتی ہیں جو کہ کفارہ کو صحیح ثابت نہیں ہونے دیتیں۔ مگر اس جگہ صرف گیارہ باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

۱:۔ جب دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سزا دی کہ "مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا"۔ (پیدائش ۳ : ۱۷) اور امی جان حضرت حوا علیہا السلام کو یہ سزا ملی کہ "تو درد کے ساتھ بچے جنے گی"۔ (پیدائش ۳ : ۱۶)۔ جبکہ دونوں نے اس درخت کا پھل کھایا اور دونوں کو اس کی سزا مل گئی۔ تو پھر ٹھنڈے دل، کامل عقل اور عدل سے اس بات پر توجہ فرمایئے کہ موروثی گناہ کیسے اولاد کو ملا؟ نیز"

جو جان گناہ کرتی ہے وہی مریگی۔ بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لیے''۔

(حزقی ایل ۱۸ : ۲۰، ۲۱)۔

پس مطلع صاف اور بے غبار ہے کہ موروثی گناہ والی بات، حقیقت نہیں بلکہ افسانہ ہے۔

۲:۔ جبکہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کی سزا ''مشقت'' اور امی جان حضرت حوا علیہا السلام کو پھل کھانے کی سزا ''دردزہ'' ملی۔ تو بقول مسیحی علماء جب حضرت مسیح علیہ السلام نے کفارہ دے دیا۔ تو اب مسیحی لوگ ''مشقت'' سے کیوں روٹی کماتے اور مسیحی عورتوں کو بچہ جننے کے وقت ''دردزہ'' کیوں ہوتا ہے؟ یہ بات تو دلیل کی محتاج نہیں کہ جب مرض کا صحیح علاج ہو جائے تو مرض باقی نہیں رہتا۔ اب جبکہ یہ دونوں چیزیں مسیحی مردوں اور مسیحی عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ تو ان سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ نہیں ہوا۔

۳:۔ اہل علم و دانش کے نزدیک دنیا میں چار قسم کی مخلوقات مشہور و معروف ہے۔

اوّل:۔ جمادات۔ دوم:۔ نباتات۔

سوم:۔ حیوانات۔ چہارم:۔ اشرف المخلوقات (انسان)

دانشور لوگ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ''جمادات'' سے ''نباتات'' افضل، ''نباتات'' سے ''حیوانات'' افضل اور ''حیوانات'' سے ''انسان'' افضل ہے۔ ''اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا''۔ (پیدائش ۱ : ۲۷)۔

تورات کا یہ مقام انسان کے اشرف المخلوقات اور افضل ہونے پر دالّ ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی کی خطا کی وجہ سے کوئی دوسرا انسان قربان ہوا ہے؟ تو ملاحظہ فرمایئے!

تورات میں خطا کی قربانی کے لیے ''بچھڑا''۔ (خروج ۲۹ : ۱۴)۔

تورات میں خطا کی قربانی کے لیے۔ ایک ''بھیڑ'' یا ''بکری''۔ (احبار ۵ : ۶)۔

تورات میں خطا کی قربانی کے لیے ایک ''مینڈھا'' ۔(احبار ۵ : ۱۸)۔

آدمی کی جان کا کفارہ اس کا مال ہے ۔(امثال ۱۳ : ۸)۔

بائبل کے چاروں مقامات سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

اوّل :- یہ کہ جس سے گناہ ہو وہی قربانی دے۔

دوم :- یہ کہ قربانی حلال حیوانات میں دے۔

سوم :- یہ کہ انسان کی جان کا کفارہ اس کا مال ہے۔

اس جگہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ تو بائبل اس سوال کا یہ جواب دیتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے ''اعلیٰ'' (''اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ۔پیدائش ۱ : ۲۷'') ہے۔ قربانی کے جانور اور مال ''ادنیٰ'' ہیں ۔جبکہ بائبل نے اس بات کی ببانگ دہل شہادت دے دی کہ ''اعلیٰ'' پر ''ادنیٰ'' قربان ہوتا ہے۔ مگر ''ادنیٰ'' پر ''اعلیٰ'' قربان نہیں ہوتا۔ تو بائبل کے اس فلسفہ قربانی کے پیش نظر حضرت مسیحؑ پر آپؑ کی ''امت'' قربان ہوگی کیونکہ حضرت مسیحؑ ''اعلیٰ'' اور آپؑ کی امت ''ادنیٰ ہے۔ مگر امت پر حضرت عیسیٰؑ قربان نہیں ہونگے کیونکہ آپؑ کی امت ادنیٰ اور آپؑ اعلیٰ ہیں۔ نتیجہ یہ کہ بائبل سے جو فلسفہ قربانی ظاہر ہوتا ہے اس کے پیش نظر ''کفارہ مسیحؑ'' صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نور نظر سیدنا حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کیا تھا تو یہ بات یاد رہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ، اللہ رب العزت پر قربان ہوئے اور یہ قربانی بالکل صحیح، بجا اور درست تھی کیونکہ ''باریتعالیٰ'' حضرت اسمٰعیلؑ سے ''اعلیٰ'' اور حضرت اسمٰعیلؑ، باریتعالیٰ سے ادنیٰ تھے اس کے آگے یہ بھی تو ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ ''مینڈھا'' قربان ہوا تھا۔ چونکہ حضرت اسمٰعیلؑ مینڈھا سے اعلیٰ تھے اور مینڈھا آپؑ سے ادنیٰ تھا اس لیے آپؑ کی جگہ مینڈھا قربان ہوا۔ مگر یہاں الٹی گنگا بہتی ہے کہ ''اعلیٰ''، ''ادنیٰ'' پر قربان۔ اس علم کا کیا کہنا اور اس عقل کا کیا کہنا !!۔

۴:- مسیحی علما کے اس دعوٰی کی تصدیق بائبل سے یقیناً نہیں ہوتی کہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام گناہ گار تھے۔

استغفر اللہ معاذ اللہ مگر صرف حضرت عیسیٰؑ ہی معصوم ہیں۔

تورات کہتی ہے کہ ''اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا'' (پیدائش ۵ : ۲۴)

خط کشیدہ الفاظ کا مطلب معصوم ہونا ہی ہے۔

''نوح مرد راستباز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا اور نوح خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا'' (پیدائش ۶ : ۹)۔

''عُوض کی سرزمین میں ایوب نام ایک شخص تھا۔ وہ شخص کامل اور راستباز تھا اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا''۔ (ایوب ۱ : ۱)۔

''اور وہ دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے سب احکام وقوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے''۔ (لوقا ۱ : ۶، ۷)۔

اس جگہ یہ کہنا کہ جب حضرت جبریلؑ نے سیدنا حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ (یوحنا) کی بشارت دی تو آپؑ کو شک پڑ گیا اس شک کی وجہ سے آپؑ معصوم نہ رہے (لوقا ۱ : ۱۸) تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ یہ شک تو امی جان حضرت مریم صدیقہؑ کو بھی پڑ گیا تھا۔ جب آپؑ کو جبریلؑ نے آپؑ کے ہاں نورِ نظر کی بشارت دی تھی۔ ''مریم نے فرشتہ سے کہا یہ کیونکر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟'' (لوقا ۱ : ۳۴)۔ اور یہ شک تو امی جان حضرت سارہ علیہا السلام کو بھی پڑ گیا تھا۔ ''تب سارہ نے اپنے دل میں ہنس کر کہا کیا اس قدر عمر رسیدہ ہونے پر بھی میرے لئے شادمانی ہو سکتی ہے حالانکہ میرا خاوند بھی ضعیف ہے؟۔ پھر خداوند نے ابرہام سے کہا کہ سارہ کیوں یہ کہکر ہنسی کہ کیا میرے جو ایسی بڑھیا ہو گئی ہوں واقعی بیٹا ہوگا؟۔'' (پیدائش ۱۸ : ۱۲، ۱۳)۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ شک نہ بلکہ بتقاضاءِ بشریت حیرانی تھی۔ اگر بالفرض محال اسے شک بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی جس طرح امی جان حضرت سارہ علیہا السلام اور امی جان حضرت مریم صدیقہ

علیہاالسلام کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں پڑتا بالکل اسی طرح اللہ ربّ العزت کے نبی حضرت زکریاہ علیہ السلام کی پاکدامنی میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔نیز حضرت زکریاہ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو تو کوئی شک نہیں پڑا تھا اس لئے ان کا راستباز اور بے عیب ہونا تو ثابت و ظاہر ہے۔باقی رہا سیّدنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بابت معصومیت کا دعویٰ تو اس کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے! حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی بابت ارشاد فرمایا کہ:-

''اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جارہا تھا تو ایک شخص دَوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا کہ اے نیک استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟۔یسوع نے اس سے کہا تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا''۔(مرقس۱۰ : ۱۷ ، ۱۸)-

جناب پولوس حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت لکھتے ہیں کہ:-

''اس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کرسکی وہ خُدا نے کیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا''

(رومیوں۸ : ۳)-

چونکہ عہد جدید سے یہ دعویٰ بھی ثابت نہیں ہوتا۔پس کفارہ کی بنیاد صحیح نہیں۔

۵:-''عہد قدیم'' کی کتابوں سے جو دلائل کفارہ کی صداقت پر پیش کیے جاتے ہیں۔انہیں ذرا یہودی علماء کے سامنے پیش کر کے دیکھا جائے کہ وہ ان دلائل کی بابت کیا کیا سناتے ہیں؟۔نیز ہمارے نزدیک ''عہد قدیم' حُجت نہیں کیونکہ اس میں انسانی ہاتھ کا بہت عمل دخل ہے۔جیسا کہ ابتدا میں ''کون سا مذہب سچا ہے؟'' کے تحت تحریر کیا گیا ہے۔باقی رہا اناجیل اربعہ تو ان میں بھی بے شمار تضادات اور لاتعداد اختلافات پائے جاتے ہیں۔اور مسیحی علماء اس بات کے معترف ہیں۔چنانچہ پادری۔ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ صاحب نے کئی مسیحی علماء کے اقوال اجمالاً اور مسیحی دنیا کے نامور اور جید عالم اوریجن (اوریغن) کا قول تفصیلاً یوں نقل کیا ہے:-

"لیکن ان کے مقابلہ میں ہمیں ایسے ہی اور بزرگ ملتے ہیں۔ جو آزادانہ نوشتوں کے بیانات پر اعتراض کرتے ہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا بزرگ بھی دوسرے موقعوں پر ایسا ہی کرتے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اوریجن (۲۲۰ء) جو اپنے زمانہ کی کلیسیا میں بائبل کی واقفیت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ اگرچہ پاک نوشتوں کے الہام کا بڑے ادب سے ذکر کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی لوگوں کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ لفظوں پر خیال نہ کرو۔ جو ممکن ہے کہ بے فائدہ ہوں۔ اور شاید ان سے ٹھوکر لگے۔ بلکہ تعلیم کی روح و مغز کو پہنچنے کی کوشش کرو۔ جس سے ہمیشہ روحانی امداد ملتی ہے۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ اناجیل میں اتنے اختلافات ہیں۔ کہ ان سے "آدمی کا سر گھومنے" لگ جاتا ہے اور وہ شریعت کے بعض احکام کی نکتہ چینی کر کے ان کا نامعقول ہونا ثابت کرتا ہے۔" (بائبل کا الہام صفحہ ۷۵، ۷۶)۔

جبکہ جناب اوریجن صاحب کے خط کشیدہ الفاظ سے یہ حقیقت خوب چمکتی اور دمکتی ہے کہ اناجیل کی صحت یقیناً مخدوش ہے تو انسانی عقل ان مشکوک کتابوں کے بیانات کو کیونکر صحیح تسلیم کریگی؟۔ ہم جو کچھ بائبل سے نقل کرتے ہیں وہ اسی طرح ہے جس طرح مسیحی علماء قرآن پاک سے نقل کرتے ہیں یعنی فریق ثانی کے عندیہ کے لحاظ سے۔

۶:- جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑنے کیلئے پیادے بھیجے تو

پہلی مرتبہ:- "یسوع نے کہا میں اور تھوڑے دنوں تک تمہارے پاس ہوں۔ پھر اپنے بھیجنے والے کے پاس چلا جاؤنگا۔ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہوں تم نہیں آسکتے۔ یہودیوں نے آپس میں کہا یہ کہاں جائیگا کہ ہم اسے نہ پائینگے؟ کیا ان کے پاس جائیگا جو یونانیوں میں جابجا رہتے ہیں اور یونانیوں کو تعلیم دیگا؟۔ یہ کیا بات ہے جو اس نے کہی کہ تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہوں تم نہیں آسکتے"۔ (انجیل یوحنا ۷ : ۳۳ تا ۳۶)۔

دوسری مرتبہ:- "اس نے پھر ان سے کہا میں جاتا ہوں اور تم مجھے ڈھونڈو گے اور اپنے گناہ

میں مرو گے۔ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے۔ پس یہودیوں نے کہا کیا وہ اپنے آپ کو مار ڈالیگا جو کہتا ہے جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے''۔ (یوحنا ۸ : ۲۱،۲۲)۔

تیسری مرتبہ:۔ ''اے بچو! میں اور تھوڑی دیر تمہارے ساتھ ہوں تم مجھے ڈھونڈو گے اور جیسا میں نے یہودیوں سے کہا کہ جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے ویسا ہی اب تم سے بھی کہتا ہوں۔'' (یوحنا ۱۳ : ۳۳)۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بابت جو الفاظ مجموعی طور پر تین مرتبہ ارشاد فرمائے۔ ہم اہل اسلام ان کو بالکل سچ اور برحق جانتے اور مانتے ہیں کیونکہ آپؑ سچ فرماتے تھے۔ دیگر ہر وہ انسان جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں ذرّہ بھر عقل موجود ہے وہ اس حقیقت کو بخوبی پاسکتا ہے کہ آپؑ کے یہ الفاظ مبارک زمانۂ مستقبل، آئندہ دور کے لیے، ابدی طور پر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بطور پیش گوئی ہیں۔ اور یہ الفاظ قول فیصل کی حیثیت اور نص قطعی کا حکم رکھتے ہیں کہ یہودی آپکو کبھی بھی پا نہیں سکیں گے۔ جب پا نہیں سکیں گے تو گرفتاری اور پکڑنے کی کہانی بے معنی ہے۔ اس نص قطعی کی موجودگی میں مسیحی علماء کی یہ تاویل کہ ''ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا''۔ بالکل بودی اور کچی ہے کیونکہ یہ تاویل حضرت عیسیٰؑ کے ارشاد فرمودہ بیان کے ساتھ بالکل میل نہیں کھاتی بلکہ جداگانہ چیز نظر آتی اور ٹکراتی ہے۔ الحاصل جبکہ آپؑ نے ہمیشہ ہمیشہ اور دائمی طور پر یہ پیش گوئی ارشاد فرمادی کہ یہودی نہ آپؑ کو پا اور نہ آپؑ کو گرفتار کرسکیں گے تو آپؑ کے مذکورہ بالا اور مندرجہ ذیل الفاظ میں ''یسوع ان سب باتوں کو جو اس کے ساتھ ہونے والی تھیں جان کر باہر نکلا اور ان سے کہنے لگا کسے ڈھونڈھتے ہو؟ انہوں نے اسے جواب دیا یسوع ناصری کو یسوع نے ان سے کہا میں ہی ہوں اور اس کا پکڑوانے والا یہوداہ بھی ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے پس اس نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ انہوں نے کہا یسوع ناصری کو یسوع نے جواب دیا کہ میں تم سے کہہ تو چکا کہ میں ہی ہوں پس اگر مجھے ڈھونڈتے ہو تو انہیں جانے دو''۔ (انجیل یوحنا ۱۸ : ۴ تا ۸)۔

''تب سپاہیوں اوران کے صوبہ داراور یہودیوں کے پیادوں نے یسوع کو پکڑ کر باندھ لیا''۔

(یوحنا۱۸ : ۱۲)۔

زبردست تناقض اور تضاد موجود ہے۔ بالفاظ دیگر اگر حضرت مسیحؑ کے پہلے الفاظ صحیح ہیں تو یہ الفاظ صداقت سے دور ہیں اگر دوسرے الفاظ صحیح ہیں تو پہلے الفاظ صداقت سے دور ہیں۔ پس ایسے میں مسئلہ کفارہ ثابت نہیں ہوتا۔

۷:- آپؑ نے اپنے مقدس شاگردوں اور یہودیوں کو یہ ارشاد فرمایا کہ

''جہاں میں جاتا ہوں وہاں تم نہیں آسکتے''۔

اب اگر حضرت مسیحؑ کے یہ الفاظ سچے ہیں تو کفارہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ:-

یہودی لوگ صلیب کے وقت موجود تھے۔ (متی ۲۷ : ۴۲)۔

سردار کاہن، فریسی اور پہرہ دینے والے قبر پر موجود تھے۔ (متی ۲۷ : ۶۲ تا ۶۶)۔

بہت سی عورتیں صلیب کے واقعہ کو دور سے دیکھ رہی تھیں۔ (متی ۲۷ : ۵۵،۵۶)۔

قبر پر یوسف موجود، مریم مگدلینی اور دوسری مریم قبر کے سامنے بیٹھی تھیں۔

(متی ۲۷ : ۵۷ تا ۶۱)۔

پس آپؑ کے وہ الفاظ جو آپؑ نے یہودیوں اور اپنے مقدس شاگردوں کو فرمائے تھے وہ یقیناً سچے ہیں۔ کیونکہ آپؑ ہمیشہ سچ فرمایا کرتے تھے۔

اس لیے آپؑ کے فرمان مبارک کے مطابق یہودی آپؑ کا بال بیکا نہ کر سکے۔ آپؑ اپنے ان الفاظ (''میں اور تھوڑے دنوں تک تمہارے پاس ہوں۔ پھر اپنے بھیجنے والے کے پاس چلا جاؤں گا''۔ انجیل یوحنا ۷ : ۳۳)۔ کے مطابق جیتے جی آپ آسمان پر اُٹھالئے گئے۔ اور آپؑ کے الفاظ کے مطابق آسمان پر آپکے مقدس شاگردوں اور یہودیوں میں سے کوئی بھی نہ جاسکا چونکہ آپؑ کے فرمان مبارک کے مطابق آپؑ کا رفع جسمانی گرفتاری سے پہلے ہوا۔ اس لئے کفارہ صحیح نہیں۔

۸:- جب بعض فقیہوں اور فریسیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو آپؑ

نے فرمایا:-

''کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا۔'' (متی ۱۲ : ۴۰)-

''اور یوناہ تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا''۔ (یوناہ ۱ : ۱۷)

(نسخہ مُروّج اردو بائبل ۱۹۸۷ء)-

''تین دن اور تین رات'' (عبرانی بائبل مطبوعہ ۱۹۸۸ء۔ یوناہ ۲ : ۱) جس کا دل چاہے تو وہ ''عبرانی بائبل یوناہ ۲ : ۱''- سے تسلی کر سکتا ہے کہ یہ ترجمہ (تین دن اور تین رات) بالکل صحیح ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسیحی علماء نے اپنی الہامی کتاب کا ترجمہ بالکل غلط (تین دن رات۔ یوناہ ۱ : ۱۷) کر دیا ہے۔ غور فرمایئے کہ یہ لوگ اپنی الہامی کتاب اور پاک نوشتوں کا غلط ترجمہ کرنے سے شرم محسوس نہیں کرتے۔ اب اگر اس پر کچھ بھی نہ لکھا جائے تو بھی ہم حق پر ہیں کیونکہ اگر ان کی بات بنتی اور دال گلتی ہوتی تو کبھی بھی غلط ترجمہ نہ کرتے۔ یہ ترجمہ اس لئے غلط کیا گیا تا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے فرمان مبارک کے مطابق آپؑ کی قبر کی مدت۔ (تین دن اور تین رات۔ جیسے سیدنا حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے) اتنی نہیں بنتی۔ نیز حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنی بابت ارشاد فرمایا کہ:-

''تین دن کے بعد جی اٹھے''۔ (مرقس ۸ : ۳۱)-

''تین دن کے بعد وہ جی اٹھیگا''۔ (مرقس ۱۰ : ۳۴)-

نتیجہ یہ کہ ''عبرانی بائبل یوناہ کی مدّت ''تین دن اور تین رات'' اور مرقس کی مدت ''تین دن کے بعد''۔ مگر آپؑ کا قبر میں اتنی مدت رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ بقول انجیل متّی آپؑ کو ''تیاری کے دن'' یعنی جمعہ کے دن شام کو سورج غروب ہونے سے پیشتر دفن کیا گیا اور اتوار کی رات کو ''پَو پھٹتے وقت'' (متی ۲۸ : ۱) ''''ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا'' (یوحنا ۲۰ : ۱)-'' بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا'' (مرقس ۱۶ : ۲)- دیکھو جی اُٹھنے کیوقت میں تضاد کے باوجود

مدت بھی پوری نہیں ہوتی۔اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ مدت مقررہ ہے۔بہرحال اگر آپؑ نے اپنی بابت قبر میں رہنے کی مدت ''تین دن اور تین رات'' یا ''تین دن کے بعد'' ارشاد فرمائی ہوتی تو ضرور بالضرور پوری ہوتی۔چونکہ یہ مدت پوری نہیں ہوتی پس اس سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ مدت آپؑ نے ارشاد ہی نہیں فرمائی اور یہ بات بالکل سچ اور حق ہے کیونکہ آپؑ نے پہلے یہ ارشاد فرمادیا تھا کہ ''جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آسکتے''۔پس ان الفاظ اور قبر کی مدت پوری نہ ہونے سے کفارہ ثابت نہیں ہوتا۔

۹:-بقول انجیل لوقا جو دو ڈاکو حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا:-

''پھر اس نے کہا اے یسوع جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا۔اس نے اس سے کہا مَیں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں ہوگا''۔(لوقا ۲۳ :۴۲، ۴۳)۔

اس جگہ یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو وعدہ ڈاکو سے کیا تھا وہ پورا ہوا؟۔تو ملاحظہ فرمائیے کہ جو مدت آپؑ نے قبر میں گزاری اس وقت آپؑ قبر میں تھے مگر جنت میں نہ تھے۔اور قبر سے جی اٹھنے کے بعد سے لیکر چالیس دن تک جنت میں نہیں گئے:-

''اس نے دکھ سہنے کے بعد بہت سے ثبوتوں سے اپنے آپ کو ان پر زندہ ظاہر بھی کیا۔چنانچہ وہ چالیس دن تک انہیں نظر آتا اور خدا کی بادشاہی کی باتیں کہتا رہا''۔ (اعمال ۱ : ۳)۔

کیا حضرت مسیح علیہ السلام چالیس دن کے بعد جب آسمان پر اٹھائے گئے تو آپؑ ڈاکو کو اپنے ساتھ جنت میں لے گئے:-

''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا
اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا''۔(مرقس ۱۶ : ۱۹)۔

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے بعد آسمان پر اٹھائے گئے اور خدا تعالیٰ کی دہنی طرف بیٹھ گئے۔تو آپؑ نے جو وعدہ (''مَیں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ فردوس میں

ہوگا'')۔ڈاکو سے کیا تھا۔وہ کب اور کہاں پورا ہوا؟۔ حالانکہ یہ وعدہ قسمیہ تھا کیونکہ لفظ ''سچ'' قسم کا فائدہ دیتا ہے نیز ''آج ہی'' کے الفاظ خاص اسی دن کا اظہار کرتے ہیں۔اس ڈاکو کی روح حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت کیا کہتی ہوگی؟ کیونکہ آپؑ نے وعدہ پورا نہیں کیا۔اس وعدہ کی بے وفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے وعدہ کیا ہی نہیں کیونکہ اللہ ربّ العزت کا پیغمبر وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے۔''ایں خیال است ومحال است وجنوں است''۔

پس جس طرح آپؑ کی طرف یہ وعدہ خواہ مخواہ منسوب کیا گیا ہے بالکل اسی طرح آپؑ کی طرف گرفتاری اور صلیب کی باتیں بھی منسوب کی گئی ہیں۔ حقیقت نہیں۔

۱۰:۔باقی رہا یہ کہ اتنے افراد کو آپؑ نظر آئے اور ان کے ساتھ باتیں کیں تو اس واقعہ کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ تو اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبر سے جی اٹھنے کے بعد آپؑ کے مقدس شاگردوں اور دیگر افراد کو آپؑ کی ''بشریت وانسانیت'' نظر آئی تھی یا آپؑ کی ''الوہیت''؟۔ بالفاظ دیگر مصلوب آپؑ کی ''انسانیت'' ہوئی تھی یا ''الوہیت''؟۔تو پادری ریورینڈ فادر جوزف نصاری صاحب اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں:۔

''اسی طرح صلیب اور موت کی تکالیف نے مسیح کی انسانی ذات پر اثر کیا لیکن اس کی الٰہی ذات پر صلیب اور موت کی تکالیف اپنی کچھ تاثیر نہ کر سکیں۔ کیونکہ مخلوق میں اتنی قوت وقدرت نہیں کہ وہ خالق کو گزند پہنچائے۔'' (عظمت کفارہ صف ۳۴)۔

نیز:۔'' یہ بات واجب التسلیم ہے کہ جب مسیح کو صلیب پر کھینچا گیا تو اس نے صلیبی دکھ کو الوہیّت کی حیثیت سے نہیں اٹھایا تھا بلکہ فقط انسانیت کی حیثیت سے کیونکہ یہ بات قطعی طور پر محال ہے کہ الوہیت کو کسی قسم کا دکھ یا تکلیف پہنچے''۔ (عظمت کفارہ صف ۳۵)۔

پادری صاحب کے اس بیان سے یہ بات صاف صاف ظاہر ہوتی ہے کہ ''انسانیت'' مصلوب ہوئی نہ کہ ''الوہیت'' یعنی ''الوہیت'' آپؑ میں موجود تھی۔ گویا جن افراد نے آپؑ کو دیکھا تو انہوں نے آپؑ کو بحیثیت ''خدا'' دیکھا تھا مگر یہ بات مذہبی عقل سے دور ہے کیونکہ جب ''انجیل

یوحنا'' آپؑ کے رفع جسمانی اور صعود آسمانی کے بعد قلمبند کی گئی تو اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے قبر سے جی اٹھنے کے بعد آپؑ کو دیکھنے کا ذکر بھی موجود اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ:-

الف:-''خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا''۔(یوحنا ۱ : ۱۸)۔

ب:-حضرت مسیحؑ نے اللہ رب العزت اور اپنی بابت فرمایا:-

''اور باپ جس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے میری گواہی دی ہے۔تم نے نہ کبھی اس کی آواز سنی ہے اور نہ اس کی صورت دیکھی''۔(یوحنا۵ : ۳۷)۔

ج:-اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کی بابت حضرت موسیٰؑ کو ارشاد فرمایا:-

''اور یہ بھی کہا تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہیگا''۔

(خروج ۳۳ : ۲۰)۔

اب بات صاف ہے کہ اگر تورات وانجیل کے مذکورہ بالا تینوں مقامات صحیح ہیں تو آپؑ یقیناً ''خدا'' نہیں۔اور اگر آپؑ ''خدا'' ہیں تو تورات وانجیل کے یہ تینوں مقامات صحیح نہیں۔ایسے میں ظاہر یہی ہوتا ہے کہ تینوں مقامات بالکل صحیح ہیں مگر آپؑ کو'خدا' ماننے کا عقیدہ تورات وانجیل سے دور اور بہت دور ہے۔اور بالکل اسی طرح آپؑ کو صلیب کے بعد دیکھنے کی روایات بھی آب رواں پر بنیاد مکاں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

معترض نے اعتراض ۱۶، میں لکھا ہے کہ:-''اللہ تو غیب ہی ہے''۔جبکہ باریتعالیٰ انسانی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔تو حضرت مسیحؑ ہرگز ہرگز ''خدا'' نہیں کیونکہ آپؑ پوشیدہ نہ بلکہ ظاہر اور لوگ آپؑ کو دیکھتے تھے۔پس معترض کے قول کے مطابق بھی آپؑ یقیناً خدا نہ تھے۔یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے قبر سے جی اٹھنے کے بعد آپؑ میں صرف ''الوہیت'' تھی کیونکہ ''خدا روح ہے''(یوحنا۴ : ۲۴)۔

اور روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی چنانچہ آپؑ نے فرمایا:-

''میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو''۔(لوقا۲۴ : ۳۹)۔

جبکہ باریتعالیٰ میں گوشت اور ہڈی موجود نہیں اور حضرت عیسیٰؑ میں صلیب کے بعد گوشت اور ہڈی تھی۔پس ایک عقلمند انسان اس سے یہی نتیجہ اخذ کریگا۔کہ آپؑ کو خدا ماننے کا عقیدہ غلط اور بالکل غلط ہے۔علاوہ ازیں آپؑ کی بابت یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آپؑ نے قبر سے جی اٹھنے کے بعد بھنی ہوئی مچھلی کھائی تھی:۔

''انہوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا۔اس نے لے کر ان کے روبرو کھایا''۔

(لوقا۲۴ : ۴۲، ۴۳)۔

جبکہ اللہ رب العزت کھانے کا محتاج نہیں۔چونکہ آپؑ کھانے کے محتاج تھے اس لیے آپؑ ''خدا'' نہیں ہیں۔پس جس طرح آپؑ کو''خدا'' ماننے کا عقیدہ صداقت سے دور بالکل اسی طرح نظریہ کفارہ کا حال ہے۔

۱۱:۔صلیب کے وقت جو الفاظ حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان میں اختلاف ہے:۔

الف:۔''ایلی،ایلی''۔(متی ۲۷ : ۴۶)۔

ب:۔''الوہی،الوہی''۔(مرقس ۱۵ : ۳۴)۔

ج:۔''پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا''۔(لوقا۲۳ : ۴۶)۔

د:۔''پس جب یسوع نے وہ سرکہ پیا تو کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان دے دی''۔

(یوحنا۱۹ : ۳۰)۔

غور فرمایئے کہ چاروں اناجیل میں ایک ہی موقعہ پر تضاد ہے۔کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔''ایل''

اسم معرفہ اور اس کا معنی ہے ''اللہ''۔ ''الوہ'' اسم نکرہ ہے۔ گو اس کے معنی ''خدا'' کر دیا جاتا ہے مگر اس کا صحیح معنی ''معبود'' ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ''ایلی - ایلی'' کہا تھا یا ''الوہی - الوہی''؟ ان چاروں انجیل میں اس موقعہ پر جو تضاد موجود ہے وہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ واقعہ صحیح نہیں۔ اور یہ بات اسلام سے قبل بھی موجود تھی چنانچہ پادری کینن ڈبلیو، پی ہیرس صاحب بی، اے رقمطراز ہیں:-

''بیسلیڈیس کہتا ہے کہ دنیا کی رہائی مسیح کے وسیلے ہوئی۔ جو کہ خدا کا سب سے پہلا اور بڑا ظہور تھا۔ یہ کہتے تھے کہ یہ یسوع دنیا میں ظاہر ہوا۔ اور مصلوب نہیں ہوا بلکہ اسکی جگہ شمعون کرینی صلیب دیا گیا''۔ (تواریخ مسیحی کلیسیا صف ۱۳۱)۔

پادری ولیم جی ینگ صاحب لکھتے ہیں:-

''اس لیے اس نے اپنی مرضی کے مطابق اپنی شکل وصورت کو تبدیل کیا اور یوں اس باپ کے پاس صعود فرمایا جس نے اس کو بھیجا تھا۔ اس نے اپنے دشمنوں کو ٹھٹھوں میں اس لیے اڑایا کہ وہ اسے پکڑ نہیں سکے کیونکہ وہ سب کے لیے اوجھل ہو گیا''۔ (رسولوں کے نقش قدم پر صف ۲۳۵)۔

انجیل ''برنباس'' جسے مسیحی لوگ ایک مسلمان کی تصنیف اور جعلی قرار دیتے ہیں۔ تو ان کے لیے ایک اور صرف ایک پر لطف دلیل یہ ہے کہ ''انجیل برنباس'' اس سے پہلے کی ہے چنانچہ پادری ایچ یوسٹیٹن صاحب لکھتے ہیں:-

''اور انجیل موسومہ برنباس (قریباً ۱۳۰ء) میں متی ۲۳ : ۱۴ کے الفاظ یونانی نسخے سے اقتباس کئے گئے ہیں۔ (تفسیر متی صف ۴۴)۔

چونکہ ''انجیل برنباس'' کا ذکر ۱۳۰ء میں پایا جاتا ہے اس لیے یہ کسی مسلمان کی تصنیف نہیں ہو سکتی کیونکہ اس بات کو دنیا جانتی ہے۔ کہ ۱۳۰ء میں اہل اسلام موجود ہی نہ تھے۔ جبکہ اہل اسلام ۱۳۰ء میں تھے ہی نہیں تو پھر ''انجیل برنباس'' کسی مسلمان کی تصنیف کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس انجیل میں حضرت مسیحؑ کے رفع جسمانی کی بابت یوں لکھا گیا ہے:-

"پس جبکہ آدمیوں نے مجھکو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا تھا۔ مگر یہ کہ میں خود دنیا میں بے گناہ تھا اس لئے اللہ نے ارادہ کیا کہ اس دنیا میں آدمی یہودا کی موت سے مجھ سے ٹھٹھا کریں۔ یہ خیال کر کے کہ وہ مَیں ہی ہوں جو کہ صلیب پر مرا ہوں تا کہ قیامت کے دن میں شیطان مجھ سے ٹھٹھا نہ کریں۔ اور یہ بدنامی اس وقت تک باقی رہیگی جبکہ مُحَمَّد "رَسُوْ لُ اللہِ آئیگا۔ جو کہ آتے ہی اس فریب کو ان لوگوں پر کھول دیگا جو اللہ کی شریعت پر ایمان لائیں گے"۔ (فصل نمبر ۲۲۰ : ۱۹ ، ۲۰)۔

الغرض اسلام سے قبل دنیا میں یہ حق کی آواز موجود تھی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑھے بلکہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے آپؑ کو جیتے جی آسمان پر اٹھالیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفارہ کی تعلیم حق وصداقت سے دور ہے۔ اور یہ عقیدہ نقل وعقل کے بالکل خلاف ہے۔ پادری ایف، ایس خیر اللہ صاحب الوہیت مسیحؑ اور کفارہ مسیحؑ کی بابت بڑے گہرے الفاظ میں دنیا کی رائے کا اظہار کرتے ہیں:۔

"یورپی حلقوں میں الٰہیات کے مباحثات، اختراعات اور بدعات کا اور عوام الناس کے عقیدہ و خیال اور توہمات کا خمیر کلیسیائی سوچ کو بری طرح متاثر کرتا آیا ہے۔ اور خصوصاً خدا تعالیٰ کی صفات حسنہ (الوہیتِ مسیح ؑ اور عقیدہ تثلیث۔ حسینی)۔ اور نجات اخروی کے باب میں (کفارہ مسیح۔ حسینی)۔ کلیسیا افراط وتفریط کا شکار ہے جس کے باعث نہ صرف کلیسیاؤں میں مسیحی پاکیزگی کا معیار مسلسل تنزل کا شکار ہے اور وہ دنیا اور شیطان کے مقابلہ میں کمزور ہوتی جارہی ہیں بلکہ غیر اقوام کی تضحیک کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔"

(قاموس الکتاب تحت ویسٹ منسٹر کا اقرار الایمان۔ صف ۱۰۶۸)۔

موصوف کے بیان سے جو کچھ عیاں ہوتا ہے۔ اس پر کیا کہا جائے۔ بس دُعا ہے کہ اللہ ربُّ العزت کسی انسان کی عقل نہ مارے۔ امین ثم امین

اعتراض:۔ "زنا کاری اور طلاق سے مبّرا ایک ہی شادی"۔

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب "اعتراض ۵۷" کے تحت آئیگا انشاءاللہ تعالیٰ۔

اعتراض :-"سچ بولنا، صلح، دوسروں کو بدلہ کے بغیر معافی، کسی قسم کی قسم نہ اٹھانا، دشمنوں سے مہربانی اور محبت کی ترغیب۔"

جواب :-سچ بولنے کا حکم :-"وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا۔ (الاحزاب:۷۰-"اور بات کہو سچی"۔تفسیر ابن کثیرؒ اردو)-قرآن مجید میں عام لوگوں کی صلح کرانے کا ذکر (النساء:۱۱۴) میں اور اہل اسلام کی آپس میں صلح کرانے کا حکم (الحجرات:۹) میں موجود ہے۔بغیر بدلہ معافی کا حکم (ال عمران:۱۳۴-النور:۲۲-الشوریٰ:۳۷، ۴۰)-اسلام میں صرف اللہ ربُّ العزت کی قسم کھانا جائز ہے۔یہ بات بائبل سے بھی ثابت ہوتی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھائی ۔(پیدائش ۲۲ : ۱۶) حضرت داوٗد علیہ السلام نے قسم کھائی :-"لیکن داوٗد نے قسم کھا کر کہا" (۲-سموئیل ۳ : ۳۵)-اور جناب پولوس نے قسم کھائی:-"خدا کی سچائی کی قسم"۔(۲-کرنتھیوں ۱ : ۱۸)-امید ہے کہ تسلی ہوگئی ہوگی۔سختی کے مقابلہ میں نرمی، برائی کے مقابلہ میں بھلائی اور عداوت کے مقابلہ میں محبت کا مظاہرہ ملاحظہ فرمایئے:-(حٰمٓ السجدہ:۳۴-النحل: ۱۲۵)-نبی اکرم ﷺ سب سے اعلیٰ اور ارفع "خلق عظیم" کے مالک تھے۔(القلم:۴)-اسی خلق عظیم کیوجہ سے آپ کا قلب مبارک تُند خو نہ بلکہ آپ "نرم دل" اور "رحم دل" تھے۔آپؐ نے اپنے خلق عظیم اور نرم دلی اور رحم دلی کی برکت سے (ال عمران:۱۵۹) انسانوں کو کفرو شرک اور ظلمات سے نکال کر نور میں داخل فرمایا اور ان کو رشد وہدایت پر جمع فرما دیا ان نیک بختوں کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی (یوحنا عارف کا مکاشفہ ۱۴ : ۳)۔

یہ بجلی کا کڑکا تھا ، یا صوتِ ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

اعتراض :-"بغیر تلوار اور قتل وغارت کے دین کی خدمت جہاد کی بجائے قربانی کی حد تک کسی

گمراہ کو خدا کے پاس لانا وغیرہ سے سراسر خالی ہے۔"

اسلام تلوار سے نہیں پھیلا

جواب:- قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے:-

"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قف لا" (البقرۃ:۲۵۶)

(زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان الفاظ مبارک کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

"ف ۲ جب دلائل توحید بخوبی بیان فرما دی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہیے اور نہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین خود نص موجود ہے اور جو جزیہ قبول کرے گا اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا" (تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کس نے تلوار اٹھائی، چلائی اور کون سا علاقہ میدان کارزار بنا؟۔ کیا ہندوستان میں اسلام بزورِ تلوار آیا تھا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حضرت مولانا شیخ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محنت شاقہ اور آپؒ کی کرامات سے اسلام پھیلا تھا۔ کیا انڈونیشیا میں اسلام بزور شمشیر پھیلا تھا؟ نہیں یقیناً نہیں بلکہ ایک نوجوان عربی مسلمان کی کرامت سے انڈونیشیا میں اسلام پھیلا تھا۔ نیز اخبارات میں یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ امریکہ، افریقہ، برطانیہ، فرانس، ڈنمارک اور ہالینڈ و دیگر ممالک میں اسلام بڑی جراءت و سرعت سے پھیل رہا ہے۔ ان ممالک میں اسلام کے پاس کون سے ہتھیار اور کون سا اسلحہ ہے؟ جس سے اسلام دن بدن ترقی کی راہ پر عمل پیرا اور گامزن ہے تو عقل سلیم کہتی ہے کہ یہ پروپیگنڈا سفید جھوٹ اور انسانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے مترادف ہے۔ کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے"۔ باقی رہا جہاد کا مسئلہ تو اس کی بابت ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کا حکم۔ (استثناء ۷ : ۱ تا ۵، ۲۰ : ۱ تا ۲۰)۔

چوتھی آیت اسی باب کی ملاحظہ فرمائیے کہ: ''کیونکہ خداوند تمہارا خدا تمہارے ساتھ ساتھ چلتا ہے تاکہ تم کو بچانے کو تمہاری طرف سے تمہارے دشمنوں سے جنگ کرے'' ۔غور فرمائیے کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ خدا تعالیٰ خود میدان میں آیا ہے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یشوع بن نون علیہ السلام کے جنگی کارنامے ''کتاب یشوع'' میں ملاحظہ فرمائیے پھر ان کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے جنگی معرکے ''۲۔سموئیل'' میں درج ہیں۔اور جناب پولوس ان کے کارنامے بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں:۔

''اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور اور نبیوں کا احوال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا ۔راستبازی کے کام کئے۔وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا۔شیروں کے مُنہ بند کئے۔آگ کی تیزی کو بجھایا۔تلوار کی دھار سے بچ نکلے۔کمزوری میں زور آور ہوئے۔لڑائی میں بہادر بنے غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا۔'' (عبرانیوں ۱۱ : ۳۲تا۳۴)

پس بائبل کے مندرجہ بالا مقامات کی وجہ سے اس مسئلہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔صرف مسئلہ کفارہ کے سوا باقی جن اعلیٰ روحانی اصولوں کا ذکر کر کے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید ان سے سراسر خالی ہے۔الحمد اللہ! وہ تمام اعلیٰ روحانی اصول قرآن شریف سے بمعہ حوالہ جات نقل کردیئے گئے ہیں۔پس معترض کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔اور جو دعویٰ بلا دلیل ہو علمی دنیا میں اسے باطل کہا جاتا اور قابل توجہ نہیں ہوتا۔

اس سوال کا کیا جواب ہے؟ کہ ایک دہریہ ملک کی حکومت جو کہ شریر بھی ہے۔اس کے پڑوس میں ایک مسیحی ملک ہے۔یہ دہریہ اور شریر حکمران ٹولہ اپنے پڑوسی مسیحی ملک پر حملہ کردیتا ہے۔اب اس مسیحی حکومت کو کیا پہلو اختیار کرنا چاہیے؟ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کا ایسے موقعہ پر یہ فرمان مبارک ہے کہ: ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی

طرف پھیر دے'' اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا''۔

(متی ۵ : ۳۸ تا ۴۱)۔

جواب میں صرف سیدنا حضرت عیسیٰؑ کا فرمان مبارک ہو؟ آئیں بائیں شائیں نہ ہو؟

اے حاصل خلوص ! کیا جواب دوں

دنیا یہ پوچھتی ہے کہ تو کیوں خاموش ہے؟

اعتراض:- ''گرچہ چند اصول جو قرآن میں آموجود ہوئے وہ تو پہلے ہی سے پاک توریت ،پاک زبور اور پاک انجیل میں موجود تھے اور ان کو چرا کر، اور توڑ مروڑ کر، غلط مفہوم کے ساتھ، غلط اور جھوٹا رنگ دے کر قرآن میں شامل کر لیا گیا ''؟۔

مسیحی مبشر پر مرض نسیان غالب ہے

جواب:- اس اعتراض میں یہ کہا گیا ہے کہ ''زبور'' میں احکامات ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ ''زبور'' میں گیت ضرور ہیں مگر احکامات نہیں۔ جس کا دل چاہے زبور کو دیکھ سکتا ہے۔

اس مقام پر اعتراض ۱۸، کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے جو نبی پاک ﷺ کی بابت تحریر کیے گئے ہیں۔

''کیا ایسی غلطی کی یہ وجہ بھی نہ تھی، کہ محمد عربی کے وقت میں توریت اور انجیل کا عربی میں ترجمہ موجود نہ تھا اور محمد ان پڑھ ہوتے ہوئے عبرانی اور یونانی زبانوں میں انجیل کو بھلا کیسے پڑھ کر سمجھ سکتا تھا''۔

جبکہ سرکار دو عالم ﷺ اُمی ہونے کی وجہ سے تورات و انجیل کو عبرانی اور یونانی زبانوں میں پڑھ کر سمجھ ہی نہیں سکتے تھے تو مسیحی مبشر کے خط کشیدہ الفاظ بالکل جھوٹ کا پلندا اور ایجاد بندہ ہیں۔ نیز

یہ الفاظ اس حقیقت کا واضح ثبوت اور بین دلیل ہیں کہ چونکہ دماغی اعصاب ڈھیلے اور کمزور ہیں اس لیے مرض نسیان پیدا ہو چکا ہے۔ چونکہ ترقی کا خطرہ، اس لیے علاج کی طرف جلدی توجہ دینا چاہیے۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔

اس اعتراض کا جواب علم وعقل اور انصاف وعدل کی دنیا میں تو ہو گیا ہے مگر دوبارہ بھی ملاحظہ فرمایئے! اگر بالفرض محال یہ اعتراض صحیح ہے تو پھر پوری بائبل سے یہ دکھایا جائے کہ ''وضو'' اور ''اذان'' بائبل کی کس کتاب اور کون سے مقام سے چرائے گئے ہیں؟ اگر معترض بائبل سے اس بات کا جواب دینے سے قاصر و عاجز رہے تو پھر اس صداقت کو بلاچون وچران تسلیم کر لینا چاہیے کہ جس اللہ رب العزت نے مخبر صادق ﷺ کو یہ دونوں حکم ارشاد فرمائے ہیں اسی باری تعالیٰ نے آپ ﷺ پر باقی سارا دین نازل فرمایا ہے۔ پس چرانے توڑنے مروڑنے اور دیگر باتیں وہم و مراق ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ نے تورات کے بعض احکامات کی بابت ارشاد فرمایا:-

اوّل:- ''تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا''۔ (متی ۵ : ۲۱)۔

دوم:- ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا''۔ (متی ۵ : ۲۷)۔

سوم:- ''پھر تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا''۔ (متی ۵ : ۳۳)۔

چہارم:- ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا''۔ (متی ۵ : ۳۸)۔

پنجم:- ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا''۔ (متی ۵ : ۴۳)۔

غور فرمایئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے پانچ مرتبہ یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ان سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کے ان الفاظ کا مصداق ''تورات'' اور ''یہودی'' ہیں۔ ان الفاظ کے بعد آپؑ نے (متی ۵ : ۲۱ تا ۴۴)۔ تورات کے کئی احکامات میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ اس وجہ سے یہودی یہ بات کہتے ہیں کہ عیسائیت، یہودیت سے نکلی ہے۔ چنانچہ پادری

برکت اللہ صاحب ایم،اے نے یہودی ربی ڈاکٹر کلاسز کا قول یوں نقل کیا ہے:-

''یہ حق ہے کہ یہودیت سے مسیحیت پیدا ہوئی۔یہی وجہ ہے کہ یہودیت اور مسیحیت میں مماثلت اور مشابہت ہے''۔(اسرائیل کا نبی یا جہان کا مُنجی صف ۹۳)۔

اب اگر اس بات کو مسیحی مبشر صاحب کی زبان میں یوں نقل کر دیا جائے تو کوئی مبالغہ اور زیادتی نہ ہوگی:-

''گرچہ چند قانون جو انجیل متّی میں آموجود ہوئے وہ تو پہلے ہی سے پاک تورات اور بائبل کی دیگر پاک کتابوں میں موجود تھے اور ان کو چُرا کر،اور توڑ مروڑ کر،غلط مفہوم کے ساتھ،غلط اور جھوٹا رنگ دیکر انجیل متّی میں شامل کر لیا گیا؟۔اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے جیسا کہ (متّی ۵ : ۲۱ تا ۴۴) سے ظاہر ہوتا ہے۔دیکھئے مسیحی مبشر صاحب یہودی ربّی کے اس معقول اعتراض کا کیا جواب دینگے؟!!

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا

اعتراض ۲۵:-'' کیونکر قرآن کی موجودگی کے باوجود چھ ہزار سے لیکر قریب ساتھ لاکھ حدیثوں کی ضرورت پڑتی ہے۔جبکہ ۷۲ فرقوں میں،کچھ فرقے محض چند احادیث کو درست ماننے اور باقی احادیثوں کو سرے ہی سے غلط قرار دیتے،اور کچھ اسلامی فرقے تو کسی ایک بھی حدیث کو تسلیم ہی نہیں کرتے ؟''۔

جواب:-قرآن کریم میں جس جگہ ''اَلْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ'' اکٹھا اور معرّف باللام آیا ہے وہاں ''الکتاب'' سے مراد ''قرآن مجید'' اور ''الحکمۃ'' سے مراد ''حدیث'' پاک ہے۔پس ہم احادیث صحیحہ کے قائل ہیں۔باقی تینوں فرقوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔جن فرقوں پر اعتراض کیا گیا ہے ان سے جواب دریافت کیجیے۔دوسرے فرقہ کی بات نہ ہمارے لئے حُجت ہے اور نہ اس کے جواب دینے کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔جیسا کہ آپ کے نزدیک دوسرے مسیحی فرقہ

کی بات حجت نہیں۔

اعتراض ۲۶: -''مسلمان کو جب کسی مسئلہ کا حل قرآن (کتاب اللہ) میں نہیں ملتا اور موجود ساتھ لاکھ حدیثوں میں سے کوئی حدیث بھی مسئلہ سلجھانے میں سہارا نہیں بنتی تو مسلمانوں کو کیونکر اجماع کا سہارا لینا پڑتا اور جب کسی مسئلہ کو حل کرنے میں قرآن، احادیث اور اجماع سب کے سب ناکام ہو جاتے تو کیونکر مسلمانوں کو قیاس آرائیوں کا سہارا لینا پڑتا، جبکہ اکیلے قرآن کو مکمل ضابطہ حیات کہا جاتا''؟

جواب: -اسلام میں کسی مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے چار ذرائع ہیں۔ جنہیں ''شرعی ادلۃ'' کہا جاتا ہے:-

اول:-قرآن مجید دوم:-حدیث شریف سوم:-اجماع امت چہارم:-قیاس۔

ان چاروں میں سے کسی ایک سے جو مسئلہ ثابت ہوگا۔ وہ اسلامی مسئلہ ہوگا۔

(اصول الشاشی)۔

دینِ اسلام، عیسائیت کی طرح نہیں کہ مسئلہ خود وضع کر کے اسے بائبل کی طرف منسوب کر دیا جیسے مسئلہ تثلیث کی تعریف یوں کی گئی ہے:-

''بائبل مقدس تعلیم دیتی ہے کہ خُدا ایک میں تین ہے، ایک قادرِ مطلق ذات جس میں تین اقنوم ہیں۔ جنہیں باپ، بیٹا اور روح القدس کہتے ہیں''۔

(تحقیق حق صف ۱۳۸ از پادری ایم، ایچ فن لے صاحب)۔

جبکہ تثلیث کی یہ تعریف بائبل میں یقیناً موجود نہیں۔ تو دیکھو اسے خود وضع کر کے خواہ مخواہ بائبل کی طرف منسوب کر دیا۔ اسے کہتے ہیں دجل وفریب نیز ''روح القدس'' صرف باپ سے صادر ہوتا ہے:-''سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے''۔ (یوحنا ۱۵ : ۲۶)۔

مگر مسیحی بھائیوں نے اس کے خلاف یہ عقیدہ وضع کیا کہ:-''سچائی کا روح جو باپ اور بیٹے سے صادر ہوتا ہے''۔ یہ حوالہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ تیسری بات یہ ہے کہ ختنہ کا

حکم جو ابدی تھا (پیدائش ۱۷ : ۹ تا ۱۴)۔ اسے صرف قیاس سے ختم کر دیا۔ (اعمال ۱۵ : ۱۹ تا ۲۹)۔ دیکھو اناجیل اربعہ میں اس کا کوئی حل نظر نہیں آیا۔ الغرض جو اعتراض ہم پر کیا گیا ہے وہی اعتراض مبشر صاحب پر بھی پڑتا ہے۔

''شیر کے منہ پر پنجہ اور تلوار پر گھونسہ مارنا۔ ایں کار خردمنداں نیست''۔

اعتراض ۲۷:۔ ''جبکہ موجودہ مہذب عالمی معاشرہ میں تمام مذہبوں کی تحقیق اور مذہب کی تبدیلی کی مکمل آزادی ہے، تو اسلامی ممالک میں ایسی آزادی کیوں نہیں؟''۔

جواب:۔ '' موجودہ مہذب عالمی معاشرہ'' میں یقیناً دہریے، مشرک، بُت پرست اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ''اگر گویم زباں سوزد''۔ ایسے ''مہذب عالمی معاشرہ'' سے اللہ پاک بچائے۔ امین ثم امین

علاوہ ازیں موجودہ مہذب عالمی معاشرہ، بہت ہی زیادہ غیر مہذب ہے۔ جور و جفا اور ظلم و ستم کا دَور دورہ اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا معاملہ ہے۔ شراب خوری کی اس قدر کثرت ہے کہ نابالغ لڑکیاں بھی اس کی دلدادہ ہیں۔ فحاشی اور عریانی کے سوہانِ روح اور مکروہ مناظر جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ زنا کاری اس قدر عام کہ کنواری لڑکیاں مائیں بن رہی ہیں۔ بے حیائی اور بے غیرتی کا یہ حال ہے کہ باپ اپنی کنواری لڑکی کے ''فرینڈ'' کو فخر سے ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اس مذموم فعل سے شرم محسوس نہیں کرتا۔ تو ایسا ''مہذب عالمی معاشرہ'' ایک عقلمند اور غیرت مند انسان کیلئے کیونکر حجت ہو سکتا ہے؟۔

خوب یاد رہے کہ عالمی معاشرہ نہ قابل تقلید اور نہ قابل حجت ہوتا ہے کیونکہ اگر عالمی معاشرہ قابل تقلید اور قابل حجت ہوتا تو باریتعالیٰ انسانوں کی فلاح و بہبودی اور رہنمائی کے واسطے کبھی بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث نہ فرماتا۔ بلکہ لوگ خود ہی معاشرہ کی تقلید کرتے چلے جاتے۔ وحی الٰہی کے مقابلہ میں اس معاشرہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ نتیجہ یہ کہ ہمارے لئے

''موجودہ مہذب عالمی معاشرہ' حجت وبرہان نہیں ۔اسلام کا اپنا ذوق ہے اور موجودہ عالمی معاشرہ کا اپنا ذوق ہے۔

''نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی''۔

اسلام میں مذاہب کی تحقیق کا میدان ہر وقت کھلا اور آزادی ہے پابندی نہیں مگر اسلام اپنی صداقت وغیرت کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کو اپنے سے بغاوت وسرکشی، اپنے سے منہ موڑنے اور تعلق توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔اسلام کا یہ فعل مبارک قابل تحسین ہے۔اگر یہ بات نہیں مانی جاتی تو تورات کا یہ حکم ضرور ماننا پڑیگا (استثنا ۱۷ : ۲تا۷)۔

پس اسلام پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔عقلمند انسان کو آسمان پر تھوکنا نہیں چاہیے۔

اعتراض ۲۸ :-''مسلمانوں کو کسی ایسے شخص کے قتل وخون کی اجازت؟ جو اسلام کی تاریکی سے نکل کر مسیح اور انجیل کی پاک روشنی میں ابدی زندگی پاتا ہے جبکہ قرآن ایسا کرنے کا حکم ہی نہیں دیتا۔''اور کسی حتمی اور مضبوط حدیث میں ہرگز ایک بھی ایسی آیت بھی نہیں''۔

اسلام کی نورانیت

جواب :- یہ بات یاد رہے کہ مسیحی دنیا بائبل کے دونوں (عہد قدیم اور عہد جدید) عہد ناموں کو الہامی مانتی اور ان دونوں عہد ناموں پر اسی طرح ایمان رکھتی ہے۔جس طرح اہل اسلام کا قرآن مجید اور فرقان حمید پر ایمان ہے۔اس کے بعد معترض نے جو اسلام کی بابت یہ الفاظ (اسلام کی تاریکی) لکھے ہیں۔ان کی بابت بائبل سے جو جواب دیا جائیگا اسے سننا اور برداشت کرنا پڑیگا۔کیونکہ ابتدا مسیحی مبشر صاحب نے کی ہے۔تو پہلے قرآن کریم اور فرقان حکیم کی اس نورانیت کو ملاحظہ فرمائیے اور حظ اٹھائیے! جو اُس نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی اور عصمت پر پیش کی اور بیان فرمائی ہے:-

۱:-'' وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط'' (البقرۃ : ۶۱)۔

(اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق)

۲:۔'' وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ '' (النسآء : ۱۵۵)۔

(اور خون کرنے پر پیغمبروں کا ناحق)

قرآن پاک کے ان دونوں مقامات پر غور فرمائیے کہ پہلی آیت کریمہ میں '' الْحَق'' اور دوسری آیت شریفہ میں '' حق'' ہے۔'' الحق'' اسمِ معرفہ اور '' حق'' اسمِ نکرہ ہے۔ تو فقہاءِ کرام کی زبان میں ان دونوں الفاظ مبارک کا یہ مطلب بنتا ہے کہ '' الحق'' سے کبیرہ گناہ اور '' حق'' سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ اس سے یہ حقیقت خوب چمک اور دمک اُٹھی کہ یہودی حضرات انبیاء علیہم السلام کو بے گناہ قتل کرتے تھے۔ یعنی اس مقدس گروہ کا نہ کبیرہ گناہ اور نہ صغیرہ گناہ تھا۔ پس قرآن کریم کے نزدیک تمام حضرات انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے منزّہ اور مبرّا تھے۔ نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی اور بے گناہی کو یوں بھی ارشاد فرمایا:۔

'' كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ. '' (الانعام : ۸۵)۔

(سب ہیں نیک بختوں میں)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت منوّرہ میں تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کو '' صالح'' (نیک) قرار دیا۔ باریتعالیٰ کا حضرات انبیاء علیہم السلام کی مدحت ومنقبت میں لفظ '' صالح'' ارشاد فرمانا اس بات کی واضح دلیل اور ٹھوس ثبوت ہے کہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور بے عیب تھے۔ اس مقام پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ لفظ '' صالح'' سے اس مقدس گروہ کی پاکدامنی اور عصمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ کوئی آدمی کسی انسان کی گفتار کردار کو اچھا دیکھ کر اسے '' صالح'' قرار دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ آدمی ہر قسم کے گناہوں سے پاک اور بے عیب ہے۔ تو اس قول کا جواب یہ ہے کہ ایسا کہنا بالکل بے جا ہے کیونکہ انسان اپنے محدود علم سے کسی کی ظاہری حالت دیکھ کر اسے '' صالح'' قرار دیتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی باطنی حالت صالح اور قلبی کیفیت نیک نہ ہو۔ چونکہ اللہ ربُّ العزّت عالم الغیب ہے اس لئے باریتعالیٰ جسے

''صالح'' قرار دیگا۔ وہ واقعی مولا کریم کے معیار کے عین مطابق نیک اور ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوگا۔

اگر کوئی مسیحی یہ اعتراض کرے کہ ''صالح'' معمولی لفظ ہے اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی ثابت نہیں ہوتی۔ تو اس اعتراض کا بہترین جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی بابت ارشاد فرمایا:۔

''اور جب وہ باہر نکل کر راہ میں جا رہا تھا تو ایک شخص دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس سے پوچھنے لگا کہ اَے نیک استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں ؟ یسوع نے اس سے کہا تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خُدا''۔

(مرقس ۱۰ : ۱۸،۱۷)۔

یاد رہے کہ عربی مرقس میں اس مقام پر لفظ ''صالح'' ہے۔

''مرقس'' کے اس مقام سے یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ آپؑ یقیناً ''خُدا'' نہ تھے۔ کیونکہ اگر آپؑ خُدا ہوتے تو اپنی بابت لفظ ''صالح'' کی نفی نہ فرماتے اور اس لفظ کو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے مخصوص نہ کرتے۔ پس آپؑ کے اس اندازِ بیان سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسےٰؑ نے اپنے آپ کو باریتعالیٰ سے جُدا، علیحدہ اور الگ وجود قرار دیا ہے۔ جس سے آپؑ کی الوہیّت واقنومیت ثابت نہیں ہوتی۔ نیز حضرت مسیح علیہ السلام کے اس فرمان مبارک سے یہ صداقت بھی ہر روشن ضمیر اور فہم مُنیر انسان پر خوب ظاہر ہو جائیگی کہ آپؑ نے باریتعالیٰ کی عزت و عظمت، شان وشوکت، رعب وجلال اور شانِ کبریائی کے پیشِ نظر ہی لفظ ''صالح'' کو خالق دو عالم کی طرف منسوب فرمایا۔ بالفاظ دیگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے علم وعقل نے ربِّ کائنات کی شانِ اقدس کیلئے اسی لفظ کا انتخاب اور اظہار فرمایا اور آپؑ کے علم وعقل میں اس سے اعلےٰ، افضل، ارفع اور اکمل، غرضیکہ ایسا اور کوئی لفظ نہ تھا جو باری تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ جبکہ آپؑ کے نزدیک لفظ ''صالح'' غیر معمولی اور بہت وزنی ہے۔ اور قرآن پاک نے یہ

لفظ حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں ارشاد فرمایا ہے پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ فرقان حکیم تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی اور عصمت ارشاد فرماتا ہے۔

اگر کوئی مسیحی یہ اعتراض کرے کہ قرآن پاک میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں لفظ ''معصوم'' موجود نہیں۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول حضرت مسیح علیہ السلام کے نزدیک اعلےٰ وارفع لفظ ''صالح'' ہی ہے۔تو آپ کے انتخاب کو ناپسند اور اس پر اعتراض کرنا ایماندار کا کام نہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تثلیث کی تعریف اور لفظ تثلیث بھی بائبل میں موجود نہیں۔تو بھی مسیحی دنیا تثلیث پر ایمان رکھتی ہے۔ ہماری طرف سے تو لفظ صالح کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے حق میں دکھایا گیا ہے۔ایسے میں یہ بات ببانگ دہل کہی جاسکتی ہے کہ قرآن حکیم اور فرقان کریم نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی پاکدامنی اور عصمت ارشاد فرما کر اپنی نورانیت کا برملا اظہار فرمادیا ہے مگر مسیحی علماء قیامت تک تمام حضرات انبیا علیہم السلام کو حضرت مسیحؑ کے فرمان سے صالحین ثابت کرنے سے قاصر و عاجز رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

عیسائیت کا گھٹاٹوپ اندھیرا

قرآن پاک کی اس نورانیت کے بعد عیسائیت کی تاریکی ظلمات اور گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ پڑھتا جا شرماتا جا۔ بائبل حضرات انبیاء علیہم السلام کی بابت کہتی ہے کہ:۔

ا:۔''اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۔اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔سو ان کے منہ الٹی طرف تھے اور انہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا۔اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا''۔(پیدائش ۹ : ۲۰ تا ۲۵)۔

یہاں الٹی گنگا بہتی ہے کیونکہ قصور حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا تھا۔ دیکھو خط کشیدہ الفاظ۔ مگر سیّدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بے گناہ پوتے کنعان کو ملعون قرار دیا۔

۲:- ''سولوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں''۔ (پیدائش ۱۹ : ۳۶)۔

۳:- ''تب یشوع نے ان سب لوگوں سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے آبا یعنی ابرہام اور نحور کا باپ تارح وغیرہ قدیم زمانہ میں بڑے دریا کے پار رہتے اور دوسرے معبودوں کی پرستش کرتے تھے''۔ (یشوع ۲۴ : ۲)۔

۴:- ''اور لابن کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راخل تھا۔ لیاہ کی آنکھیں چُندھی تھیں پر راخل حسین اور خوبصورت تھی۔ اور یعقوب راخل پر فریفتہ تھا''۔

(پیدائش ۲۹ : ۱۶تا۱۸)۔

۵:- ''لیکن کچھ عرصہ کے بعد گیہوں کی فصل کے موسم میں سمسون بکری کا ایک بچہ لیکر اپنی بیوی کے ہاں گیا اور کہنے لگا میں اپنی بیوی کے پاس کوٹھری میں جاؤنگا پر اس کے باپ نے اسے اندر جانے نہ دیا۔ اور اس کے باپ نے کہا مجھ کو یقیناً یہ خیال ہوا کہ تجھے اس سے سخت نفرت ہوگئی ہے اس لئے میں نے اُسے تیرے رفیق کو دے دیا۔ کیا اس کی چھوٹی بہن اس سے کہیں خوبصورت نہیں ہے؟۔ سو اس کے عوض تو اسی کو لے لے۔ سمسون نے ان سے کہا اس بار میں فلستیوں کی طرف سے جب مَیں ان سے برائی کروں بے قصور ٹھہرونگا۔ اور سمسون نے جا کر تین سو لومڑیاں پکڑیں اور مشعلیں لیں اور دُم سے دُم ملائی اور دو دو دُموں کے بیچ میں ایک ایک مشعل باندھ دی۔ اور مشعلوں میں آگ لگا کر اس نے لومڑیوں کو فلستیوں کے کھڑے کھیتوں میں چھوڑ دیا اور پُولیوں اور کھڑے کھیتوں دونوں کو بلکہ زیتون کے باغوں کو بھی جلا دیا''۔

(قضات ۱۵ : ۱تا۵)۔

حضرت سمسون علیہ السلام، خُدا کے نذیر یعنی نبی تھے۔ اور آپ پر خدا کی روح نازل ہوتی تھی۔

(قضات ۱۴ : ۶، ۱۹)۔عقل سلیم کو یہ فیصلہ ضرور کرنا چاہیے کہ کیا یہ نبوت کا اظہار ہے یا دہشت گردی کا مظاہرہ؟۔

۶:۔ ''پھر سمسون غزہ کو گیا۔وہاں اس نے ایک کسبی دیکھی اور اس کے پاس گیا اور غزہ کے لوگوں کو خبر ہوئی کہ سمسون یہاں آیا ہے۔انہوں نے اسے گھیر لیا اور ساری رات شہر کے پھاٹک پر اسکی گھات میں بیٹھے رہے پر رات بھر چپ چاپ رہے اور کہا کہ صبح کو روشنی ہوتے ہی ہم اسے مار ڈالینگے۔اور سمسون آدھی رات تک لیٹا رہا اور آدھی رات کو اُٹھ کر شہر کے پھاٹک کے دونوں پلوں اور دونوں بازوؤں کو پکڑ کر بینڈے سمیت اکھاڑ لیا اور ان کو اپنے کندھوں پر رکھ کر اس پہاڑ کی چوٹی پر جو جرون کے سامنے ہے لے گیا۔اس کے بعد سورق کی وادی میں ایک عورت سے جس کا نام دلیلہ تھا اسے عشق ہو گیا''۔ (قضات ۱۶ : ۱ تا ۴)۔

۷:۔ ''تب داؤد لوٹا تا کہ اپنے گھرانے کو برکت دے اور ساؤل کی بیٹی میکل داؤد کے استقبال کو نکلی اور کہنے لگی کہ اسرائیل کا بادشاہ آج کیسا شاندار معلوم ہوتا تھا۔جس نے آج کے دن اپنے ملازموں کی لونڈیوں کے سامنے اپنے کو برہنہ کیا جیسے کوئی بانکا بے حیائی سے برہنہ ہو جاتا ہے''۔ (۲-سموئیل ۶ : ۲۰)۔

۸:۔ ''اور داؤد بادشاہ بڈھا اور کہن سال ہوا اور وہ اُسے کپڑے اُڑھاتے پر وہ گرم نہ ہوتا تھا۔سو اس کے خادموں نے اس سے کہا کہ ہمارے مالک بادشاہ کیلئے ایک جوان کنواری ڈھونڈی جائے جو بادشاہ کے حضور کھڑی رہے۔اور اس کی خبر گیری کیا کرے اور تیرے پہلو میں لیٹ رہا کرے تا کہ ہمارے مالک بادشاہ کو گرمی پہنچے چنانچہ انہوں نے اسرائیل کی ساری مملکت میں ایک خوبصورت لڑکی تلاش کرتے کرتے شونمیت ابی شاگ کو پایا اور اسے بادشاہ کے پاس لائے اور وہ لڑکی بہت شکیل تھی سو وہ بادشاہ کی خبر گیری اور اس کی خدمت کرنے لگی لیکن بادشاہ اس سے واقف نہ ہوا''۔ (۱-سلاطین ۱ : ۱ تا ۴)۔

۹:۔’’تب ساؤل نے کہا تم داؤد سے کہنا کہ بادشاہ مہر نہیں مانگتا وہ فقط فلستیوں کی سو کھلڑیاں چاہتا ہے تاکہ بادشاہ کے دشمنوں سے انتقام لیا جائے ساؤل کا یہ ارادہ تھا کہ داؤد کو فلستیوں کے ہاتھ سے مروا ڈالے جب اس کے خادموں نے یہ باتیں داؤد سے کہیں تو داؤد بادشاہ کا داماد بننے کو راضی ہوگیا اور ہنوز دن پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ داؤد اٹھا اور اپنے لوگوں کو لیکر گیا اور دو سو فلستی قتل کر ڈالے اور داؤد ان کی کھلڑیاں لایا اور انہوں نے ان کی پوری تعداد میں بادشاہ کو دیا تاکہ وہ بادشاہ کا داماد ہو اور ساؤل نے اپنی بیٹی میکل اسے بیاہ دی‘‘۔

(۱-سموئیل ۱۸ : ۲۵ تا ۲۷)۔

’’کھلڑیاں‘‘ کا مطلب ومفہوم کتاب پیدائش سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ:۔’’اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا‘‘ (۱۷ : ۱۱)۔

یہ ستم ہے کہ ایک عورت کی خاطر دو سو انسانوں کو قتل کیا جائے ستم پہ ستم یہ کہ ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ان کے دو سو ۔ ۔ کاٹ لئے جائیں جبکہ مسیحی مبشر صاحب کے نزدیک ’’موجودہ مہذب عالمی معاشرہ‘‘ قابل حجت ہے۔ تو کیا اس معاشرہ کے نزدیک یہ نبوت ہے یا دہشت گردی؟ ’’اللہ رے تیرے دید کی صفائی‘‘۔

۱۰:۔’’مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لیکر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے‘‘۔ (گلتیوں کے نام پولُس رسول کا خط ۳ : ۱۳)۔

جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بابت مندرجہ بالا مسموم اور مذموم واقعات بائبل میں منقول ہیں ۔تو بھی ’’انجیل کی پاک روشنی‘‘ کی آواز لگائی جارہی ہے اور قرآن کریم میں اس مقدس گروہ کی بابت ایک بھی ایسا واقعہ پایا نہیں جاتا مگر پھر بھی ’’اسلام کی تاریکی‘‘ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں ۔تو اس واقعہ پر عقل سلیم یہ کہنے پر مجبور ہے۔ کہ یہاں الٹی گنگا بہتی ہے۔

وحشت میں سب کچھ الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

یہ اعتراض بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ قرآن مجید المائدۃ: ۵۴، میں اور بخاری شریف ''کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین'' کا باب ''حکم المرتد والمرتدۃ'' - کے تحت نبی پاک ﷺ کا فرمان مبارک موجود ہے۔ پس اعتراض باطل اور معترض جہالت وحماقت میں مبتلا ہے۔

اعتراض ۲۹: -''کس طرح یہودی اور مسیحی لوگ کافر کہلائے جاسکتے جب کہ ان کے پاس بھی آسمانی کتاب اور تمام الہامی پیغمبر ہیں۔ اور وہ آسمانی خدا، فرشتگان، یوم آخرت، مسیح کی آمد کے منتظر ہیں اور قرآن میں ان لوگوں کی بابت ،آخرت میں نیک اجر کا وعدہ ہے؟ اور قرآن کے مطابق یہودیوں اور مسیحیوں کو محمد اور قرآن ماننے کی ہرگز ضرورت بھی نہیں''۔

کیا اہل کتاب کافر ہیں؟

جواب: -فرمایئے قرآن وبائبل میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ اہل کتاب سچے نبی کے انکار سے کافر نہیں ہوتے؟۔

کاش کوئی اس بات کو سمجھ سکے کہ یہودیوں کے اہل کتاب ہونے کے باوجود بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:-

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ آسمان کی بادشاہی لوگوں پر بند کرتے ہو کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو''۔ (متی ۲۳ : ۱۳)۔

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ ایک مرید کرنے کے لیے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو

(متی ۲۳ : ۱۵)۔

''تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے''

(متی ۲۳ : ۲۳)۔

''اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی

سے بھرے ہو"(متی ۲۳ : ۲۸)۔

الحاصل حضرت مسیح علیہ السلام اپنے خط کشیدہ الفاظ میں یہودیوں کو کافر اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔اور جو مسیحی حضرت مسیح علیہ السلام کے ان الفاظ کا انکار کرے کیا وہ مسیحی ہے؟!!۔

لگے ہاتھوں یہ بھی سماعت فرمایئے کہ سامری لوگ بھی آسمانی کتاب کا نام لیتے اور ان کے پاس بھی تورات ہے۔چونکہ وہ تمام سچے انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہیں لاتے اس لئے وہ کافر ہیں۔بالکل اس طرح مسیحی لوگوں کا آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا پکا کفر ہے۔نیز قرآن مجید مسیحیوں کو الوہیتِ مسیح اور تثلیث کے قائل ہونیکی وجہ سے بھی کافر قرار دیتا ہے۔

(المائدۃ:۷۲ ، ۷۳)۔

نیز جو لوگ اللہ ربُّ العزت کے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر ایمان لاتے اور بعض کے منکر ہوں تو یہ لوگ خواہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں۔تو بھی قرآن کریم ان کو پکے کافر قرار دیتا ہے۔اور ان کیلئے "ذلّت کے عذاب" کا برملا اعلان وفرمان سناتا ہے۔(النسآء:۱۵۰،۱۵۱)۔اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(ال عمران:۸۵)۔

(اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین۔سو اس سے ہرگز قبول نہ ہو گا۔اور وہ آخرت میں خراب ہے)۔

الغرض منکرینِ اسلام کیلئے قرآن مجید میں نیک اجر کا کوئی وعدہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ عذاب کا وعدہ پختہ ہے۔آج جو لوگ اسلام پر طرح طرح کے بہتان لگاتے اور بے بنیاد اعتراضات کرتے ہیں تو کل قیامت کے دن تمنا کرینگے کہ کاش "ہم بھی مسلمان ہوتے"۔(الحجر:۲)۔

پس قرآن کریم کی کسی آیت مبارکہ سے غیر مسلم کو آخرت میں "نیک اجر" ملنے کی توقع رکھنا اور آس لگانا غلط فہمی صرف وہم وخیال اور نفس کا دھوکہ ہے۔ہاں البتہ قرآن پاک میں یہ فرمان

مبارک موجود ہے کہ جو کوئی اہل کتاب میں سے مشرف بہ اسلام ہوگا تو اسے دوہرا اجر ملیگا:۔

''اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ '' (القصص :۵۲ تا ۵۴)۔

(وہ لوگ (اہل کتاب) پائینگے اپنا ثواب دوہرا)۔

فرقان حکیم اور قرآن کریم کے اس فرمان مبارک کے مطابق اس سنہری موقعہ سے ہر اہل کتاب فائدہ اٹھا سکتا اور دوہرا اجر وثواب کما سکتا ہے:۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں

سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

جبکہ مسیحی مبشر صاحب کے نزدیک یہودی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہ لا کر بھی ایماندار ہیں کیونکہ یہودی اہل کتاب ہیں تو پھر حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں تو اب موصوف کو بھی یہودی ہو جانا چاہیئے !!۔

اعتراض ۳۰:۔''اسلام کا امن اور صلح کا پرچار؟ پھر کیوں قرآن قریب 16 بار، مسلمانوں کو انسانیت کے قتل وغارت کا حکم دیتا اور 64 کے قریب ایسے قرآنی بیانات ہیں جن میں غیر مسلموں سے جنگ، نفرت، حسد، بیچ، عداوت، بدلہ، دشمنی کا حکم ملتا۔اور سورۃ محمد کی 34 آیت کے مطابق قرآن تو اپنے دشمنوں سے صلح کی بھی ترغیب نہیں دیتا (جبکہ یسوع مسیح حکم دیتا ہے کہ اپنے دشمنوں کو معاف کرو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دُعا کرو) (اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلا۔ بائیبل کا بیان)۔

اجتماعی اور انفرادی زندگی میں فرق ہے

جواب:۔ عالم الغیب تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے۔ ویسے طرز تحریر سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ لطیف شے کی کمی اور مراق کا اثر ہے کیونکہ اجتماعی زندگی اور انفرادی زندگی کے فرق کو سمجھا نہیں گیا۔اور جس مسئلہ کی وجہ سے اہل اسلام پر اعتراض کیا گیا ہے۔وہ مسئلہ تو بائبل میں بھی

موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

۱:۔ ''جب خداوند تیرا خُدا تجھ کو اس ملک میں جس پر قبضہ کرنے کیلئے تو جا رہا ہے پہنچا دے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو یعنی حتّیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزّیوں اور حِوّیوں اور یبوسیوں کو جو ساتوں قومیں تجھ سے بڑی اور زور آور ہیں نکال دے۔ اور جب خداوند تیرا خُدا انکو تیرے آگے شکست دلائے اور تُو ان کو مار لے تو تُو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تُو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا۔ اور نہ ان پر رحم کرنا''۔ (استثناء ۷: ۱، ۲)۔

۲:۔ ''جب تُو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بنکر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تُو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خُدا اُسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تُو اپنے دشمنوں کی اُس لُوٹ کو جو خداوند تیرے خُدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں پر ان قوموں کے شہروں میں جنکو خداوند تیرا خُدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا''۔ (استثنا ۲۰ : ۱۰ تا ۱۶)۔

۳:۔ ''جب تُو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو نکلے اور خُداوند تیرا خُدا انکو تیرے ہاتھ میں کر دے اور تُو اُن کو اسیر کر لائے۔ اور اُن اسیروں میں کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر تُو اس پر فریفتہ ہو جائے اور اس کو بیاہ لینا چاہے تو تُو اسے اپنے گھر لے آنا اور وہ اپنا سر مُنڈوائے اور اپنے ناخن ترشوائے۔ اور اپنی اسیری کا لباس اتار کر تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ تک اپنے ماں باپ کیلئے ماتم کرے۔ اس کے بعد تُو اُس کے پاس جا کر اس کا شوہر ہونا اور وہ تیری

بیوی بنے''۔(استثنا ۲۱ : ۱۰تا۱۳)۔

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھ کر نتیجہ اخذ کیجئے۔

۴:- ''اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھے کیا بیل کیا بھیڑ کیا گدھے سب کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست کر دیا۔اور یشوع نے ان دونوں آدمیوں سے جنہوں نے اس ملک کی جاسوسی کی تھی کہا کہ اس کسبی کے گھر جاؤ اور وہاں سے جیسی تُم نے اُس سے قسم کھائی ہے اس کے مطابق اُس عورت کو اور جو کچھ اس کے پاس ہے سب کو نکال لاؤ۔تب وہ دونوں جوان جاسوس اندر گئے اور راحب کو اور اس کے باپ اور اس کی ماں اور اس کے بھائیوں کو اور اس کے اسباب بلکہ اس کے سارے خاندان کو نکال لائے اور ان کو بنی اسرائیل کی خیمہ گاہ کے باہر بٹھا دیا۔پھر انہوں نے اُس شہر کو اور جو کچھ اس میں تھا سب کو آگ سے پھونک دیا اور فقط چاندی اور سونے کو اور پیتل اور لوہے کے برتنوں کو خداوند کے گھر کے خزانہ میں داخل کیا''۔(یشوع ۶ : ۲۱تا۲۴)۔

۵:- ''اور جب عی کے لوگوں نے پیچھے مُڑ کر نظر کی تو دیکھا کہ شہر کا دُھواں آسمان کی طرف اُٹھ رہا ہے۔اور ان کا بس نہ چلا کہ وہ اِدھر یا اُدھر بھاگیں اور جو لوگ بیابان کی طرف بھاگے تھے وہ پیچھا کرنے والوں پر الٹ پڑے۔اور جب یشوع اور سب اسرائیلیوں نے دیکھا کہ گھات والوں نے شہر لے لیا اور شہر کا دھواں اٹھ رہا ہے تو انہوں نے پلٹ کر عی کے لوگوں کو قتل کیا۔اور وہ دوسرے بھی ان کے مقابلہ کو شہر سے نکلے۔سو وہ سب کے سب اسرائیلیوں کے بیچ میں جو کچھ تو اِدھر اور کچھ اُدھر تھے پڑ گئے اور انہوں نے ان کو مارا یہاں تک کہ کسی کو نہ باقی چھوڑا نہ بھاگنے دیا اور وہ عی کے بادشاہ کو زندہ گرفتار کر کے یشوع کے پاس لائے۔اور جب اسرائیلی عی کے سب باشندوں کو میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں انہوں نے ان کا پیچھا کیا تھا قتل کر چکے اور وہ سب تلوار سے مارے گئے یہاں تک کہ بالکل فنا ہو گئے تو سب اسرائیلی عی کو پھرے اور اسے تہ

تیغ کر دیا۔ چنانچہ وہ جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت ملا کر بارہ ہزار یعنی عی کے سب لوگ تھے۔ کیونکہ نے یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے وہ برچھے کو بڑھائے ہوئے تھا نہیں کھینچا جب تک اس نے عی کے سب رہنے والوں کو بالکل ہلاک نہ کر ڈالا۔ اور اسرائیلیوں نے خداوند کے حکم کے مطابق جو اس نے یشوع کو دیا تھا۔ اپنے لئے فقط شہر کے چوپایوں اور مال غنیمت کو لوٹ میں لیا۔ پس یشوع نے عی کو جلا کر ہمیشہ کیلئے اسے ایک ڈھیر اور ویرانہ بنا دیا جو آج کے دن تک ہے۔ اور اس نے عی کے بادشاہ کو شام تک درخت پر ٹانگ کر رکھا اور جوں ہی سورج ڈوبنے لگا انہوں نے یشوع کے حکم سے اس کی لاش کو درخت سے اتار کر شہر کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور اس پر پتھروں کا ایک بڑا ڈھیر لگا دیا جو آج کے دن تک ہے"۔ (یشوع ۸ : ۲۰ تا ۲۹)۔

۶:- "پھر یشوع اور اس کے ساتھ سب اسرائیلی دبیر کو لوٹے اور اس سے لڑے۔ اور اس نے اسے اور اس کے بادشاہ اور اس کی سب بستیوں کو فتح کر لیا اور انہوں نے ان کو تہِ تیغ کیا اور سب لوگوں کو جو اس میں تھے بالکل ہلاک کر دیا۔ اس نے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ جیسا اس نے جرون اور اس کے بادشاہ سے کیا تھا۔ ویسا ہی دبیر اور اس کے بادشاہ سے کیا ایسا ہی اس نے لِبناہ اور اس کے بادشاہ سے بھی کیا تھا۔ سو یشوع سے سارے ملک کو یعنی کوہستانی ملک اور جنوبی قطعہ اور نشیب کی زمین اور ڈھلانوں اور وہاں کے سب بادشاہوں کو مارا۔ اس نے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا بلکہ وہاں کے ہر متنفس کو جیسا خداوند اسرائیل کے خُدا نے حکم کیا تھا بالکل ہلاک کر ڈالا۔ اور یشوع نے ان کو قادِس برنیع سے لیکر غزّہ تک اور جشن کے سارے ملک کے لوگوں کو جبعون تک مارا۔ اور یشوع نے ان سب بادشاہوں پر اور ان کے ملک پر ایک ہی وقت میں تسلط حاصل کیا اس لئے کہ خداوند اسرائیل کا خُدا اسرائیل کی خاطر لڑا"۔ (یشوع ۱۰ : ۳۸ تا ۴۲)۔

۷:- "اس کے بعد داؤد نے فلستیوں کو مارا اور ان کو مغلوب کیا اور داؤد نے دارالحکومت کی عنان فلستیوں کے ہاتھ سے چھین لی۔ اور اس نے موآب کو مارا اور ان کو زمین پر لٹا کر رسی سے ناپا۔ سو اس نے قتل کرنے کے لئے دو رسیوں سے ناپا اور جیتا چھوڑنے کے لئے ایک پوری رسی

ہے۔ یوں موآبی داؤد کے خادم بن کر ہدیے لانے لگے۔ اور داؤد نے ضوباہ کے بادشاہ رحوب کے بیٹے ہددعزر کو بھی جب وہ اپنی دریائی فرات پر کی سلطنت پر پھر قبضہ کرنے کو جارہا تھا مارلیا۔ اور داؤد نے اس کے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لئے۔ اور داؤد نے رتھوں کے سب گھوڑوں کی کھونچیں کاٹیں پر ان میں سے سو رتھوں کیلئے گھوڑے بچا رکھے۔ اور جب دمشق کے ارامی ضوباہ کے بادشاہ ہددعزر کی کمک کو آئے تو داؤد نے ارامیوں کی بائیس ہزار آدمی قتل کئے''۔ (۲-سموئیل ۸ : ۱تا۵)۔

قرآن پاک کے جس مسئلہ پر اعتراض کیا گیا ہے۔ تو وہ مسئلہ بائبل کے مندرجہ بالا سات مقامات سے بھی ثابت ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ اعتراض قرآن شریف پر نہیں بلکہ بائبل پر وارد ہوتا ہے کیونکہ بائبل قرآن مجید سے بہت عرصہ پہلے کی ہے۔ بالفاظ دیگر بائبل وہ پہلی کتاب ہے جو اپنے ماننے والوں کو میدان کارزار گرمانے اور تلوار چلانے کا حکم دیتی ہے۔ پس اس حقیقت کے پیش نظر معترض کی عقل وعلم کا حال عجیب ہے۔

کیونکہ بائبل پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور پھر اس کی تعلیمات پر اعتراض بھی کرتے ہیں۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جن کے سبب
انہی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

اسلام میں غیر مسلم سے صلح کا حکم ہے

باقی رہی سورۃ محمد کی آیت ۳۴۔ تو یاد رہے کہ نسیان غالب ہے اصل آیت ۳۵ ہے تو اسکا صحیح مطلب ومفہوم سماعت فرمایئے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

''یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سُست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں۔ ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائینگے اور جماعت اسلام کو مغلوب ورسوا ہونا پڑیگا۔ ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے

تو اس اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ آگے سورہ ''فتح'' میں آتا ہے۔ بہر حال صلح کی بناء اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہیے''۔ (تفسیر فوائد عثمانیؒ)

اس سورۃ مبارکہ سے اگلی سورۃ ''الفتح'' ہے اس میں مشرکین مکہ سے صلح کا ذکر ہے جسے اسلامی دنیا میں ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے نیز صلح کی بابت فرمان الٰہی یہ بھی ہے:-

'' وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ''۔ (الانفال: ۶۱)۔

(اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تُو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا)۔

جبکہ قرآن مجید میں مسلمانوں کیلئے کافروں سے صلح کرنیکا فرمان مبارک موجود ہے تو اس صداقت کے پیش نظر اعتراض واپس لے لینا چاہیے۔

''(جب کہ یسوع مسیح حکم دیتا ہے کہ اپنے دشمنوں کو معاف کرو اور اپنے ستانے والوں کیلئے دُعا کرو)''۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ان دونوں حکموں کی بابت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپؑ کا عمل بھی ان پر تھا؟ تو عقل سلیم یہ جواب دیتی ہے کہ ''ہاں''۔ مگر انجیل متی سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہودیوں نے آپؑ کو تنگ کرنے اور ستانے کیلئے معجزہ مانگا تو آپؑ نے ان کو یہ دعا دی کہ:-

''اس زمانہ کے بُرے اور زنا کار لوگ''۔ ان الفاظ کے بعد معجزہ بھی نہیں دکھایا صرف وعدہ فرمالیا۔ (متی ۱۶ : ۴)۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو یہودی طرح طرح سے ستاتے تھے تو آپؑ نے یہودیوں کو ستانے کے بدلہ میں مندرجہ ذیل ''دعائیں'' دیں:-

''اے اندھے راہ بتانے والو'' (متی ۲۳ : ۱۶)۔

''اے احمقو اور اندھو'' (متی ۲۳ : ۱۷)۔

''اے سانپو! اے افعی کے بچو'' (متی ۲۳ : ۳۳)۔

عقل سلیم سے دریافت کیجئے کہ ان مقامات کو کیا کہا اور کیا سمجھا جائے؟۔

رسول پاک ﷺ کے لاثانی خلق عظیم کا مظاہرہ

اس کے بعد بہت مناسب معلوم ہوتا اور نہایت زیب دیتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے خلق عظیم کا بھی ذکر خیر ہو جائے تو ملاحظہ فرمایئے:-

مشرکین مکّہ نے نبی اکرم ﷺ کو تقریباً تیرہ سال ستایا، بہت ستایا اور ظلم وستم کی انتہا کر دی۔ نیز وادی طائف کے ساکنوں اور باشندوں نے بھی آپؐ پر جور و جفا کے پہاڑ توڑے مگر رسول پاک ﷺ کی زبان مبارک سے مذکورہ بالا انجیلی الفاظ کی طرح ایک بھی لفظ نہ نکلا اور آپؐ نے ان کے حق میں بد دعا بھی نہیں فرمائی بلکہ آپؐ نے ان سب کے حق میں رُشد وہدایت کی دعا فرمائی۔ آج سرکار دو عالم ﷺ کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ اقوام عالم کے سامنے ہے کہ ان مقامات پر اسلام کا نورانی اور روحانی پرچم اپنی شان وشوکت اور پوری آن بان کے ساتھ لہرا رہا ہے۔ اسی وجہ سے کسی نے نبی اکرم ﷺ کی شان اقدس میں کیا خوب کہا ہے:-

''سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دُعائیں دیں۔''

رحمت دو عالم ﷺ فتح مکّہ کے موقعہ پر مشرکین مکّہ سے تیرہ سال کے ظلم وستم کا انتقام لینے کی پوری پوری قوت وطاقت رکھتے تھے۔ مشرکین مکّہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ، ان کے خون کی ہولی کھیل اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتے تھے مگر آپؐ نے اپنے خلق عظیم اور رحمت للعالمین ﷺ ہونے کا یہ عملی مظاہرہ اور ثبوت مہیا فرمایا کہ آپؐ نے اپنے دشمنوں کیلئے عام معافی کا یوں اعلان فرما دیا:-

''لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ '' (آج تم پر کچھ الزام نہیں)۔

غور فرمایئے! کہ بائبل سے جو فتوحات کے سات واقعات نقل کئے گئے ہیں چونکہ ان میں اس

خلق عظیم کی جھلک بھی پائی نہیں جاتی اس لئے رسول پاک ﷺ کا عام معافی کا اعلان ان واقعات پر فوقیت واوّلیت رکھتا ہے۔آپؐ کے اس خلق عظیم کے مظاہرہ سے دنیا حیران ہے چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب ایم،اے نے اس واقعہ پر یوں تبصرہ کیا ہے:۔

''غالباً روئے زمین کی تواریخ میں کسی فاتح نے ایسی بردباری، تحمل، دانشمندی، پیش بینی اور دُور اندیشی سے کام نہیں لیا۔جس طرح آنحضرت نے فتح مکہ کے وقت لیا تھا''۔

(محمد عربی صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹)۔

الغرض رسول کریم ﷺ نے جس خلق عظیم کا مظاہرہ فتح مکہ کے وقت ظاہر فرمایا۔وہ پہلے کبھی زمین پر ہوا نہیں، آسمان نے دیکھا نہیں اور تاریخ میں ملتا نہیں۔ایسے ہی محامد ومحاسن کے پیش نظر ہم اہل اسلام شافع محشر اور ساقیءِ کوثر ﷺ کی شان اقدس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

خرد ہے میری، تیری تعریف سے قاصر

آقا! تیری تعریف کے عنوان بہت ہیں

اس مقام پر شاید کوئی یہ کہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے دشمنوں کو معافی کا فرمان مبارک سنایا تھا:۔

''یسوع نے کہا اے باپ! اِن کو معاف کر کیونکہ یہ جانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں''۔

(لوقا ۲۳ : ۳۴)۔

بقول انجیل لوقا حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ تختہ دار پر فرمائے تھے اس وقت آپؑ بے بس، بے کس اور اقتدار آپؑ کے ہاتھ میں نہ تھا۔رسول پاک ﷺ نے جس وقت عام معافی کا اعلان فرمایا تھا اس وقت آپؐ بے کس، بے بس نہ، بلکہ اقتدار آپؐ کے ہاتھ میں تھا۔تو اس لحاظ سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے عام معافی کے اعلان کو سرکار دو عالم ﷺ کے عام معافی کے اعلان پر ترجیح نہیں دی جاسکتی۔اسی بات کو حضرت شیخ سعدیؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اس اعتراض کے آخری الفاظ یہ ہیں :-''(اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلا ۔ بائبل کا بیان)''

پہلے سات مقامات جو بائبل سے نقل کئے گئے ہیں ان کے گذشتہ بالا نمبروں کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے :-

۴ :- میں بائبل کے الفاظ :-(کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، کیا بڈھے، کیا بیل، کیا بھیڑ، کیا گدھے)- اِن سب کو موت کے گھاٹ اتارا اور تلوار سے مارا۔

۵ :- میں بائبل کے الفاظ (جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت بارہ ہزار ۔)-

۷ :- میں بائبل کے الفاظ (داؤد نے ارامیوں کے بائیس ہزار آدمی قتل کئے ۔)-

بائبل کا حکم :-(''اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلا'' ۔) اِسے کیا کہیے؟ یادر ہے کہ یہ جواب مسیحی مبشر صاحب کے عندیہ کے مطابق تحریر کیا گیا ہے۔

اعتراض ۳۱ :-''جس نے ایک انسان کو قتل کیا، اس نے تمام انسانیت کو قتل کر دیا؟ اس عقیدہ کے مطابق کیونکر جہاد اور قتل و غارت کی اسلام وکالت کرتا پھرتا؟''۔

جواب :- چونکہ ''اجتماعی زندگی'' اور'' انفرادی زندگی'' کے فرق کو سمجھا نہیں گیا اس لئے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ اسلام کسی مسلمان کو یہ اجازت یقیناً اور ہرگز ہرگز نہیں دیتا کہ وہ کسی کو قتل کرے۔ ہاں البتہ جس طرح تمام دنیا کے حکمران اپنے اپنے ممالک کی سرحدات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اس کو کوئی بھی برا نہیں کہتا۔ بالکل اسی طرح اسلام کو بھی اپنے ملک کی سرحدات کی حفاظت کا حق حاصل ہے اور اس کیلئے اسلام نے مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ تو اس مسئلہ پر اعتراض کرنا دراصل تمام دنیا کی حکومتوں پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے پس ایک صحیح الدماغ

انسان کا یہ کام نہیں کہ اس مسئلہ پر اعتراض کرے۔اس کے علاوہ بائبل میں جو جہاد کے مسائل اور قتل وغارت کے واقعات تفصیل سے درج ہیں ان کو کس کھاتے میں ڈالا جائیگا؟۔

اعتراض ۳۲:۔''انسان کے گناہوں کی معافی کی بابت قرآن کیوں کوئی حل اور ذریعہ پیش نہیں کرتا؟اور گناہوں سے ابدی نجات کی بابت قرآن اور محمد اور احادیث کی خاموشی اور کوئی حل پیش نہیں کیا جاسکا''۔

جواب:۔چونکہ مرضِ نسیان میں مبتلا ہیں اس لئے بھول گئے ہیں کیونکہ اسی مفہوم کا اعتراض،اعتراض ۲۴ میں بھی موجود ہے فرق صرف الفاظ کے ہیر پھیر کا ہے۔چونکہ اس جھوٹ کا پول اعتراض ۲۴ کے جواب میں کھول دیا گیا ہے اس لئے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

اعتراض ۳۳:۔''کیا گناہ گار انسان جو گناہ کی حالت ہی میں پیدا ہوا،کیونکر راست باز ٹھہر سکتا ہے جبکہ اس کی فطرت میں بدی اور گناہ کا تخم موجود ہے؟''۔

حضرت آدمؑ کو معافی مل گئی

جواب:۔اس مفروضہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام اور امی جان حضرت حوا علیہا السلام سے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے سے جو گناہ ہوا تھا چونکہ وہ موروثی طور پر اولادِ آدمؑ میں بھی منتقل ہوا اس لئے ہر انسان فطری طور پر گناہ گار ہے گو اس مفروضہ کا غلط ہونا اعتراض ۲۴، کے تحت مسئلہ کفارہ کے چوتھے نمبر میں موجود ہے مگر اس جگہ دیگر طرز سے بھی سماعت فرمائیے اور لذت اٹھائیے!

جبکہ سیّدنا حضرت آدم علیہ السلام اور امی جان حضرت حوا علیہا السلام کو پھل کھانے کی بالترتیب ''مشقت کے ساتھ''(پیدائش ۳ : ۱۷)-اور''درد کے ساتھ'' پیدائش ۳ : ۱۶)سزا مل گئی تو علم و عقل اور انصاف وعدل اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ جبکہ جرم کی سزا دے دی گئی تو گناہ باقی اور اولاد میں کیونکر منتقل ہوا؟اور قرآن کریم نے توبہ کا ذکر فرما کر معافی کا اعلان فرمادیا(البقرۃ :۳۷)-

اس اسلامی اور قرآنی نقطہ نظر سے بھی اسی حقیقت کا برملا اور کھلم کھلا اظہار ہوتا ہے کہ جب گناہ کی معافی دے دی گئی تو گناہ کیونکر باقی رہا اور اولادِ آدمؑ کو وراثت میں کیسے ملا؟۔

ذرا اس بات پر بھی توجہ فرمایئے کہ جبکہ دنیا کی عدالتیں مجرم کو کسی جرم کی معافی یا سزا دے دیتی ہیں تو معافی یا سزا ملنے کے بعد دوبارہ بلا جرم کئے اس کی سزا نہیں دیتیں۔ اگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تو کسی وکیل سے سمجھ لی جائے۔ پس جبکہ اللہ رب العزت نے دونوں کو سزا دے دی تو اولادِ آدمؑ میں گناہ کے منتقل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ''رحمت وشفقت'' اور سیدنا حضرت آدمؑ کی جسمانی (اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ پیدائش ۱ : ۲۷) اور روحانی (نبوت) ''عزت وعظمت'' کے پیشِ نظر سزا ہونی یا معافی ملنی چاہیے؟ تو مذہبی عقل اس مقام پہ یہ بات کہتی ہے کہ سزا قطعاً نہیں بلکہ معافی یقیناً ملنی چاہیے۔ پس قرآن کریم اور فرقان حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں (اپنی ''رحمت وشفقت'' اور سیدنا حضرت آدمؑ کی ''عزت وعظمت'') باتوں کو مدنظر رکھکر سیدنا حضرت آدمؑ کی توبہ اور اپنی معافی کے فرمان مبارک کا اعلان فرمایا۔ (البقرۃ : ۳۷)۔

تورات نے سیدنا حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی سزا کا ذکر کر کے رب کائنات کی صفت ''قہار'' کا اظہار کیا ہے جبکہ قرآن پاک نے ان کو معافی کا فرمان سنا کر اللہ تبارک تعالیٰ کی صفت ''غفار'' کا اظہار فرمایا ہے تو قرآن کریم کا یہ نرالا طرز اور اچھوتا بیان تورات کے بیان پر سبقت لے گیا ہے۔

بھاتی نہیں نگاہ کو یہ تیز روشنی

اے چاند! ڈوب جا کہ طبیعت اداس ہے

اعتراض ۳۴:۔ ''کس طرح ظاہری نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ، ایسے پیدائشی گناہ گار شخص کو راستباز ٹھہرا سکتے؟ جبکہ انسانیت کے اندر کا باطن اور انسانیت کی روح، حوا اور آدم کے

گناہ اور گمراہی کے باعث خدا کے جلال سے نکال باہر کی جا چکی ہے؟''

انسان پیدائشی گناہ گار نہیں

جواب :- یہ اعتراض ہم پر وارد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ بقول بابو جی جبکہ سیدنا حضرت آدمؑ اور امی جان حضرت حواؑ کے گناہ کے باعث ان کی اولاد سے روح خدا تعالیٰ کے جلال سے باہر نکل چکی تھی۔ تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو ظاہری احکامات دے کر اولاد آدمؑ کی اصلاح اور فلاح و بہبودی کے لیے کیوں بھیجا؟ نیز حضرت مسیح علیہ السلام نے کفارہ سے پہلے اپنی امت کو اپنے حکموں پر عمل پیرا ہونے کی کیوں تاکید فرمائی؟ جیسا کہ مندرجہ ذیل مقامات سے ظاہر ہوتا ہے:-

''پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑیگا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے چھوٹا کہلائے گا لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا'' (متی ۵ : ۱۹)۔

''اگر تم مرے حکموں پر عمل کروگے تو میری محبت میں قائم رہو گے جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا ہے اور اس کی محبت میں قائم ہوں'' (یوحنا ۱۵ : ۱۰)۔

''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کروگے''۔ (یوحنا ۱۴ : ۱۵)۔

پس حضرت مسیح علیہ السلام کے ان ارشادات کے پیش نظر یہ اعتراض صداقت سے دور اور صرف ذہنی ایجاد اور اختراع ہے۔ اگر بالفرض محال اس اختراع کو صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی بات بنتی نہیں، دال گلتی نہیں اور بیل منڈھے چڑھتی نہیں کیونکہ جب دونوں نے پھل تناول فرمایا تو اس کے بعد اسلامی نظریہ کے مطابق معافی اور مسیحی نظریہ کے مطابق دونوں کو سزا دی گئی تو کفارہ بھی اسی وقت اور فوراً چاہیے تھا تا کہ اولاد آدمؑ موروثی گناہ کے باعث باریتعالیٰ کے جلال سے باہر نہ رہے مگر یہاں الٹی گنگا بہتی ہے کہ کفارہ ہزاروں سال بعد دیا گیا تو اس مدت مدید اور عرصہ بعید میں جو بے شمار، لاتعداد اور ان گنت انسان اس دنیا سے چل بسے ان کے گناہ گار رہونے کا کون

ذمہ دار ہے؟

جبکہ ذات حق تو غفور اور رحیم ہے۔ باقی رہا یہ الفاظ (ایسے پیدائشی گناہ گار شخص کو راست باز ٹھہرا سکتے ہیں؟) تو یہ الفاظ بھی بائبل سے میل نہیں کھاتے بلکہ جداگانہ چیز نظر آتے ہیں کیونکہ بائبل حضرت مسیح کے مفروضہ کفارہ سے قبل بہت سے افراد کو راستباز قرار دیتی ہے ملاحظہ فرمایئے!

۱:۔سیدنا حضرت نوح علیہ السلام راستباز اور بے عیب تھے۔ (پیدائش۶ : ۹ ، ۷ : ۱)۔

۲:۔سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کامل، راستباز اور بدی سے دور رہتے تھے۔

(ایوب ۱ : ۱ : ۸ ، ۲ : ۳)۔

۳:۔راستباز اور کامل لوگ ملک میں بسینگے۔ (امثال ۲ : ۲۱)۔

۴:۔راستباز کو بے سبب برگشتہ کرتے ہیں۔ (یسعیاہ ۲۹ : ۲۱)۔

۵:۔مجھے راستباز ٹھہرانے والا نزدیک ہے۔ (یسعیاہ ۵۰ : ۸)۔

۶:۔پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ (متی ۱ : ۱۹)۔

۷:۔راستباز ہابل کے خون سے لے کر۔ (متی ۲۳ : ۳۵)۔

۸:۔سیدنا حضرت یوحنا علیہ السلام راستباز اور مقدس تھے۔ (مرقس ۶ : ۲۰)۔

۹:۔سیدنا حضرت زکریا علیہ السلام اور آپؑ کی زوجہ محترمہ دونوں راستباز تھے۔ (لوقا۱ : ۶)۔

۱۰:۔شمعون راستباز اور خداترس اور ایسا راستباز کہ اس پر روح القدس تھا۔ (لوقا۲ : ۲۵)۔

غور فرمایئے کہ بائبل کے یہ دس مقامات موصوف کے زیر نظر الفاظ کی زبردست تردید اور مخالفت کرتے ہیں پس ایسے میں انسان کے پیدائشی طور پر گناہ گار ہونے کی کہانی ایسی ہی ہے جیسے ہندوؤں نے ''دسہرہ'' اور اپنے دوسرے مذہبی راہ نماؤں کی بابت بے سروپا روایات وضع کر رکھی

ہیں۔ مسیحی مبشر صاحب کے اعتراضات سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ کفارہ پر ایمان لے آؤ بس کافی ہے باقی شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جناب پولوس کا فتوٰی یہ ہے:۔

''اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا'' (گلتیوں ۳ : ۱۳)۔

چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے ہیں اس لئے شریعت لعنت ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ لعنت پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں چلو چھٹی ہوئی بس اب پاک ہو گئے اور پاک لوگوں کے لیے جناب پولوس کا یہ فرمان مبارک ہے کہ:۔'' پاک لوگوں کے لئے سب چیزیں پاک ہیں مگر گناہ آلودہ اور بے ایمان لوگوں کے لئے کچھ بھی پاک نہیں بلکہ ان کی عقل اور دل دونوں گناہ آلودہ ہیں''۔ (ططس کے نام پولوس رسول کا خط ۱ : ۱۵)۔

اب بازار حسن جاؤ

یا

مے اُڑاؤ کوئی خطرہ نہیں!!

یارو ! اس دور کی خوشیاں مناؤ

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

ہم اہل اسلام اسلامی نقطہ نظر سے اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس عالم فناہ میں بھیجنے سے پہلے اپنے رب تعالیٰ ہونے کا اقرار کروایا تھا (الاعراف: ۱۷۲)۔ اس اقرار میں باری تعالیٰ کی دونوں طرح کی (جسمانی اور روحانی) ربوبیت شامل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اقرار انسان کو یاد نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کو تو یہ بھی یاد نہیں کہ آج سے آٹھ دن پہلے کس سالن سے روٹی کھائی تھی؟۔ الحاصل انسان کا یہ اعتراض صحیح نہیں باریتعالیٰ کا فرمان مبارک بجا اور برحق ہے۔ رب کائنات کے اس اقرار سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے انسان کے باطن میں نیکی کا تخم بویا تھا۔ اس لیے ہر بچہ جو دنیا میں پیدا ہوتا وہ نیک فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اگر نیک فطرت ہوتے ہیں وہ اسی

فطرت پر رکھتے ہیں اور اگر اس کے والدین بدفطرت پر ہوتے ہیں تو اسے بھی بدفطرت پر کر لیتے ہیں اور بعض اوقات انسان خود بھی بدفطرت اختیار کر لیتا ہے۔ ہم اہل اسلام اس بات کے ہزار بار منکر ہیں کہ سیدنا حضرت آدمؑ کے شجر ممنوعہ کا پھل تناول فرمانے کی وجہ سے انسان موروثی اور پیدائشی طور پر گناہ گار اور اس سے نیک اعمال پر عمل کرنے کی قوت طاقت سلب ہوگئی ہے۔ جسے دیگر الفاظ میں یوں کہا گیا ہے کہ خدا کے جلال سے باہر کی جا چکی ہے یہ کہنا کہ قرآن کریم میں انسان کی ابدی نجات کا مسئلہ حل نہیں کیا گیا سفید جھوٹ ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ مسئلہ بار ہا مقامات پر یوں حل فرمایا گیا ہے کہ ہر گناہ سے سچی، پکی اور خلوص کے ساتھ توبہ کرنے کے بعد اسلام کے مبارک احکامات پر عمل پیرا ہو جاؤ بس اسی میں اور اسی سے نجات ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:-

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(البقرة : ۲۵)-

(اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں)-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

(البقرة ۸۲)-

(اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہینگے)-

قرآن پاک کے ان ارشادات کے باوجود، اگر کوئی پھر بھی یہ کہتا رہے کہ قرآن شریف میں انسان کی نجات کا کوئی حل نہیں تو اس کی زبان کو کون روک سکتا ہے؟ کیونکہ کفار حضرات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تھے۔

اعتراض ۳۵:- ''کیوں محمد کی چودھوی صدی میں قیامت کے آنے کی پیش گوئی کیوں پوری نہ ہو سکی''۔

جواب: -یہ بات جھوٹ، فریب، بہتان اور مجذوب کی بڑ ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں ہرگز ہرگز اور یقیناً موجود نہیں اگر قرآن وحدیث میں موجود ہے تو حوالہ پیش کیجیے؟۔

فقط اک آہ کرنے سے ہزاروں انگلیاں اٹھیں

جو دل قابو میں ہو تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو

مسیحؑ کا نزول آسمانی کا وعدہ پورا نہیں ہوا

البتہ یہ بات یقیناً سچی اور صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنی آمد ثانی کی پیشگوئی یا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا نہیں ہوا ملاحظہ کیجئے اور کف افسوس ملیئے:۔

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے''۔

(متی ۱۶ : ۲۸، مرقس ۸ : ۳۸، ۹ : ۱)

مسیحی کلیسیا کے مایہ ناز رسول پولس آپؑ کے اس فرمان مبارک کی بابت لکھتے ہیں:۔

''چنانچہ ہم تم سے خداوند کے کلام کے مطابق کہتے ہیں کہ ہم جو زندہ ہیں اور خداوند کے آنے تک باقی رہیں گے سوئے ہوؤں سے ہرگز آگے نہ بڑھینگے کیونکہ خداوند خود آسمان سے للکار اور مقرب فرشتہ کی آواز اور خدا کے نرسنگے کے ساتھ اتر آئے گا اور پہلے تو وہ جو مسیح مین موئے جی اٹھینگے پھر ہم جو زندہ باقی ہونگے ان کے ساتھ بادلوں پر اٹھائے جائیں گے تا کہ ہوا میں خداوند کا استقبال کریں اور اس طرح ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہیں گے۔ پس تم ان باتوں سے ایک دوسرے کو تسلی دیا کرو''۔ (۱۔ تھسلنیکیوں ۴ : ۱۵ تا ۱۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب پولس کے الفاظ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جب آپؑ دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے تو اس وقت آپؑ کے بعض مقدس شاگرد اور جناب پولس زندہ ہوں گے اور آپؑ کا ہوا میں استقبال کرینگے۔ مگر آپؑ کا یہ وعدہ یا پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپؑ کے بعض مقدس شاگرد تو درکنار بلکہ تمام مقدس شاگرد اللہ کو پیارے ہو چکے اور جناب پولس

بھی دنیا سے چل بسے ہیں مگر آپ اپنی مقرر فرمائی ہوئی مدت میں ابھی تک آسمان سے نازل نہیں ہوئے۔ اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ آپ نے یہ پیشگوئی ۳۲ء میں ارشاد فرمائی تھی تو اب ۲۰۰۲ء ہے۔ مگر یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ کاش بابو جی اس سے کچھ سوچ سکیں۔

تیری راہ تکتے تکتے سحر ہو گئی ہے
لے کر آنکھوں میں مست نظارے کب آؤ گے؟
بے چین زندگی کے سہارے کب آؤ گے؟

اعتراض ۳۶: ـ''شیعہ مسلمانوں کا خون آلودہ حالت میں ماتم؟ کیا یہ اسلامی اللہ کی عبادت ہے؟ کیا اس کا قرآن میں حکم ہے؟ مسلمان کا تو ہر فعل اللہ کی عبادت مانا اور خیال کیا جاتا؟''۔

جواب: ـاعتراض میں جنکا نام لکھا گیا ہے ان سے دریافت فرمایئے۔ ہمارے نزدیک کسی فرقہ کا قول و فعل حجت نہیں۔ اسلام میں مصیبت کے وقت صبر کرنیکا فرمان مبارک ہے نیز مسلمان کا وہ فعل اللہ ربّ العزت کی عبادت ہے جس کا حکم اسلام میں موجود ہے۔

اعتراض ۳۷: ـ''571ء میں پیدائش سے لیکر 610ء کے دعوی نبوت تک بانی اسلام محمد عربی کا کیا ایمان، عقیدہ یا مذہب تھا؟ کیا اسلام سے قبل محمد عربی، بت پرست یا یہودیت یا لادینیت وغیرہ کے تحت تھا؟''۔

نبی پاک کا دعوی نبوت سے پہلے مذہب کیا تھا؟

جواب: ـہم اہل اسلام اسلامی تعلیمات کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ کی بابت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپؐ دعوی نبوت سے قبل نیک فطرت اور ملتِ ابراہیمیؑ پر قائم، مشرکین مکہ کے شرکیہ عقائد اور رسم و رواج سے بیزار اور متنفر اور دیگر مذاہب باطلہ کی طرف آپ کا میلان و دھیان نہ تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ رسول پاک ﷺ کے دعوی نبوت سے قبل مشرکین مکہ سرور کائنات ﷺ کو ''امین'' اور ''صادق'' کے پیارے القابوں سے پکارتے تھے۔ اور اہل عقل کے نزدیک یہ بات

بلا شک وشبہ مسلمہ ہے کہ سب سے بہترین گواہی اور شہادت ہمعصر لوگوں اور معاصرین کی ہوتی ہے اس حقیقت کے پیش نظر رسول پاک ﷺ دعوٰی نبوت سے پیشتر اپنے معاصرین میں معزز و معظم تھے۔ یہ اعتراض تو ذہن میں آگیا مگر کبھی یہ اعتراض سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ،سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام پر بھی کیا ہے؟۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر یہ اعتراض کرنا محض سینہ کی کدورت ونفرت کا اظہار ہے۔

اعتراض ۳۸:۔ ''شیطان کا محمد کے کانوں میں پھسپھسانا، محمد کا شیطان اور فرشتہ میں

(۱)

فرق نہ کر پانا اور محمد کا جنات یعنی بری روحوں (شیطان) سے برائے راست رابطہ جیسا کہ سورۃ جنات ودیگر حوالوں سے ظاہر ہوتا؟ محمد عربی جنوں کے ساتھ ملکر جھک کر سجدہ

(۲) (۳)

کرتا جب محمد سورۃ النجم پڑھتا تھا اور عباس سے روایت جبکہ جنات تو صرف شیطان ہی کو سجدہ کرتے؟۔''

سورۃ النجم کے سجدہ تلاوت کا واقعہ

جواب:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

" عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ۙ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝ "۔

(الجن:۲۶تا۲۸)۔

(جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تا کہ جانے کہ انہوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے اور قابو میں رکھا

ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی)۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے آخری آیت مبارکہ کے تحت یوں تحریر فرمایا ہے:۔

''ف ۴ یعنی یہ زبردست انتظامات اس غرض سے کئے جاتے ہیں کہ اللہ دیکھ لے کہ فرشتوں نے پیغمبروں کو یا پیغمبروں نے دوسرے بندوں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھیک بلا کم و کاست پہنچا دیئے ہیں''۔

ف ۵ یعنی ہر چیز اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہے کسی کی طاقت نہیں کہ وحی الٰہی میں تغیر و تبدل یا قطع برید کر سکے اور یہ پہرے چوکیاں بھی شان حکومت کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کیلئے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں۔ ورنہ جسکا علم اور قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں''۔ (تفسیر فوائدِ عثمانیؒ)۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت مبارکہ ۲۷، کی بابت تحریر فرماتے ہیں:۔

''رسول کو خبر دیتا ہے غیب کی پھر چوکیدار رکھتا ہے اس کے ساتھ کہ اس میں شیطان دخل نہ کرنے پاوے اور اپنا نفس غلط نہ سمجھے، یہی معنے ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو عصمت ہے اوروں کی نہیں اور ان کا معلوم بے شک ہے اوروں کے معلوم میں شبہ ہے''۔ (تفسیر موضح القرآن)۔

باریتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

" وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ لا وَاَعُوْ ذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ " (المومنون: ۹۷، ۹۸)۔

(اور کہہ اے رَبّ میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رَبّ اس سے کہ میرے پاس آویں۔)

جبکہ قرآن پاک کی متذکرہ بالا آیات مبارکہ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف جو وحی آتی ہے تو شیطان اس میں کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتا اور نہ آپؐ کے پاس آ سکتا ہے تو پھر ''کانوں میں پھسپھسانا'' کے الفاظ صرف گپ شپ اور محض مجذوب کی بڑ دکھائی دیتے ہیں۔

''شیطان اور فرشتہ میں فرق نہ کرنا''۔ یہ بات ایجادِ بندہ اور جھوٹ کا پلندا ہے کیونکہ اس بات پر ہماری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ غالباً اس بات میں حدیث جبریل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ حدیث شریف ''مشکوٰۃ شریف'' کی پہلی حدیث ہے۔ اس میں شیطان کا ذکر تک نہیں۔ البتہ حضرت جبریل علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ چونکہ حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی شکل وصورت میں نہ تھے۔ انسانی شکل میں تھے اس سے قبل کبھی بھی آپ اس انسانی شکل کی صورت میں وحی لیکر نہ آئے تھے اس لئے نبی پاک ﷺ آپ کو پہچان نہ سکے۔ پس موصوف کے ان الفاظ کا حال بھی پہلے الفاظ کی طرح ہے۔ الغرض خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک کی بنیاد جھوٹ و فریب پر ہے۔ خط کشیدہ الفاظ نمبر دو کی بابت شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سورۃ ''جن'' کی دوسری آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

''ف اسورۃ ''احقاف'' میں گزر چکا کہ نبی کریم ﷺ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے کئی جن ادھر کو گزرے اور قرآن کی آواز پر فریفتہ ہو کر سچے دل سے ایمان لے آئے۔ پھر اپنی قوم سے جا کر سب ماجرا بیان کیا کہ ہم نے ایک کلام سنا ہے (جو اپنی فصاحت و بلاغت حسن اسلوب ،قوت تاثیر، شیریں بیانی، طرز موعظت اور علوم ومضامین کے اعتبار سے) عجیب وغریب ہے ۔معرفت ربانی اور رشد وفلاح کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اور طالب خیر کا ہاتھ پکڑ کر نیکی اور تقویٰ کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے ہم سنتے ہی بلاتوقف اس پر یقین لائے۔ اور ہم کو کچھ شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ ایسا کلام اللہ کے سوا کسی کا نہیں ہوسکتا۔ اب ہم اس کی تعلیم وہدایت کے موافق عہد کرتے ہیں۔ کہ آئندہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائینگے۔ ان کے اس تمام بیان کی آخر تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر وحی فرمائی اس کے بعد بہت مرتبہ جن حضورؐ سے آکر ملے ایمان لائے ۔اور قرآن سیکھا''۔ (تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

غور فرمائیے کہ مسیحی مبشر نے کس طرح شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر اور انسانی دیانت وامانت کو پامال کر کے اصل واقعہ کو کس غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ جس ناپاک نظریہ سے یہ الفاظ آنحضرت

ﷺ کے حق میں کہے ہیں بالکل اسی طرح یہودیوں نے بھی گندے نظریہ سے حضرت مسیح علیہ السلام کی بابت کہے تھے۔

''یہودیوں نے جواب میں اس سے کہا کیا ہم خوب نہیں کہتے کہ تو سامری ہے اور تجھ میں بدروح ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ مجھ میں بدروح نہیں مگر میں اپنے باپ کی عزت کرتا ہوں اور تم میری بےعزتی کرتے ہو''۔ (یوحنا ۸ : ۴۸)۔

اس مقام سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کے اعتراض کو باطل قرار دے کر اپنی صفائی بیان فرمادی۔ بالکل اسی طرح ہم نے بھی اس اعتراض کو باطل قرار دے کر نبی پاک ﷺ کی صفائی پیش کردی ہے۔ غور کا مقام ہے کہ موصوف اس اعتراض پر کمر بستہ ہو کر یہودی دستہ میں مل گئے ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ نمبر تین کی بابت مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع عثمانیؒ سورۃ ''النجم'' کی آخری آیت مبارکہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

''صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سورۃ نجم کی آیت پر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ سب مسلمانوں اور مشرکوں نے جن وانس نے سجدہ کیا اور بخاری و مسلم ہی کی دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ نجم کی تلاوت فرمائی۔ اور اس میں سجدہ تلاوت ادا کیا اور آپؐ کے ساتھ سب حاضرین مجلس (مومنین ومشرکین) نے سجدہ کیا بجز ایک قریشی بوڑھے کے جس نے زمین سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر پیشانی سے لگالی۔ اور کہا کہ مجھے یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ پھر میں نے اس شخص کو حالت کفر میں مقتول پڑا ہوا دیکھا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے اتباع میں مسلمانوں تو سجدہ کرنا تھا ہی جو مشرکین اس وقت حاضر تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی کچھ ایسی حالت غالب کردی سب سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے گو اس وقت ان کا سجدہ بوجہ کفر کے کچھ ثواب نہ رکھتا تھا مگر وہ بھی اپنا ایک اثر یہ چھوڑ گیا کہ بعد میں ان سب کو اسلام وایمان کی توفیق ہوگئی صرف ایک آدمی کفر پر مرا جس نے سجدہ سے گریز کیا تھا''۔

(تفسیر معارف القرآن)۔

یادرہے کہ یہ واقعہ ایک ہی بار رونما ہوا ہم نے اس روایت کی اصل حقیقت تحریر کر دی ہے۔اس حقیقت کے بعد بھی اگر کوئی انسان اسے تسلیم نہ کرے تو وہ بغض وحسد اور تعصب وضد میں گرفتار ہے۔

اعتراض ۳۹:- ''قرآن کیوں اپنی ہی آیات کی منسوخی،تفریق اور نفی اور مخالفت کرتا؟ جبکہ اسلامی اللہ بے حد حکمت والا اور ہر غیب اور تمام علم سے واقف خیال کیا جاتا''؟

جواب:- یہ اعتراض تین مرتبہ کیا گیا ہے''(اعتراض ۱۲، ۳۹، اور ۵۰)''اس طریق کار سے ایک سمجھدار انسان اس بات کو بخوبی پا سکتا ہے کہ دماغی اعصاب ڈھیلے اور دماغ پر نسیان غالب ہے اس اعتراض کا جواب اعتراض ۱۲، کے تحت لکھا گیا ہے اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض ۴۰:- ''کیونکر قرآن میں توریت،زبور اور انجیل کے مقابلہ میں بے شمار تواریخی اور گرائمر کے لحاظ سے غلطیاں موجود ہیں اور بائبل مقدس کے بیانات کو دانستہ طور پر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کریم غلطیوں سے دور،اناجیل اربعہ غلطیوں سے بھرپور ہیں

جواب:- قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں پائی جاتی اگر اس میں غلطیاں ہوتیں تو نزول قرآن کے وقت جو مشرکین مکہ موجود تھے وہ ان غلطیوں کو منظر عام پہ لاتے کیونکہ وہ عربی زبان میں مہارت تامہ اور ید طولیٰ رکھتے تھے۔مگر انہوں نے ایسا ہرگز نہیں کیا بلکہ قرآن پاک کے حق میں یہ بیان دیا کہ:-

''وَاللہِ ما ھذا کلام البشر''

(اللہ کی قسم یہ انسان کا کلام نہیں)

''عالی دماغ'' نے جو غلطیاں قرآن مجید سے نکالی تھیں کاش ان کو لکھ دیا جاتا تو بندہ بہترین

خدمت کردیتا۔ مگر ایک بھی غلطی تحریر نہیں کی گئی الحاصل ہم اہل اسلام کے نزدیک قرآن مجید میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں ہاں البتہ مسیحی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ اناجیل اربعہ میں کئی قسم کی غلطیاں موجود ہیں چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب ایم-اے لکھتے ہیں:-

''ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ اناجیل کے مترجموں نے بعض اوقات عبارت کو غلط پڑھکر اس کا یونانی میں لفظی ترجمہ کر دیا بعض اوقات ایک حرف غلطی سے دوسرا حرف پڑھا گیا۔ بعض اوقات اعراب کی غلطی سے ترجمہ غلط ہو گیا۔ ڈاکٹر موصوف بتلاتے ہیں کہ یہ اغلاط چھ قسم کی ہیں۔

(۱) ترجمہ کرنے میں زبان کی غلطیاں۔ (۲) متن کے اعراب کی عدم موجودگی کی وجہ سے کتابت کی وجہ سے غلطیاں۔ (۳) لفظی ترجمہ کا حد سے زیادہ لحاظ رکھنے کی وجہ سے غلطیاں۔ (۴) ارامی اسمائے ضمیر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطیاں۔ (۵) ارامی استفہامیہ فقروں کو شناخت نہ کرنے کی وجہ سے غلطیاں۔ (۶) اور ارامی فقروں کا حرف عطف کے بغیر شروع ہونے کی وجہ سے مختلف فقروں کو صحیح طور پر الگ الگ نہ کرنے کی وجہ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر ٹوری کے علاوہ دیگر علماء نے بھی چند یونانی آیات میں مترجم کی غلطیاں بتلائی ہیں مثلاً پروفیسر مین سن کہتا ہے کہ مرقس ۱۱/۱۰ اور متی ۲۱/۹ اور یوحنا ۱۲/ ۱۳ میں جو لفظ ''ہوشعنا'' استعمال ہوا ہے وہ ایک ''زندہ باد'' کی قسم کا نعرہ یا جیکارہے لیکن متی کی یونانی سے ظاہر ہے کہ اس کے یونانی مترجم نے اس مقام کی عبرانی یا ارامی زبان کو نہیں سمجھا''۔

(قدامت واصلیت اناجیل اربعہ جلد دوم صف ۲۳۹)۔

پادری صاحب کے اس بیان سے یہ حقیقت کسی اہل علم پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ اس قسم کی غلطیوں سے یقیناً عبارت میں فرق پڑا اور مفہوم بھی بدل جاتا ہے ان غلطیوں کے علاوہ اناجیل اربعہ میں جو تضادات کا لشکر موجود اور فوج کھڑی ہے وہ الگ ہے۔ ایک غلطی اور بھی ملاحظہ فرمایئے اس غلطی کی ہرگز ہرگز کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور وہ یہ ہے کہ:-

حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-

''وہ دنیا کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے کو آئی''۔(متی ۱۲ : ۴۲)۔

''وہ دنیا کے کنارے سے سلیمان کی حکمت سننے کو آئی''۔(لوقا ۱۱ : ۳۱)۔

اس جگہ لفظ ''دنیا'' جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ لفظ دوسرے نسخوں میں یوں ہے:۔

۱:۔'' اَلْاَرْضِ ''۔(متی عربی نسخہ ۱۹۵۶ء)۔

'' اَلْاَرْضِ ''۔(لوقا عربی نسخہ ۱۹۵۶ء)۔

۲:۔'' زمین ''۔(متی فارسی نسخہ ۱۹۵۹ء)۔

'' زمین ''۔(لوقا فارسی نسخہ ۱۹۵۹ء)۔

۳:۔'' زمین ''۔(متی اردو نسخہ ۱۸۸۰ء)۔

'' زمین ''۔(لوقا اردو نسخہ ۱۸۸۰ء)۔

نیز رومن کیتھولک کی بائبل میں مذکورہ بالا دونوں مقامات پر بھی ''زمین'' ہی ہے۔

ان تینوں زبانوں اور زمانوں کے مختلف نسخوں سے یہ صداقت ظاہر ہوئی کہ ان مقامات پر اصل ترجمہ ''زمین'' ہے۔ اس صحیح ترجمہ سے (زمین کے کنارے) یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اناجیل متی ولوقا کے متعلق جو الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بجا نہیں کیونکہ اگر یہ دونوں اناجیل الہام سے قلمبند کی ہوتیں تو ان میں یہ زبردست غلطی موجود نہ ہوتی کیونکہ ''زمین گول ہے''۔ اور گول چیز کا ''کنارہ'' نہیں ہوتا۔ پس ان دونوں اناجیل کے الہامی ہونیکا جھوٹ کا پول بالکل کھل گیا ہے۔ اس ضرب کاری اور چوٹ بھاری سے بچنے کے لیے ''ارض'' (زمین) کی جگہ ''دنیا'' لکھا گیا ہے۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ الحاصل قرآن کریم ہر قسم کی غلطیوں سے مبرا و منزہ ہے مگر اناجیل اربعہ طرح طرح کی غلطیوں سے بھری پڑی ہیں۔

قسمت کی بدنصیبی کہ برے دن آنے لگے

پھولوں سے نفرت کرتے تھے اب کانٹوں پہ سونے لگے

اس اعتراض کے خط کشیدہ الفاظ کی بابت ہم کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی

حفاظت کا وعدہ فرمایا ہوا ہے اس وعدہ کا عملی طور پر اسطرح اظہار ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے لے کر آج تک اس کے بے شمار اور لاتعداد حفاظ ہر دور میں متواتر اور لگاتار ہوتے آئے ہیں اور یہ مشاہدہ بھی ہے پس قرآن پاک میں کسی انسانی ہاتھ کا عمل دخل امر محال ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی بھی موجود نہیں۔ ہم اہل اسلام فرقان حکیم کی بابت یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض قرآن کریم کے ارشادات عالیہ حق وصداقت پر مبنی ہیں۔ البتہ بائبل میں دھندلے مقامات' الحاقی فقرات' حاشیہ کا متن میں داخل ہونا' انسانی ہاتھ کا کرتب وکرشمہ کا بھی شامل ہونا اور علاوہ ازیں بائبل میں طرح طرح اور گوناگوں کی بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں اور مسیحی علماء ان سب باتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ پس بائبل میں ان تمام عیوب ونقائص کے ہوتے ہوئے بائبل کے بیانات کو سچا تسلیم نہیں کیا جا سکتا نتیجہ یہ کہ:۔

ساقی نے جھوٹ بولا کہ ابر بہار ہے
گلشن میں صرف آگ کی انگڑائیاں ملیں

اعتراض ۱۴۱:۔ ''ہر مسلمان کا قرآن اور محمد کے مطابق آتش جہنم میں وارد ہونا؟

مسلمان نہیں بلکہ عیسائی جہنم میں جائیں گے

جواب:۔ اگر اس سے اگلی آیت مبارکہ کو سمجھ لیا جائے تو صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ ''آتشِ جہنم میں وارد ہونیکا'' صحیح مطلب اور واضح مفہوم نارِ جہنم میں ''داخل'' ہونا ہرگز ہرگز نہیں۔ چنانچہ اگلی آیت مبارکہ یہ ہے:۔

(۱) (۲)

''ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ''۔ (مریم : ۷۲)۔

(پھر بچائینگے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دینگے گنہگاروں کو اس میں اوندھے گرے ہوئے)۔

ہمارے اسلامی عقیدہ کے مطابق بات یہ ہے کہ جہنم کے اوپر ''پل صراط'' ہے اس سے ہر ایک کو گزرنا پڑیگا کیونکہ جنت کو جو راستہ جاتا ہے وہ اسی جگہ سے گزر کر جاتا ہے۔تو سب لوگ یقیناً پل صراط سے گزرینگے۔ان میں جو متقی اور فرمانبردار ہونگے۔ان کو اللہ ربُّ العزت جہنم سے بچا لینگے اور جو نافرمان اور باغی ہونگے ان کو جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔اور یہ بات بالکل صحیح ہے جیسا کہ آیت مبارکہ خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک ''متقیوں'' کے حق میں اور خط کشیدہ نمبر دو ''ظالموں'' کے حق میں فرمانے سے ثابت ہوتا ہے۔چونکہ اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''وارد'' کا معنیٰ ''داخل'' ہونا نہیں۔اس لئے اعتراض باطل اور قابل سماعت نہیں۔یہ بات بالکل بجا، صحیح اور درست ہے کہ ہر مسیحی کو ''جہنم'' میں جانا ہوگا چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-

''کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا''۔(مرقس ۹ : ۴۹)۔

یاد رہے کہ اس جگہ وہ آگ مراد نہیں جو روح القدس کے نزول کے وقت آگ کے شعلہ کی زبانیں نظر آئی تھیں (اعمال ۲ : ۳) بلکہ اس جگہ جہنم کی آگ مراد ہے کیونکہ آیت نمبر ۴۷ میں ''جہنم'' کا لفظ موجود ہے۔اس کے علاوہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک اور فرمان مبارک بھی سماعت فرمایئے!:-

''پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔جو مجھ سے اَے خداوندا ے خداوند! کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔اس دن بہتیرے مجھ سے کہینگے اے خُداوندا ے خداوند! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے ؟اس وقت مَیں ان سے صاف کہدونگا کہ میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔

اَے بدکارو میرے پاس سے چلے جاؤ''۔(متی ۷ : ۲۰تا۲۳)۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مندرجہ بالا فرمان مبارک سے چار باتیں ظاہر ہوتی ہیں:-

پہلی بات:-حضرت مسیح علیہ السلام کو خداوند خداوند کہنا،آپ کے اسم مبارک سے نبوت کرنا

، بدروحوں کو نکالنا اور آپؑ کے اسم گرامی سے معجزات دکھانا سچے مسیحی ہونیکی علامت نہیں بلکہ سچے ہونے کی علامت آپؑ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرنا ہے۔ (متی ۷ : ۲۴)۔

دوسری بات: -جو الفاظ جلی حروف میں تحریر کئے گئے ہیں معترض کیلئے وہ الفاظ پڑھنے باعث برکت بھی اور موجب عبرت بھی ہیں۔

تیسری بات: -فرقہ پروٹسٹنٹ ۱۵۱۷ء میں معرض وجود میں آیا تھا۔ اگر یہ مسیحی فرقہ سچا ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس فرقہ سے پہلے مسیحی دنیا میں ایک بھی سچا مسیحی نہ تھا۔ جبکہ یہ بات یقیناً غلط معلوم ہوتی ہے تو فرقہ پروٹسٹنٹ بھی سچا ثابت نہیں ہوتا تو ایسے میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشاد فرمودہ الفاظ کا مصداق فرقہ پروٹسٹنٹ ضرور اور یقیناً ہے۔

چوتھی بات: -حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی مرضی پر چلنے اور ایمان والوں کی مندرجہ ذیل علامات بیان فرمائی ہیں:-

''اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہونگے وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالینگے۔ نئی نئی زبانیں بولینگے۔ سانپوں کو اٹھالینگے اور اگر کوئی ہلاک کرنیوالی چیز پیئینگے تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچیگا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہوجائینگے۔'' (مرقس ۱۶ : ۱۷، ۱۸)۔

چونکہ آپؑ کی ارشاد فرمودہ علامات کسی مسیحی میں بھی پائی نہیں جاتیں پس موجودہ دور کے تمام مسیحی فرقے آپؑ کے جلی الفاظ کے مصداق ہیں۔

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اعتراض ۴۲: -''مہذب عالمی معاشرہ کے برعکس اسلامی مرد اور عورت میں غیر متوازن مساوات؟''

جواب: -چونکہ مہذب عالمی معاشرہ حکم ربانی اور وحی آسمانی کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا اس لئے ہمارے لئے حجت نہیں۔ جو کوئی بے دین ہوگا وہی اسے حجت تسلیم کریگا۔

اعتراض ۴۳:۔''محمد کی جانب سے کسی بھی شوہر کو اسکی بیوی کے ساتھ جھوٹ بولنے کی اجازت؟''

اعتراض ۴۴:۔''جنگ میں صلح کرانے والے مسلمان کو جھوٹ بولنے کی اجازت؟''۔

مسیحی مذہب میں جھوٹ بول کر تبلیغ کرنا جائز ہے

جواب:۔ان دونوں اعتراضوں میں بظاہر تو میاں، بیوی اور دو مسلمانوں کی لڑائی ہے مگر اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس میں بہت بڑا فتنہ اور فساد نظر آتا ہے کیونکہ میاں، بیوی اور دونوں مسلمانوں کے خاندانوں میں یہ بات پھیل کر کدورت ونفرت کا رنگ اختیار کریگی اور اس سے ہاتھا پائی تک نوبت پہنچے گی اس سے مسلمانوں کی جماعت میں نا اتفاقی پیدا جو بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔اس لئے اس خطرناک فتنے کو روکنے کیلئے ان دونوں موقعوں پر ایسا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ان دونوں موقعوں کے علاوہ ہمارے ہاں جھوٹ بولنا حرام ہے۔اس کے بعد مسیحی دنیا کے مایہ ءناز رسول جناب پولوس کا انداز تبلیغ بھی ملاحظہ فرمایئے۔چنانچہ جناب پولوس لکھتے ہیں:۔

''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟ چنانچہ ہم پر یہ تہمت لگائی بھی جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا یہی مقولہ ہے مگر ایسوں کا مجرم ٹھہرنا انصاف ہے''۔(رومیوں ۳ : ۷،۸)۔

لیجئے صاحب! مسیحی دنیا کے مایہ ناز رسول جناب پولوس نے یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے۔اس فتویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ''خدا کی سچائی''''زیادہ ظاہر ہوئی''،یعنی مسیحیت جھوٹ بولنے سے زیادہ پھیلتی ہے اس لیے تبلیغی میدان میں جھوٹ بولنا جائز ہے۔اس عاجز کا تجربہ ہے کہ پادری فانڈر صاحب سے لے کر زیر نظر اعتراضات تک ان لوگوں

کی جتنی بھی کتابیں نظر سے گزری ہیں ان میں کوئی کتاب بھی ایسی نہیں گزری جس میں جھوٹ کا جذبہ کارفرما نہ ہو اور جو زیر نظر اعتراضات ہیں یہ چار صفحات پر مشتمل ان میں سب سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہے۔ چونکہ ان کے رسول جناب پولوس صاحب کا فتویٰ اور ذاتی عمل اسی طرح ہے اس لیے یہ لوگ بلاخوف وخطر اپنے رسول جناب پولوس کی پالیسی پر عمل پیرا اور گامزن ہیں۔

جھوٹ بھی بولے تو جھوٹ پر قائم رہے
آدمی کو "صاحب کردار" ہونا چاہیے

اعتراض ۴۵:- "اسلام میں قبر چومنا، قبر پرستی اور مردہ پرستی کی گنجائش"؟-

جواب:- اسلام میں قبر چومنا ناجائز ہے اور اللہ پرستی کے سوا، مسیح پرستی، مریم پرستی، روح القدس پرستی، قبر پرستی، مردہ پرستی وغیرہ سب شرک اور یہ ظلم عظیم قیامت کے دن ناقابل معافی ہے۔

اعتراض ۴۶:- "عورتوں کی قرآن سے شادی؟ کیا قرآن کو اس زاویہ سے شوہر کا درجہ مسلمان نہیں دیتے؟

جواب:- اسلام میں اس جہالت کا کوئی تصور نہیں کسی جاہل کے برے عمل سے اسلام پر حرف نہیں آتا۔

اعتراض ۴۷:- "قرآن کے مطابق عورت کے نصف حقوق اور نصف گواہی (۱)؟ عورتوں کو قید جیسی حالت میں رکھنا (۲)؟ مومن مسلم مرد کا مومن مسلم عورت کو مارنا اور زخمی کرنا (۳)، اور پھر بھی اسلامی مساوات کا دعویٰ کرنا (۴)؟"-

اسلام میں مرد عورت پر حاکم ہے

جواب:- خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ علم وعقل

،قوت وطاقت ،صبر وتحمل ودیگر ایسی قوتوں سے عورت مرد سے کم ہے عورت نازک ظرف ہے۔ (پطرس ۳ : ۷)۔اس لیے اس کے حقوق اسی کی حیثیت سے اور مرد کے حقوق اسی کے لحاظ سے رکھے گئے چونکہ عورت مرد سے قوت حافظہ میں بھی کم ہے ہوسکتا ہے کہ گواہی کے وقت اسے صحیح بات یاد نہ رہے اس لیے دوعورتوں کی گواہی رکھی گئی تا کہ دوسری عورت اسے یاددلادے۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر دو یہ بالکل غلط بات ہے کہ مسلمان عورتیں قید میں ہیں کیونکہ غمی اور خوشی کے موقعوں پر جانے آنے ودیگر خاندانی عزیز اقارب ہاں جانے پر کوئی قید و پابندی نہیں۔شریعت کے تحت آ، جاسکتی ہیں۔ہاں البتہ آوارہ پھرنا ،غیر محرم مردوں کے ساتھ بیٹھنا ،اٹھنا اور شتر بے مہار کی طرح چلنے پھرنے کی آزادی نہیں۔انسانی عزت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنی عورت کو برے کاموں ،بری باتوں ،بری جگہوں اور بری مجلسوں سے بچائے رکھے۔اگر اسے آزادی دے گا تو ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگ جائے گا اور رسوائی ہو جائے گی۔جن ملکوں میں عورتوں پر کوئی پابندی نہیں وہاں پر کنواری ماؤں کے کچے پھل فٹ پاتھوں پر ملتے ہیں۔الامان الحفیظ۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر تین کی بابت قرآن مجید فرماتا ہے:-

" وَاضۡرِبُوۡهُنَّ " (النسآء:۳۴)

شیخ السلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس مقام پر تحریر فرماتے ہیں:-

''ف۵یعنی اگر کوئی عورت خاوند سے بدخوئی کرے تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مرد اس کو زبانی فہمائش کرے اور سمجھادے اگر نہ مانے تو دوسرا درجہ یہ ہے کہ جدا سوئے لیکن اسی گھر میں اس پر بھی نہ مانے تو آخری درجہ یہ ہے کہ اس کو مارے بھی ،پر نہ ایسا کہ جس کا نشان باقی رہے یا ہڈی ٹوٹے ہر تقصیر کا ایک درجہ ہے اسی کے موافق تادیب اور تنبیہ کی اجازت ہے جس کے تین درجے ترتیب وار آیت میں مذکور ہیں اور مارنا پیٹنا آخر کا درجہ ہے۔سرسری قصور پر نہ مارے ہاں قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں ہرج نہیں جس قدر مناسب ہو مارے پیٹے مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے کہ جس کا نشان باقی رہ جائے''۔(تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

اس سے یہ ظاہر ہوا کہ زخمی کرنے کا حکم قرآن مجید میں نہیں پس مسیحی مبشر صاحب کے یہ الفاظ (زخمی کرنا) سفید جھوٹ ہیں۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر چار میں اسلامی مساوات کو عالی دماغ کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے ایسے ہی کوئی عالی دماغ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی مساوات کیسی ہے کہ عورت کو تو بچہ پیدا ہوتا ہے مگر مرد کو کیوں نہیں ہوتا؟۔

یارب تیرے جہان کے کیا حال ہو گئے

بہت لوگ خواہشات کے دلال ہو گئے

چونکہ قرآن پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ'' (النسآء:۳۴)

(مرد حاکم ہیں عورتوں پر)

اس لیے مسیحی مبشر صاحب کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ چونکہ موجودہ مہذب معاشرہ میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں اس لیے قرآن پاک کا یہ فرمان مبارک صحیح نہیں۔ تو اس کا جواب ان کی الہامی کتاب سے بھی تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱:۔''پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا''۔(پیدائش ۳ : ۱۶)۔

۲:۔''اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چپ چاپ رہے''۔(۱۔ تیمتھیس ۲ : ۱۲)۔

۳:۔''پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہیے کہ اپنے سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے''۔

(۱۔ کرنتھیوں ۱۱ : ۱۰)۔

۴:۔''جب تک کہ عورت کا شوہر جیتا ہے وہ اس کی پابند ہے''۔(۱۔ کرنتھیوں ۷ : ۳۹)۔

۵:۔''اے بیویو! اپنے شوہروں کی ایسی تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے جیسے

کہ مسیح کلیسیا کا سر ہے اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے۔ لیکن جیسے کلیسیا مسیح کے تابع ہے ویسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں''۔ (افسیوں ۵ : ۲۲ تا ۲۴)۔

عقلمند اور انصاف پسند انسان کے لیے بائبل کے یہ پانچ حوالے کافی ہیں۔ لیکن بے عقل کیلئے دفتر بھی بے کار ہے۔ جو اعتراض ہم پر کیا گیا ہے۔ ان پانچ مقامات کے پیش نظر اب وہی اعتراض بائبل پر بھی وارد ہوتا ہے۔ چونکہ معاشرہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ مرد اور عورت کو مساوی حقوق کا قائل ہے اور بابو جی معاشرہ کے حق میں اور اسے قابل حجت سمجھتے ہیں اب مبشر صاحب کو چاہیے کہ بائبل کو بالکل ترک اور خیر کہہ دیں کیونکہ بائبل کی یہ تعلیم معاشرہ کے سراسر خلاف ہے۔ علاوہ ازیں اس بات پر بھی توجہ فرمایئے کہ مرد اور عورت کے مساوی حقوق کی آواز جس براعظم سے اٹھی اور بلند ہوئی ہے۔ تو اس لحاظ سے اس براعظم کے تمام ممالک کو گن کر اور ان کے حکمرانوں کا شمار کرو کہ کتنے مرد حکمران اور کتنی عورتیں حکمران ہیں؟ تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ مرد حکمران ہیں تو اس سے یہ صداقت خوب چمک اور دمک اٹھی کہ معاشرہ کے نزدیک بھی مرد حاکم اور عورت محکوم ہے۔ اور اگر معاشرہ کے نزدیک مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہوتے تو ان کا یہ اثر ہوتا کہ اس براعظم کے ممالک میں عورتیں برابر حکمران ہوتیں۔ پس یہ دعویٰ کرنا کہ مہذب معاشرہ میں مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں۔ صریحاً جھوٹ و فریب ہے۔

اعتراض ۴۸: ۔''اسلام کے ختم نبوت کے کلی دعویٰ کے باوجود مرزیت اور بہائی ازم جیسی اسلامی نبوتوں جیسی بھرمار''۔

یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں جھوٹے نبی

جواب: ۔رسول اکرم ﷺ کے ختم نبوت کے دعویٰ کے بعد اگر کئی سر پھرے انسانوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اسلام پر کیا حرف آتا ہے۔؟ اور یہ اسلامی نبوتیں نہیں بلکہ جھوٹ اور کفر کی نبوتیں ہیں یہودی لوگ ملاکی نبیؑ تک حضرات انبیاء علیھم

السلام کے قائل ہیں بعد میں نبوت کے قائل نہیں تو بھی ان میں جھوٹے نبی ہوئے ہیں۔ ''تھیوداس'' اور ''یہوداہ'' گلیلی ۔(اعمال ۵ : ۳۶، ۳۷)۔اور مسیحی لوگ اسبات کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد نبوت ختم ہے تو مانی وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ مسیحی کلیسیا کی تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس جبکہ جھوٹے نبی ان دونوں میں بھی گزرے ہیں۔ تو پھر ایک ہوش مند انسان کو اسلام پر جھوٹے نبیوں کا اعتراض کرنا زیب نہیں دیتا۔

اعتراض ۴۹ :۔ ''بچپن میں محمد کے گندے دل کے اپریشن کے باوجود محمد کے جوانی کے گناہوں کی بابت قرآنی آیات''؟۔

شق الصدر پر اعتراض کا جواب

جواب :۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ''شق الصدر'' کی بابت تحریر فرماتے ہیں:۔

''جب کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں۔ تاکہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے اسی طرح آپؐ کے قلب مبارک کو علم و حکمت سے بھر کر دونوں شانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔(کذافی خواتم الحکم صف ۱۵۲)''۔

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصہ حظ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی طرح دو شانوں کے درمیان قلب کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تا کہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے۔ اس لیے کہ شیطان سے اسی جگہ سے وسوسے ڈالتا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہٗ سے درخواست کی اے رب العالمین مجھ کو شیطان کے وسوسہ کا راستہ دکھلا کہ وہ کس راہ سے آ کر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے تو من جانب اللہ دو شانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی

گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔(زرقانی صف ۱۵۴ ج ۱ - وروض /لانف صف ۱۱۱ ج ۱ -) خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مبارک کا اندرونی حصہ شق صدر کے ذریعہ مادہ شیطانی سے پاک کر دیا گیا اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا''۔

(سیرت المصطفےٰ ﷺ حصہ اوّل صف ۶۳)۔

''شق صدر کے واقعہ سے حضرت حلیمہ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اسلئے آپ کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور تمام واقعہ بیان کر دیا حضرت آمنہ اس واقعہ کو سن کر بالکل ہراساں نہ ہوئیں اور ان انوار و تجلیات اور ان خیرات اور برکات کا جو زمانہ حمل اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے ذکر کر کے یہ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی شان بہت بڑی ہوگی ۔اس مولود مسعود تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے تم مطمئن رہو اس کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتی حلیمہ اپنے گھر واپس ہو گئیں اور آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے''۔

(سیرت المصطفےٰ ﷺ حصہ اوّل صف ۶۴)۔

پہلے واقعہ سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کو ''علم و حکمت'' سے بھرا نیز شیطانی حملوں کے راستوں کو مسدود اور محفوظ کر دیا گیا تھا۔ پس ''گندے دل کے'' الفاظ صرف نبی پاک ﷺ سے پرخاش کا نتیجہ ہیں۔

باقی رہے اس اعتراض کے سوہان روح اور مکروہ الفاظ ،تو یہ الفاظ جھوٹ اور بہتان ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں اس بات کا کہیں بھی ذکر نہیں ۔اگر جراءت ہے تو قرآن پاک سے ایسی آیات پیش کی جائیں جس کا ترجمہ اردو زبان میں اعتراض کے خط کشیدہ الفاظ ہوں یقین جانئے اور سچ مانئے کہ قرآن کریم میں ان الفاظ کی طرح کی ایک بھی آیت یقیناً اور ہرگز موجود نہیں اس جگہ دل کی جو کیفیت ہے وہ اللہ رب العزت ہی جانتا ہے اس دکھے ہوئے دل سے اور بہت ہی زیادہ دکھائے ہوئے دل سے پھر بھی دعا نکلتی ہے کہ اللہ رب العزت رشد و ہدایت عطا فرمائے آمین ثم

امین۔ اگر ہدایت قسمت میں نہیں تو

’’ خدا ڈھانپ لے پردہ تیرا ‘‘

کیونکہ

’’غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں‘‘

قرآن مجید آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں فرماتا ہے:۔

’’ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ‘‘ (القلم:۴)

(اور تو پیدا ہوا ہے بڑے خلق پر)

صاحب لولاک اور رسول پاک ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر سن بلوغت تک کی اکیلی اکیلی ادا مشرکین مکہ اور کفار بکہ کے سامنے تھی۔ یہ لوگ آپ کی گفتار و کردار پر انگلی نہ اٹھا سکے بلکہ آپؐ کے دعویٰ نبوت سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کو ’’امین‘‘ اور ’’صادق‘‘ کے پیارے القابوں سے پکارتے تھے۔ دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک سب سے بڑی اور معتبر گواہی معاصرین کی سمجھی جاتی ہے جبکہ آپؐ کے حق میں آپؐ کے معاصرین کی گواہی ’’امین‘‘ اور ’’صادق‘‘ کی ہے تو پھر چودہ سو سال کے بعد کی بات سوائے کدورت و نفرت اور ضد و تعصب کے کوئی مقام نہیں رکھتی۔

’’ عرفی تو میندیش زغوغائے رقیباں

‘‘

. . . .

اعتراض ۵۰:۔’’سورۃ النساء کی 42 آیت کے مطابق مسلم مومنوں کو کس طرح کے نشہ کی بابت کہا گیا ہے کہ جب وہ نشہ کی حالت میں ہوں تو نماز کے پاس نہ جائیں۔ کیا یہ نشہ شراب کی بابت نہیں؟ اور کیا اس کے مطابق مسلم مومن کو شراب کی اجازت نہیں؟ کیونکہ جب وہ نشہ کی حالت میں ہو تو نماز نہ پڑھے اور جب نماز کا وقت نہیں تو پھر نشہ کر لے؟ سورۃ البقرہ کی 219 میں بھی صاف لکھا گیا ہے شراب پینے میں فائدے بھی ہیں۔ (اگر تمام حکمت والا اسلامی اللہ نشہ کی اجازت دیتا اور شراب کے فائدے بیان کرتا تو پھر اسی اللہ کو کیونکر اپنی ہی یہ دونوں آیات منسوخ

کر کے شراب کو حرام کہنا پڑا؟ اللہ نے کیوں پہلے شراب کے نشہ اور اس کو فائدہ مند قرار دے دیا؟ اگر شراب شیطان کا کام اور ایسی ناپاک چیز تھی تو اسلامی اللہ کیونکر پہلے نشہ اور شراب کے فائدہ کا حکم دیتے ہوئے شراب کو شیطان کا کام اور شراب کی ناپاکی سے بے خبر ہی رہ گیا"۔

اسلام میں شراب حرام (نہ پینے کا حکم)

اور عیسائیت میں شراب حلال (پینے کا حکم)

جواب:۔ جبکہ قرآن پاک میں شراب کے حلال ہونے اور اس کے پینے کا حکم موجود ہی نہیں تو پھر خواہ مخواہ ناسخ و منسوخ کی بحث کرنا کسی عقلمند اور ہوشمند انسان کا کام نہیں۔ ہاں البتہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا، اور ہم اہل اسلام کے نزدیک شراب دوائی میں بھی حرام ہے ۔اس کے بعد مسیحی مذہب میں شراب کی عزت و عظمت ملاحظہ کیجئے:۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا قانائے گلیل میں پہلا معجزہ۔

"پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی۔ اور یسوع اور اس (۱) کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی۔ اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس (۲) سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی۔ یسوع نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے؟ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اس کی ماں نے خادموں سے کہا جو کچھ یہ تم سے کہے وہ کرو۔ وہاں یہودیوں کی طہارت کے دستور کے موافق پتھر کے چھ مٹکے رکھے تھے اور ان میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی۔ یسوع نے ان سے کہا مٹکوں میں پانی بھر دو۔ پس انہوں نے ان کو لبالب بھر دیا۔ پھر اس نے ان سے کہا اب نکال کر میر مجلس کے پاس لے جاؤ۔ پس وہ لیگئے ۔جب میرِ مجلس نے وہ پانی چکھا جو مے بن گیا تھا اور جانتا نہ تھا کہ یہ کہاں سے آئی ہے (مگر خادم جنہوں نے پانی نکالا تھا جانتے تھے) تو میرِ مجلس نے دلہا کو بلا کر اس سے کہا۔ ہر شخص پہلے اچھی (۳) مے پیش کرتا ہے اور ناقص اس وقت جب پی کر چھک گئے۔ مگر تو نے اچھی مے اب تک رکھ چھوڑی ہے۔ یہ پہلا معجزہ یسوع نے قانائے گلیل میں دکھا کر اپنا جلال ظاہر کیا اور اس کے

شاگرد اس پر ایمان لائے''۔(یوحنا۲ : ۱تا۱۱)۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک کو سوچیئے کہ امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے شادی کے موقعہ پر یہ الفاظ کس بات کی غمازی، اور آپؑ کا کیا کردار پیش کرتے ہیں؟۔اگر گویم زبان سوزد۔

خط کشیدہ نمبر دو کیا اللہ ربُّ العزت کا پیغمبر، نبی اور رسول اپنی امی جان کی شان اقدس میں یہ الفاظ کہہ سکتا ہے کیا ان الفاظ سے امی جان حضرت مریم علیہا السلام کی توہین نہیں ہوتی۔کیا یہ الفاظ اپنی والدہ ماجدہ سے بے نیازی اور بے پرواہی کی خبر نہیں دیتے؟۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ جب کبھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ فرط محبت میں انہیں امی، امی فرماتے، ادب واحترام کے پیش نظر قیام فرماتے اور اپنی چادر مبارکہ زمین پر اس لئے بچھا دیتے تا کہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ اس پر تشریف رکھیں۔حالانکہ حضرت حلیمہ سعدیہؓ آپ کی حقیقی والدہ ماجدہ نہ بلکہ رضاعی امی جان تھیں۔پھر بھی اس قدر محبت اور اس قدر ادب واحترام سرکا دو عالم ﷺ کے پیش نظر تھا۔مگر حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام، حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی حقیقی امی جان تھیں تو بھی اس قدر بے رخی اور بے مروتی کا اظہار؟۔

خط کشیدہ الفاظ نمبر تین میں میرِ مجلس نے اس شراب کی یوں تعریف کی کہ اسے ''اچھی مے'' قرار دیا۔اس مے کو 'اچھی' بنانے کی چار وجوہات تھیں:۔

اوّل یہ کہ شادی (خوشی) کے موقعہ پر بنائی گئی۔

دوم یہ کہ امی جان کے فرمان مبارک کی وجہ سے بنائی گئی۔

سوم یہ کہ معجزہ کے طور پر بنائی گئی۔

چہارم یہ کہ مسیحی عقیدہ کے مطابق خداوند کے بیٹے نے اسے بنایا تھا۔

گو اس واقعہ سے آپؑ اور آپؑ کی امی جان کی توہین ظاہر ہوتی ہے۔مگر مسیحی دنیا اسے الہامی مانتی اور جانتی ہے تو اس کے نزدیک شراب حلال ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے چنانچہ جناب پولوس

لکھتے ہیں:-

''آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر''۔(۱-تیمتھیس ۵: ۲۳)-

''اسی طرح بوڑھی عورتوں کی بھی وضع مقدسوں کی سی ہو۔ تہمت لگانے والی اور زیادہ مے پینے میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اچھی باتیں سکھانے والی ہوں''۔(ططس کے نام ۲: ۳)-

مفسر انجیل جناب پادری جے، آدم کلارک صاحب رقمطراز ہیں:-

سب پیغمبروں نے شراب پی ہے۔ عیسائیوں کو بھی شراب پینا منع نہیں ہے مگر متوالا ہونا منع ہے''۔

(الخزانۃ الاسرار-انجیل متی کی تفسیر-مطبوعہ ۱۸۷۵ء زیر تحت-باب ۱۱: ۱۹-صفحہ ۱۸۷)-

الغرض مسیحی مذہب میں شراب حرام نہیں۔ بلکہ مرد اور عورت دونوں کیلئے جائز اور حلال ہے یہ ایک الگ بات ہے کہ دنیا میں شراب کو''اُم الخبائث''(برائیوں کی ماں) کہا جاتا ہے۔ مگر اسلام شراب کو بالکل نجس اور ایسی حرام قرار دیتا ہے کہ اسے پینا تو درکنار بلکہ دوائی میں بھی حرام ہے۔

پس اسلام شراب کو حرام قرار دیکر مسیحیت

پر اولیت و فوقیت حاصل کر گیا ہے۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل نے

جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

اعتراض ۵۱:-''اسلامی جنت میں مسلمان مرد مومنوں کی بابت قرآنی وعدے (بمطابق قرآنی حوالے)......

(سورۃ الواقعہ 56 : 15 - 23 , 36 , 37،سورۃ الرعد 35 : 13 سورۃ الغاشیۃ 88 : 13 1سورۃ المطففین 83 : 23 2،سورۃ الحج 23:22،سورۃ الرحمٰن 56:55, 68،سورۃ النباء 78:32،سورۃ الزمر 39:20،سورۃ

الانسان 76 : 13 , 19، سورۃ الطور 52 : 20 , 22، سورۃ محمد 47 : 15.....)
(ناپاک جنسی لذت کیلئے موٹی موٹی آنکھوں والی ہم عمر عورتیں، کنواری حوریں)، (زنا کاری، حرام کاری، شہوت پرستی، عیاشی کا تصور)، ولدان یعنی لونڈے (بیچارے نو عمر معصوم لڑکے)، (لونڈے بازی کا ماحول)، (کافور اور سونٹھ سے ملی شراب کے خالص جھلکتے گلاس)۔ (شراب نوشی) (من مانی عیش ونشاط کے مشغلے)، (عیش پرستی کی تصویر) مگر بیچاری مسلمان مومن عورتوں (بیبیوں) کے اجر کی بابت؟ ہم عمر مرد؟ اور کنوارے حور نما مرد؟ زنانہ ولدان یعنی زنانہ لونڈیوں کی بابت؟ قرآن کی خاموشی؟''۔

حوروں کے حسن و جمال پر اور جنت کی شراب پر اعتراض کا جواب

جواب:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں متقی اور نیک مسلمانوں کے ساتھ آخرت میں جو نعمتیں عطا فرمانے کے وعدے ارشاد فرمائے ہیں وہ بالکل سچ اور برحق ہیں۔ ان میں سے ایک وعدہ حوریں عطا فرمانے کا بھی ہے۔ تو اس کی بابت تین باتیں توجہ سے سماعت فرمایئے!

پہلی بات:۔ جبکہ مرنے کے بعد آنیوالا عالم دار الجزا ہے دار العمل نہیں۔ تو پھر اس میں گناہ نہیں ہونگے بلکہ وہ عالم پاک ہوگا۔ تو اس لحاظ سے ''ناپاک جنسی، زنا کاری، حرام کاری اور شہوت پرستی اور عیاشی کا تصور'' کا رنگ دینا یقیناً جھوٹ وفریب ہے۔

دوسری بات:۔ ''وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ'' (''اور بیاہ دیں ہم نے انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں''۔ الطور: ۲۰) جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے متقی اور نیک مسلمانوں کے ساتھ حوروں کا بیاہ اور نکاح کر دیا تو پھر اس کے متعلق زیر نظر الفاظ کہنا سراسر جہالت وحماقت ہے۔

تیسری بات:۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں حوروں کے حسن کا جو بیان ہے اس سے (زنا کاری، حرام کاری، شہوت پرستی، عیاشی کا تصور) پیدا ہوتا ہے تو ملاحظہ فرمایئے کہ بائبل کیا کہتی ہے:۔

۱:۔ ''اے امیر زادی تیرے پاؤں جوتیوں میں کیسے خوبصورت ہیں!

۲:۔ تیری رانوں کی گولائی ان زیوروں کی مانند ہے جنکو کسی استاد کاریگر نے بنایا ہو۔

۳:- تیری ناف گول پیالہ ہے جس میں ملائی ہوئی مے کی کمی نہیں۔

۴:- تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے جس کے گرداگرد سوسن ہوں۔

۵:- تیری دونوں چھاتیاں دو آہو بچے ہیں۔ جو توام پیدا ہوئے ہوں۔

۶:- تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔

۷:- تیری آنکھیں بیت ربیم کے پھاٹک کے پاس حسبون کے چشمے ہیں۔

۸:- تیری ناک لبنان کے برج کی مثال ہے جو دمشق کے رخ بنا ہے۔

۹:- تیرا سر تجھ پر کرمل کی مانند ہے۔

۱۰:- اور تیرے سر کے بال ارغوانی ہیں۔ بادشاہ تیری زلفوں میں اسیر ہے۔
اے محبوبہ! عیش وعشرت کیلئے تو کیسی جمیلہ اور جانفزا ہے۔

۱۱:- یہ تیری قامت کھجور کی مانند ہے اور تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں۔
میں نے کہا میں اس کھجور پر چڑھونگا اور اس کی شاخوں کو پکڑونگا۔
تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں۔

۱۲:- اور تیرے سانس کی خوشبو سیب کی سی ہو

۱۳:- اور تیرا منہ بہترین شراب کی مانند ہو۔

جو میرے محبوب کی طرف سیدھی چلی جاتی ہے اور سونے والوں کے ہونٹوں پر سے آہستہ بہ جاتی ہے۔ میں اپنے محبوب کی ہوں اور وہ میرا مشتاق ہے"۔

(غزل الغزلات ۷ : ۱ تا ۱۰)۔

بائبل کی مندرجہ بالا آیات میں عورت کے جسم کی تیرہ اعضاء کا جس انداز سے اظہار کیا گیا ہے کیا ان سے (ناپاک جنسی لذت کیلئے ایسی خوبصورت محبوبہ، عیش وعشرت کیلئے جمیلہ اور جانفزا، زنا کاری، حرام کاری، تماش بینی، شہوت پرستی، عیاشی، بے حیائی اور بے غیرتی کا تصور) نہیں پایا جاتا؟۔

نیز انگریزی بائبل (گڈ نیوز بائبل) کی کتاب "غزل الغزلات" کے صفحہ ٦٦٠ پر جو دو تصویریں ایک جوان عورت کی اس کے علاوہ ایک مرد اور ایک عورت کی، اور صفحہ ٦٦۴ پر جو ایک جوان عورت کی تصویر موجود ہے۔ کیا ان تصاویر اور ان کی کیفیت و حالت سے، ناپاک جنسی لذت (فحاشی، عریانی، بے غیرتی، زناکاری، حرام کاری، شہوت پرستی، عیاشی اور تماش بینی) کا تصور موجود نہیں؟۔ کیا ان تصاویر سے ان برے کاموں کو کرنے کیلئے اپنا راستہ صاف نہیں کیا گیا؟۔ اور لوگوں کو الہامی لبادہ کے لباس میں ایسے کام کرنے کی ترغیب و دعوت نہیں دی گئی؟ کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس الہام کے ساتھ ان ناپاک، گندی، نجس اور گھناؤنی تصاویر کو بھی نازل کیا تھا؟ اور کیا قرآن مجید اور فرقان حمید میں اس طرح کی کوئی تصویر ہے؟ اگر کوئی دکھا سکے تو دکھائے؟ ورنہ شرمائے۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریادیوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

نیز بائبل کا الہامی کلام سماعت فرمایئے!

"میں سوتی ہوں پر میرا دل جاگتا ہے۔ میرے محبوب کی آواز ہے جو کھٹکھٹاتا اور کہتا ہے۔ میرے لئے دروازہ کھول میری محبوبہ! میری پیاری! میری کبوتری! میری پاکیزہ! کیونکہ میرا سر شبنم سے تر ہے۔ اور میری زلفیں رات کی بوندوں سے بھری ہوئی ہیں۔ مَیں تو کپڑے اتار چکی اب پھر کیسے پہنوں؟۔ مَیں تو اپنے پاؤں دھو چکی اب ان کو کیوں میلا کروں؟۔ میرے محبوب نے اپنا ہاتھ سوراخ سے اندر کیا اور میرے دل و جگر میں اس کیلئے جنبش ہوئی۔ مَیں اپنے محبوب کیلئے دروازہ کھولنے کو اٹھی اور میرے ہاتھوں سے مُر ٹپکا اور میری انگلیوں سے رقیق مُر ٹپکا اور قفل کے دستوں پر پڑا مَیں نے اپنے محبوب کیلئے دروازہ کھولا لیکن میرا محبوب مُڑ کر چلا گیا تھا۔ جب وہ بولا تو مَیں بے حواس ہو گئی۔ میں نے اسے ڈھونڈا پر نہ پایا۔ مَیں نے اسے پکارا پر اس نے مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ پہرے والے جو شہر میں پھرتے ہیں مجھے ملے۔ انہوں نے مجھے مارا اور گھائل کیا۔

شہر پناہ کے محافظوں نے میری چادر مجھ سے چھین لی۔ اَے یروشلیم کی بیٹیو! مَیں تم کو قسم دیتی ہوں کہ اگر میرا محبوب تم کو مل جائے تو اس سے کہہ دینا کہ میں عشق کی بیمار ہوں''۔

(غزل الغزلات ۵ : ۲تا۸)۔

نہایت حلیمی اور بردباری سے غور فرمایئے کہ کیا یہ مضمون شرم وحیا سے تعلق رکھتا اور کیا یہ مضمون الہامی ہوسکتا ہے؟۔ نیز ملاحظہ فرمایئے!

مَیں تجھ کو اپنی ماں کے گھر میں لے جاتی۔ وہ مجھے سکھاتی۔ میں اپنے اناروں کے رس سے تجھے ممزوج مے پلاتی۔'' (غزل الغزلات ۸ : ۲)۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ جواب ملاحظہ فرمایئے:۔

''اُس کا بایاں ہاتھ میرے سر کے نیچے ہوتا اور دہنا مجھے گلے سے لگاتا۔''

(غزل الغزلات ۸ : ۳)۔

اس مقام سے عملی نتیجہ اخذ کیجئے؟۔

بادہ عصیاں سے دامن تر بتر ہے شیخ کا
اس پہ دعوٰی یہ کہ اصلاح دو عالم ہم سے ہے

نیز ملاحظہ فرمایئے:۔''تو بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے جب وہ مصر کی سرزمین میں بدکاری کرتی تھی بدکاری پر بدکاری کی۔ سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جنکا اِنزال گھوڑوں کا سا انزال تھا''۔ (حزقی ایل ۲۳ : ۱۹،۲۰)۔

بائبل کی جن کتابوں میں شرافت سے گری ہوئیں اور اخلاق سوز عبارتیں پائی جاتی ہیں کیا وہ اس قابل ہیں کہ انہیں الہامی یا پاک کہا جائے؟ اگر یہ الہامی اور پاک ہیں تو پھر غیر الہامی اور ناپاک کسے کہینگے؟۔ اور ناپاک کے کیا معنے ہونگے؟۔

آ گیا داغؔ اس کے دل میں یہ غرور
شکل ہے دنیا میں لاثانی مری

باقی رہے یہ بدترین اور قابل نفرین الفاظ (لونڈے بازی کا ماحول)- چونکہ یہ مذموم اور گندے الفاظ نہایت ہی گندے دل ودماغ اور بہت ہی گندے سینے کی پیداوار ہیں۔ اس لئے اسلام اور اہل اسلام اس سے بَری ہیں اور ہمارے ہاں یہ غلیظ، گندا، نجس اور ناپاک تصور ہے ہی نہیں۔ مرنے کے بعد آخرت میں ملنے والی شراب پر جو اعتراض کیا گیا ہے۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وہ شراب دنیا کی شراب کی طرح ''ام الخبائث'' نہیں ہوگی بلکہ اس میں صرف مزہ اور سرور ہوگا۔ چنانچہ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے (سورۃ محمد: ۱۵-) اس شراب میں نشہ، بکواس فتورِ عقل اور گناہ کی کوئی بات نہیں ہوگی (سورۃ الطور: ۲۳)- جبکہ وہ شراب آخرت کی اور اس میں کوئی برائی موجود ہی نہیں اور اللہ پاک کی طرف سے ہے۔ تو اس پر اعتراض کرنا حماقت و جہالت ہے۔ مسیحی دنیا میں جناب پولوس کے حکم سے جو شراب حلال اور جائز ہے عقل مند لوگ اسے ''ام الخبائث'' (برائیوں کی ماں) کہتے ہیں۔ مگر مسیحی مبشر کو اس شراب کو پینے پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہ بات اناجیل موافقہ (پہلی تینوں اناجیل) سے ثابت ہوتی ہے کہ سیدنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور آپؑ کے مقدس شاگرد بھی آخرت میں کچھ نوش فرمائینگے۔ سماعت فرمائیے!

''میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیونگا۔ اس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہی میں نیا نہ پیوں''۔ (متی ۲۶ : ۲۹، مرقس ۱۴ : ۲۵، لوقا ۲۲ : ۱۸)-

بہر حال آخرت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور آپؑ کے مقدس شاگردوں کا اکٹھے ''انگور کا شیرہ'' نوش فرمانا ثابت ہے۔ جبکہ دنیا کی شراب جس کا دوسرا نام ''ام الخبائث'' (برائیوں کی ماں) ہے۔ مسیحی مذہب میں حلال اور اس کے پینے کا حکم مسیحی مرد اور عورت دونوں کیلئے موجود ہے۔ تو اہل اسلام کے آخرت میں ایسی برائیوں سے پاک اور اللہ ربُّ العزت کے فرمان مبارک کے مطابق پینے پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اس اعتراض کے آخری الفاظ (مگر بچاری مسلمان مومن عورتوں (بیبیوں) کے اجر کی بابت؟......قرآن کی خاموشی''؟

نیک مسلمان عورت کے اجر کی بابت قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے کہ یہ عورت جنت میں اپنے خاوند کے ساتھ ہی ہوگی (الزخرف: ۷۰) نیز نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا مسلمان کو جو حوریں ملینگی یہ عورت حوروں پر جنت میں سردار ہوگی۔ اوکما قال النبی ﷺ۔ پس یہ کہنا کہ قرآن پاک عورتوں کے اجر سے خاموش ہے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

اعتراض ۵۲:- ''اہل تشیع کی کتاب النکاح کے مطابق اسلام کیوں مسلم مومن عورتوں کو مٹھی بھر گندم یا پیسے کے بدلے جسم فروشی اور عصمت فروشی کی اجازت دیتا جس سے زنا کاری اور برائی اور حرام کاری اور ناپاکی کو فروغ ملتا؟''۔

مطلقہ عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے کا مسئلہ

جواب:- جن پر اعترض کیا گیا ہے۔ ان ہی سے جواب دریافت فرمایئے کیونکہ دوسرے فرقے کی بات ہمارے لئے حجت نہیں۔

اعتراض ۵۳:- ''اگر کسی مسلم مومن کی مسلم مومن بیوی طلاق کے بعد پھر سے اپنے پہلے والے مومن مسلم شوہر کے ساتھ رہنے کو راضی ہو تو کیونکر اس عورت کو کسی غیر مرد کے ساتھ کچھ وقت کے لیے رہنا واجب اور مناسب ہے؟ جو کہ سراسر ہی زنا کاری اور حرامکاری اور خدا کی نظر میں گناہ کبیرہ اور ناپاکی اور زنا کاری ہے۔ کیا پاک خدا ایسے گھنونے حیوانی اور شیطانی فعل کی اجازت دے سکتا ہے؟''۔

جواب:- ''سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا''۔ (حزقی ایل ۲۳ : ۲۰)۔ جبکہ خدا خود پاک اور اس کا ہر ایک سخن پاک ہے۔ (امثال ۳۰ : ۵)۔ تو بائبل کی ان دونوں باتوں کے پیش نظر ایسے بدترین، قابل نفرین شرافت سے گرے ہوئے، گندے، ناپاک، سراپا نجس، نہایت مذموم اور بہت گھناؤنے الفاظ الہام اور وحی الٰہی ہو سکتے ہیں؟۔

کچھ اس قدر تھی گرمی بازار آرزو
دل جو خریدتا تھا اسے دیکھتا نہ تھا

سب سے پہلے یہ بات سماعت فرمایئے کہ دین اسلام میں نکاح کسے کہتے ہیں؟ تو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ قرآن پاک کی سورۃ النساء کی آیت مبارکہ ۲۴ کے تحت دوسرے فائدہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

''یعنی جن عورتوں کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سواسب حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول دونوں طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال دینا یعنی مہر دینا قبول کرو تیسری یہ کہ ان عورتوں کو قید میں لانا اور اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے یعنی ہمیشہ کیلئے وہ اس کی زوجہ ہو جائے چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر اہل حق کا اجماع ہے۔ چوتھی شرط جو دوسری آیتوں میں مذکور ہے یہ ہے کہ مخفی طور پر دوستی نہ ہو یعنی کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت اس معاملہ کی گواہ ہوں اگر بدون دو گواہوں کے ایجاب وقبول ہو گا تو وہ نکاح درست نہ ہو گا زنا سمجھا جائے گا''۔ (تفسیر فوائد عثمانیؒ)۔

ہمارے ہاں کسی عورت کا کسی مرد کے ساتھ کچھ وقت کے لیے رہنا نکاح نہیں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ (مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ یعنی قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو) جب یہ معلوم ہو گیا تو اگر کسی عورت کو طلاق ہو جاتی ہے تو وہ عدت پوری کرنے کے بعد دوسرے آدمی سے نکاح کر سکتی ہے اگر یہ آدمی مر جائے یا خود طلاق دے دے تو اس عورت کو عدت پوری کرنے کے بعد یہ اختیار ہے کہ اگر پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے شریعت میں اس کی اجازت یعنی جواز ہے مگر ایسا کرنا فرض اور واجب نہیں کہ یعنی یہ ضروری نہیں کہ پہلے خاوند ہی کے ساتھ نکاح کرے۔ یہ فقہی مسائل ہیں۔ علم کلام میں یہ زیر بحث نہیں لائے جاتے غور فرمایئے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ابو جان نے اپنے باپ کی بہن یعنی اپنی حقیقی پھوپھی سے نکاح کیا

تھا۔ چنانچہ تورات نے اسے اس طرح بیان کیا ہے:۔

''اور عمرام نے اپنے باپ کی بہن یوکبد سے بیاہ کیا اس عورت کے اس سے ہارون اور موسیٰ پیدا ہوئے''۔ (خروج ٦ : ٢٠)۔ حالانکہ تورات میں اس کے خلاف حکم ہے:۔''اور تو اپنی خالہ یا پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا''۔ (احبار ٢٠ : ١٩)۔

اور اب یہودیوں، مسیحیوں اور مسلمانوں کے نزدیک پھوپھی سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں بہر حال ایسے فقہی اور فروعی مسائل مذاہب میں مختلف ہوتے ہیں۔ علم کلام میں ان پر گفتگو نہیں بلکہ اصولوں پر کی جاتی ہیں۔ پر کیا کریں مسیحی مبشر صاحب علم کلام سے بالکل اسی طرح بے علم ہیں جس طرح ہندو لوگ گائے کے گوشت کے مزے سے بے خبر ہیں۔

اعتراض ۵۴ :۔''اسلامی مساوات کے مطابق، مومن مسلم مرد کو تو چار بیویاں کرنے کی اجازت مگر مسلم مومن عورت کو کتنے مرد؟ اور سنت رسول کی ۱۴ شادیوں کے پیش نظر ہر مسلم عورت اور مرد کو ایسا ہی کرنے کی اجازت؟''۔

مسلمان مرد کو چار بیویاں بیک وقت کرنے کی اجازت اور عورت کو کیوں نہیں

جواب:۔مسلمان کو چار بیویاں کرنے کی اجازت ہے مگر اس پر فرض نہیں اور چار بیویاں کرنے پر بھی شرط ہے۔ کہ اگر چاروں میں عدل وانصاف نہ کر سکے پھر چار کرنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں مگر عورت کو صرف ایک ہی مرد کرنے کی اجازت اس سے زائد کیوں نہیں؟ تو توجہ فرمائیے!

اوّل:۔اگر عورت کو چار مرد کرنے کی اجازت دے دی جاتی تو اس سے ایک خرابی یہ پیدا ہوتی کہ اس سے پیدا ہونے والے ہر بچے کی ولدیت کا پتہ نہ چلتا یعنی چاروں میں سے کس کا بیٹا ہے۔ اور اسے کس کی طرف منسوب کیا جائے؟۔

دوم:۔ اللہ رب العزت اس بات کو بخوبی جانتا تھا کہ عورت سال بھر میں ایک ہی بچہ پیدا کر سکتی

ہے جبکہ مرد چار بچے پیدا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔اس لیے مرد کو تو چار عورتیں کرنے کی اجازت دے دی گئی مگر عورت کو صرف ایک ہی مرد کی اجازت ہے۔

سوم:- چونکہ عورت نازک ہے اور اس بات کو جناب پطرس نے بھی تحریر کیا ہے:-

''اور عورت کو نازک ظرف جان کر اس کی عزت کرو'' (ا-پطرس ۳ : ۷)-

جبکہ عورت ایک مرد کے مقابلہ میں ''نازک ظرف'' ہے تو چہ جائیکہ چار مرد پس ان وجوہات کی بنا پر عورت کو ایک ہی خاوند کی اجازت دی گئی اگر کوئی ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتا پھر تجربہ کر کے دیکھ لے۔تجربہ پر ہماری یہ باتیں بالکل صحیح ثابت ہوں گی۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

باقی رہا یہ کہ آنحضرت ﷺ کی طرح ہر مسلمان کو چودہ شادیاں کرنے کی اجازت کیوں نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے تخصیص تھی۔جیسے نماز تہجد آپؐ پر فرض تھی مگر ہر مسلمان پر تہجد فرض نہیں نیز زکوٰۃ ،فطرانہ و دیگر صدقات رسول اکرم ﷺ اور آپ کی اولاد کیلئے جائز نہیں لیکن غریب مسلمانوں کیلئے جائز ہیں۔یہ تخصیص بائبل سے بھی ثابت ہے توجہ فرمایئے ہر اسرائیلی بادشاہ کو تورات کا ایک نسخہ نقل کر کے اپنے پاس رکھنے کا حکم تھا (استثنا ۱۷ : ۱۸)-مگر ہر اسرائیلی کو یہ حکم نہ تھا-نیز حضرت ہارون علیہ السلام اور آپ کے بیٹوں کے لیے خصوصیت (احبار ۸ :۸ ،۹ گنتی ۸ : ۶)- پس اسلام اور بائبل کی نظر میں یہ اعتراض فضول اور قابل سماعت نہیں۔

اعتراض ۵۵:- ''اگر محمد کا ہر فعل مسلمانوں کے لیے سنت اور ضابطہ حیات ہے تو جس طرح محمد عربی نے 14 سے زائد عورتوں سے نکاح رچایا تو کیا اس طرح مسلمان کو کیوں 14 سے زائد عورتوں سے شادیاں رچانے کی اجازت نہیں؟''۔

جواب:- اس اعتراض کا جواب، اعتراض ۵۴ کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔

وہاں ملاحظہ فرمایئے!

اعتراض ۵۴، کے الفاظ بدل کر اسے اعتراض ۵۵، کا نمبر دے دیا ہے یہ فعل مبشر صاحب کے

''عالی دماغ''اور''عالی قوت حافظ'' کی دلیل ہے۔

اعتراض ۵۶:-''جبکہ محمد نے کمسنی (بالغ حالت سے کہیں قبل) کی حالت میں عورتوں سے شادی رچائی تو کیا سنت رسول کے پیش نظر آج کا مسلمان بھی ایسا گھناؤنا فعل کرسکتا ہے؟اور ایسا کرنیکی صورت میں کیا قانون ایسے مسلمان کو مجرمانہ سزا دیگا؟''۔

امی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح

جواب:-جبکہ رسول پاک ﷺ نے صرف ایک ہی ایسا نکاح کیا ہے تو لفظ''عورتوں''یقیناً جھوٹ اور بہتان ہے۔یہ بدترین،قابل نفرین،مذموم اور مسموم حرکت صرف نفرت اسلام اور عداوت خیرالانام ﷺ کی وجہ سے کیگئی ہے۔یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کذب بیانی اور افترا پردازی کرنیوالا انسان کا دل،دماغ کس قدر ناپاک،گندا،نجس اور گھناؤنا ہوگا؟۔جس انسان میں شرم،حیا،غیرت وحمیت ہوگی وہ انسان کبھی بھی اس حرکت کو کرنیکی جسارت نہیں کرسکتا۔بہرحال جھوٹ وبہتان انسانی شرافت سے دور اور بہت دور ہیں۔اس اعتراض میں اشارہ امی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نکاح کی طرف کیا گیا ہے۔تو ہم اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ سے امی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نکاح ہوا تو اس وقت آپؓ ضرور نابالغہ تھیں اور یہ نکاح مکہ معظمہ میں ہجرت سے قبل ہوا تھا۔مگر جب آپؓ کی رخصتی ہوئی تو اس وقت آپؓ بالکل عاقلہ اور بالغہ تھیں۔چنانچہ ہمارے بزرگانِ دین اور علماءِ راسخین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔دیکھو(نووی شرح مسلم صفحہ ۴۵۶)۔

اور یہ رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ مشرکین مکہ نبی اکرم ﷺ کے خون کے پیاسے اور آپؐ کے خلاف پَر کا کبوتر بنانے میں یدِطولیٰ رکھتے اور منافقین مدینہ بھی آپؐ کے جانی دشمن اور آپؐ کے خلاف بے پَر کی اُڑانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔مگر مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ میں سے کسی نے بھی ان دونوں موقعوں (نکاح اور

رخصتی) پر سرکار دو عالم ﷺ کے خلاف منہ کھولا نہیں اور زبان ہلائی نہیں۔ اگر آپ کا یہ فعل مبارک ان کی نگاہوں میں برا، معیوب اور جرم ہوتا تو وہ لوگ ہرگز ہرگز معاف کرنیوالے نہ تھے بلکہ وہ لوگ اس موقعہ سے ضرور فائدہ اٹھاتے اور آسمان سر پر اٹھا لیتے اور خوب دل کھول کر لیل ونہار، شب وروز اور رات دن آپؐ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے۔ مگر ان کا ایسا نہ کرنا اس بات کا ٹھوس ثبوت اور بیّن دلیل ہے کہ یہ نکاح مبارک ان کی نظروں میں معیوب نہ تھا۔

ان کے علاوہ حضرات صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی اس فعل کو بری نظر اور نگاہ بد سے نہیں دیکھا۔ اگر یہ کام قابل نفرت ہوتا تو حضرات صحابہؓ اسی طرح اسلام سے منہ موڑ اور خیر الانام ﷺ سے تعلق توڑ جاتے جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بہت سے شاگرد آپؑ سے تعلق توڑ اور آپؑ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے (یوحنا ۶ : ۶۶)۔ مگر یقین جانیے اور سچ مانیے کہ اسلامی تاریخ میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا۔ جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ یہ نکاح مبارک کوئی جرم اور معیوب نہ تھا۔

جبکہ ہجرت کے بعد رخصتی اور رخصتی کے وقت مدینہ منورہ میں یہود ونصاریٰ ودیگر قبائل میں سے جوق در جوق لوگ سرور دو عالم ﷺ پر ایمان لائے اور فتح مکہ کے موقعہ پر مشرکین مکہ فوج درفوج مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان واقعات سے بھی یہی صداقت روشن ہوتی ہے کہ یہ نکاح مبارک ان سب انسانوں کی نگاہوں میں ہرگز ہرگز معیوب اور جرم نہ تھا۔ نیز یہ نکاح مبارک کبھی بھی اسلام کی نشر واشاعت اور اوج وترقی کی راہ میں سدِّ سکندری اور دیوار آہنی نہیں بنا۔ پس ان تمام باتوں کے پیش نظر موجودہ دَور کے بے دین لوگوں کی باتیں ناقابل سماعت ہیں۔ جبکہ لوگ قدم قدم پر اور بات بات میں جھوٹ بولتے ہوں تو ایسی "پاک زبان" سے جو کچھ نبی پاک ﷺ کے خلاف "ارشاد فرمایا" جائیگا۔ وہ یقیناً مجذوب کی بڑ ہوگا۔ اسی سن (۲۰۰۲ء) میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ امریکہ میں ایک آٹھ سال کی بچی کو لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اب کیا کہو گے؟۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ اللہ ربُّ

العزت کی قدرت کاملہ کو ملاحظہ فرمایئے! کہ امی جان حضرت مریم صدیقہؓ کو عام عورتوں کے طریق کار سے علیحدہ یعنی بغیر خاوند لڑکا پیدا ہوا۔ تو یہودی اس مقام پر امی جان حضرت مریم صدیقہؓ کی شانِ اقدس میں نہایت گستاخانہ اور غیر شریفانہ الفاظ کہتے ہیں مگر یہودی تعصب وضد میں گرفتار ہیں۔ گو بغیر خاوند امی جان حضرت مریم صدیقہؓ کے نورِ نظر پیدا ہوا ہے مگر عقل حیران اور بہت حیران ہے کیونکہ عام عورتوں کے خلاف ہوا ہے۔ مگر اللہ ربُّ العزت کے قدرت کاملہ کیلئے کوئی مشکل نہیں۔ پس اس مقام پر ایک ایمان دار انسان اور صاف دل آدمی آپ ﷺ پر اعتراض نہیں کرتا بلکہ بلا چون وچرا اس واقعہ کو اللہ پاک کی طرف سے سچا اور صحیح جانتا اور مانتا ہے۔ جبکہ امی جان حضرت مریم صدیقہؓ کو بغیر خاوند لڑکا پیدا ہونے پر انسانی عقل حیران اور بہت حیران ہے تو بھی مسیحی دنیا اسے حق جانتی اور سچ مانتی ہے۔ تو بالکل اسی طرح اگر امی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ عام بچیوں سے جلدی عاقلہ اور بالغہ ہو گئیں تو اس میں اس قدر حیرانی اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کیوں ہے؟ پس جس طرح یہودی لوگ امی جان حضرت مریم صدیقہؓ کے ساتھ تعصب وضد رکھنے کی وجہ سے اس واقعہ کے منکر اور آپؑ کی توہین کرتے ہیں بالکل اسی طرح نبی پاک ﷺ اور امی جان حضرت عائشہؓ سے بغض وحسد کی وجہ سے مبشر صاحب بھی یہودیوں کی طرح ایسا ہی کرتے ہیں۔ حقیقت میں اس نکاح مبارک پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ باقی رہا اہل اسلام کا ایسا کرنا تو ہمارے ہاں یہ مسئلہ موجود ہے کہ مسلمان کا نکاح نابالغہ کے ساتھ جائز ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بات نہایت لازمی اور بہت ضروری ہے کہ رخصتی کے وقت بچی بالغہ ہو۔ نابالغہ کی رخصتی جائز نہیں۔ ہم اہل اسلام، اسلام کے سوا کسی کالے قانون کو نہیں مانتے۔ چونکہ اسلام میں یہ فعل جرم نہیں لہٰذا اسلام میں اس کی سزا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اعتراض ۵۷:۔ ''جبکہ پاک توریت اور پاک انجیل کے الہامی نوشتوں کے مطابق اور آدم کی ایک ہی حوا کی پاک خدائی مثال کے پیش نظر ایک ہی وقت میں ایک سے زائد شادی کو

حرامکاری اور زنا کاری کہا گیا ہے ـ تو کیوں قرآن اور محمد اور احادیث، پاک الہامی نوشتوں کے برعکس اور مخالف ہیں اور اسلامی دنیا میں حرام کاری اور زنا کاری کے باعث اسلام اپنے پیرو کاروں کو آتش جہنم کے حوالہ کر رہا ہے؟''۔

بیک وقت ایک سے زائد بیویاں رکھنے کا بائبل سے ثبوت

جواب: -توارت سے قبل ،تورات کے وقت اور تورات کے بعد ایک سے زائد شادیاں ایک ہی وقت میں ملاحظہ فرمایئے!۔

۱:-سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے ابو جان جناب لمک کی ایک ہی وقت میں دو شادیاں تھیں:-

''اور لمک دو عورتیں بیاہ لایا۔ایک کا نام عدہ اور دوسری کا نام ضِلّہ تھا۔'' (پیدائش ۴ : ۱۹)۔

''اور لمک نے اپنی بیویوں سے کہا کہ اے عدہ اور ضِلّہ میری بات سنو۔اے لمک کی بیویو میرے سخن پر کان لگاؤ۔'' (پیدائش ۴ : ۲۳)۔

۲:-جدُّ الانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی وقت میں دو بیویاں تھیں:-

امی جان حضرت سارہ علیہا السلام (پیدائش ۱۶ : ۱)۔

امی جان حضرت ہاجرہ علیہا السلام (پیدائش ۱۶ : ۳-پیدائش ۱۶ : ۱۶)۔

۳:-سیدنا حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کی ایک ہی وقت میں چار بیویاں تھیں:-

اول:۔''لیاہ (پیدائش ۲۹ : ۲۳) دوم:۔زلفہ (پیدائش ۲۹ : ۲۴)

سوم:۔راخل (پیدائش ۲۹ : ۲۸) چہارم:۔بلہاہ (پیدائش ۲۹ : ۲۹)۔''

۴:-سیدنا حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ایک ہی وقت میں دو بیویاں تھیں:-

''تب اس نے اپنی بیٹی صفورہ موسیٰ کو بیاہ دی'' ۔(خروج ۲: ۲۱)۔

''موسیٰ کے سالے قینی''، یعنی قینی کی بہن ۔(قضات ۱ : ۱۶)

۵:- جدعون کے ستر بیٹے اور ایک ہی وقت میں اس کی بہت سی بیویاں تھیں ۔(قضات ۸ :

۳۰)۔''جدعون'' نبی تھے(عبرانیوں ۱۱ : ۳۲)۔

۶:۔''القانہ'' نیک آدمی اور اس کی دو بیویاں ایک ہی وقت میں تھیں۔ (۱۔سموئیل ۱ : ۱تا۳)۔

۷:۔اشور کی دو بیویاں تھیں۔حیلاہ اور نعراہ۔(۱۔تواریخ ۴ : ۵)۔

۸:۔یہویدع کاہن نے یوآس کو ایک ہی وقت میں دو بیویوں سے بیاہا۔

(۲۔تواریخ ۲۴ : ۱تا۳)۔

۹:۔''اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو''۔(استثناء ۲۱ : ۱۵)۔

۱۰:۔سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک ہی وقت میں ایک سے زائد شادیاں اور بیویاں تھیں:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد:۔

نمبر شمار	نام	حوالہ
۱	میکل	۱۔سموئیل ۱۸ : ۲۷۔
۲	ابی جیل	۱۔سموئیل ۲۵ : ۴۲۔
۳	اخینوعم	۱۔سموئیل ۲۵ :۴۳۔
۴	معکہ	۲۔سموئیل ۳ : ۳۔
۵	حجیت	۲۔سموئیل ۳ : ۴۔
۶	ابیطال	۲۔سموئیل ۳ : ۴۔
۷	عجلاہ	۲۔سموئیل ۳ : ۵۔
۸	بت سبع	۲۔سموئیل ۱۲ : ۲۴۔
۱۸	دس حرم میں جمع آٹھ بیویاں =۱۸	۲۔سموئیل ۲۰ : ۳۔
۱۹	شونمیت ابی شاگ	۱۔سلاطین ۱ : ۳۔

ان کے علاوہ سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام نے اور بھی حرمیں رکھیں اور بیویاں کیں۔

(۲-سموئیل ۵ : ۱۳)۔

جبکہ تورات اور دیگر الہامی کتابوں میں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد عورتوں سے نکاح اور شادی کرنا جائزِ وحلال ہے تو خط کشیدہ الفاظ سوائے کذب وجھوٹ کے اور کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ یہ بات بھی توجہ کے قابل ہے کہ تورات پر جھوٹ بولنے سے گریز و پرہیز نہیں کیا گیا۔ نیز جن حضرات انبیاء علیہم السلام ودیگر نیک انسانوں نے ایک ہی وقت میں ایک سے زائد بیویاں گھر میں رکھی ہیں۔ ان مقدس حضرات کو اس اعتراض میں کیا قرار دیا اور ان کو کہاں تک پہنچایا گیا ہے؟۔

الامان قہر الٰہی تھا یہ غصہ اس کا
آج قاتل نے نہ اپنا پرایا دیکھا

غیرت ، شرم اور حیا،

کام اس سے آپڑا ہے جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستمگر کہے بغیر

چونکہ تورات اور عہد قدیم کی دیگر کتابوں سے یہ بات کہ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد عورتوں سے نکاح جائز وحلال ہے۔ اس لئے یہ اعتراض ہم اہل اسلام پر نہیں بلکہ عہد قدیم پر وارد ہوتا ہے کیونکہ عہد قدیم، قرآن کریم سے پہلے کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام نے اس حکم کو منسوخ فرمایا ہے:۔

''اور مَیں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ بھی زنا کرتا ہے''۔(متی ۱۹ : ۹ ، لوقا ۱۶ : ۱۸)۔

چونکہ مسیحی دنیا کا آپ کے اس حکم پر عمل ہے اس لئے یہ لوگ ایک ہی وقت میں دوسری شادی نہیں

کرتے۔ اگر اس حکم کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ حکم انسان کیلئے کافی نہیں کیونکہ یہ مسیحی عورت کہیں بھی دوبارہ نکاح نہیں کرسکتی۔ جو کوئی مسیحی مرد اس کے ساتھ نکاح کریگا وہ بھی زانی شمار ہوگا۔ اب یہ مسیحی عورت نکاح کے بغیر کیا کریگی؟ جبکہ پہلے ہی اس مسیحی عورت کو حرامکاری اور زنا کاری کا چسکا پڑ چکا ہے۔ مسیحی نوجوان مرد اور مسیحی نوجوان عورت کا نکاح ہوجاتا ہے مگر چھ ماہ بعد عورت ٹی۔بی کی مرض میں مبتلا ہوجاتی ہے علاج ودرماں سے کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ اب یہ مسیحی نوجوان کیا کریگا؟ جبکہ اپنے جذبات پر قابو پانا اس کیلئے ناممکن ہے یا مرد اس مرض میں مبتلا ہوجاتا ہے تو مسیحی نوجوان عورت بھی اپنے جوانی کے جذبات پر قابو نہیں پاسکتی تو ان دونوں باتوں کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام کا فرمان مبارک کیا ہے؟ کسی مسیحی ملک سے کسی دوسرے ملک کی جنگ ہوجاتی ہے جنگ میں مسیحی نوجوان کثرت سے مرجاتے ہیں اور نوجوان مسیحی عورتیں بہت کنواری ہیں ان کو نکاح کرنے کیلئے مسیحی آدمی نہیں ملتے اور ایک مسیحی مرد دوسرا نکاح بیک وقت کر نہیں سکتا تو یہ مسیحی نوجوان کنواری عورتیں کیا کرینگی جبکہ وہ اپنے جذبات جوانی پر قابو نہیں پاسکتیں؟۔ جس طرح پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کا حکم طلاق کی بابت نقل کیا گیا ہے بالکل اسی طرح آپؑ کا فرمان مبارک ان صورتوں میں کیا ہے؟۔

اعتراض ۵۸:۔"جبکہ محمد کو اپنی آخرت کا علم نہ ہوسکا اور نہ ہی محمد اپنی بیٹی یا کسی اور کو جنت کا یقین دلاسکا بلکہ جہنم کا وعدہ سب کیلئے تو کیونکر پیروی محمد کسی مسلمان کو ابدی نجات دے سکیگی؟۔

نبی پاک ﷺ سب سے پہلے جنت میں تشریف فرما ہوں گے

جواب:۔ رسول پاک ﷺ کیلئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور آپؐ سب سے پہلے جنت میں تشریف فرما اور جلوہ آرا ہونگے۔

(مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین ﷺ ۔ الفصل اول)۔

ہادیِ دوجہان اور نبی آخر الزمان ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی سردار ہونگی۔(مشکوۃ شریف -الفصل الاوّل-باب مناقب اہل البیت النبی ﷺ۔ وباب جامع المناقب ۔الفصل الثانی)-پس اعتراض جہالت و حماقت پر مبنی ہے۔

جو شخص نبی پاک ﷺ پر خلوص سے ایمان لائے اور آپؐ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرے تو قرآن پاک اس نیک بخت اور خوش قسمت انسان کو بارہا مقامات پر ابدی نجات پانے اور جنت میں داخل ہونے کی بشارت دیتا ہے۔پر اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں پر تعصب وضد کی پٹی باندھ لے اور قرآن پاک سے ان فرامین الٰہی کو نہ دیکھے تو اس سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا بلکہ وہ آدمی اپنی آنکھوں میں روشنی نہ ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

الحمدللہ! کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مسیحی مبشر صاحب کے اٹھاون (۵۸) بے بنیاد اعتراضات کے مدلل اور دندان شکن جوابات لکھے جاچکے ہیں صرف ایک اعتراض باقی ہے اس جگہ دل یہ بات کہتا ،جی میں آتا اور ذوق تقاضا کرتا ہے کہ آخری اعتراض کا جواب تحریر کرنے سے پہلے وعدہ کے مطابق موصوف کی بعض غلطیاں تحریر کردی جائیں تاکہ ان سے مسیحی مبشر صاحب کی ''دماغی صلاحیت'' اور ''علمی قابلیت'' کا پتہ چل اور سراغ مل سکے اب ذرا ان غلطیوں کوملاحظہ فرمایئے!

مسیحی مبشر صاحب کی ۲۶ غلطیاں

نمبر شمار	غلط حوالے اور غلط الفاظ	صحیح حوالے اور صحیح الفاظ
۱	''اعتراض ۱:-پکارہ''۔	پکارا۔
۲	''اعتراض ۳:-پیشتر''۔	بیشتر۔
۳	''اعتراض ۵:-اصحابہ''۔	صحابہ۔
۴	''اعتراض ۶:-سپارے''۔	سیپارے۔
۵	''اعتراض ۶:-سپاروں''۔	سیپاروں۔
۶	''اعتراض ۷:-زیر،زبر،جد''۔	مد۔

۷	[illegible]	''اعتراض۱۰:-۲ے آیات''۔	۷۳ے۔
۸		''اعتراض۱۱:-توڑ مڑوڑ''۔	مروڑ۔
۹		''اعتراض۱۳:-الات''۔	لات۔
۱۰		''اعتراض۲۲:-آیام''۔	ایام۔
۱۱		''اعتراض۲۴:-توڑ مڑو''۔	مروڑ۔
۱۲		''اعتراض۲۵:-ساتھ لاکھ''۔	سات۔
۱۳		''اعتراض۲۵:-احادیثوں''۔	احادیث۔
۱۴		''اعتراض۲۶:-ساتھ لاکھ''۔	سات۔
۱۵		''اعتراض۲۸:-آیت''۔	حدیث۔
۱۶		''اعتراض۳۰:-۳۴ آیت''۔	۳۵۔
۱۷		''اعتراض۳۴:-زکواۃ''۔	زکوٰۃ۔
۱۸		''اعتراض۳۴:-پیدائیشی''۔	پیدائشی۔
۱۹		''اعتراض۳۸:-سورۃ جنات''۔	سورۃ جن۔
۲۰		''اعتراض۳۸:-سورۃ العجم''۔	سورۃ النجم۔
۲۱		''اعتراض۳۸:-عباس''۔	ابن عباسؓ۔
۲۲		''اعتراض۴۵:-چومنا''۔	چومنا۔
۲۳		''اعتراض۴۸:-مرزیت''۔	مرزائیت۔
۲۴		''اعتراض۵۰:-سورۃ النساء۳۲''۔	۴۳۔
۲۵		''اعتراض۵۱:-سورۃ الرعد۳۵:۱۳''۔	سورۃ الرعد۱۳:۳۵۔
۲۶		''اعتراض۵۱:-سورۃ الانسان''۔ ●	سورۃ الدھر۔

یاد رہے کہ ان اعتراضات کے کل صفحات چار اور ان میں چھبیس غلطیاں ہیں۔

اے دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟

آخر اس مرض کی دوا کیا ہے؟

اعتراض ۵۹:- ''یسوع مسیح سب انسانیت سے یوں ہم کلام ہوتا کہ ''اے محنت اٹھانے والو

اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دونگا میرا جوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا'' (بمطابق پاک انجیل، متی ۱۱: ۲۸، ۳۰)۔

مسیحؑ کی نبوت خاص زمانہ اور خاص لوگوں کے لیے تھی

جواب:۔موصوف کے یہ الفاظ آخری ہیں مگر:۔

چہرے تو خوشنما ہیں پُر جسم ہے داغ داغ

الفاظ پُر کشش ہیں، معنوں میں کچھ نہیں

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے یہ الفاظ مبارک پورے نقل نہیں کئے گئے بلکہ درمیان میں سے تیرہ لفظ چھوڑ دیئے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض نسیان غالب ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ جو پہلی انجیل متی میں ہیں۔ یہ تمام انسانوں اور قیامت تک کے زمانہ کیلئے ہرگز ہرگز نہیں بلکہ محدود لوگوں اور محدود زمانہ تک کیلئے ہیں۔ کیونکہ اگر آپؑ کے یہ الفاظ تمام انسانوں اور قیامت تک لئے ہوتے تو انجیل متی کے بعد چوتھی انجیل یوحنا میں آپؑ کے جو مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:۔

''لیکن مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر مَیں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔''

(انجیل یوحنا ۱۶ : ۷)۔

تو آپؑ یہ الفاظ کبھی بھی ارشاد نہ فرماتے پس آپؑ کے یہ الفاظ اس بات کی بیّن دلیل اور ٹھوس ثبوت ہیں کہ آپؑ کے انجیل متی کے الفاظ مذکورہ محدود لوگوں اور محدود زمانہ تک کیلئے ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ نے انجیل یوحنا ۱۶ : ۷، میں جو لفظ ''مددگار'' ارشاد فرمایا ہے

۔اس کا مصداق کون ہے؟ تو ہم اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ پیشگوئی صرف اور فقط سرکار دو عالم ﷺ ہی کے حق میں ہے مگر مسیحی علماء یہ بات کہتے ہیں کہ یہ پیشگوئی روح القدس کی بابت ہے چنانچہ یہ پیشگوئی اس وقت پوری ہوگئی تھی۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی اور صعودِ آسمانی کے بعد عید پینٹکست کے دن روح القدس مقدس حواریوں پر نازل ہوا تھا۔ (اعمال ۲ : ۱ تا ۴) ۔مگر یہ بات بہت سے ٹھوس ثبوت اور واضح دلائل کے پیشِ نظر صداقت سے دور اور بہت دور ہے کیونکہ آپ نے روح القدس کے نزول کی بابت جو پیشگوئی فرمائی ہے اسے یوں تحریر کیا گیا ہے:۔

''اور دیکھو جس کا میرے باپ نے وعدہ کیا ہے میں اس کو تم پر نازِل کرونگا لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو''۔ (لوقا ۲۴ : ۴۹)۔

توجہ فرمایئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ''مددگار'' والی بشارت (انجیل یوحنا ۱۶ : ۷ تا ۱۵)۔ اور ''روح القدس'' والے وعدہ (لوقا ۲۴ : ۴۹)۔ میں بعض ایسے امتیازی الفاظ استعمال فرمائے ہیں جن سے ایک روشن ضمیر اور فہم منیر رکھنے والا انسان فوراً اس حقیقت کو بھانپ لیتا اور اس صداقت کو پا جاتا ہے کہ یہ دونون بشارات الگ الگ اور جُدا جُدا اور ان کے مصداق بھی الگ الگ اور جدا جُدا ہیں چنانچہ ان دونوں بشارات میں جو الفاظ حدِ فاصل اور قولِ فیصل کا کام دیتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

''روح القدس'' اور ''مددگار'' میں فرق ہے

روح القدس کی بابت الفاظ	مددگار کی بابت الفاظ
۱:۔''میں اس کو تم پر نازل کرونگا''۔ (لوقا ۲۴:۴۹)۔ چونکہ ''روح القدس'' نے مددگار کی طرح جلوہ آرا نہ بلکہ اس نے آسمان سے ''نازل'' ہونا تھا۔	''نہ آئیگا''۔ ''بھیج دونگا'' اور ''وہ آکر''۔ (یوحنا ۱۶: ۷، ۸)۔ چونکہ ''مددگار'' کا ظہور قدسی ''روح القدس'' کی طرح نہ بلکہ اسی طرح ہونا تھا جس طرح دیگر حضرات انبیا علیہم السلام تشریف فرما

اس لئے اس کے حق میں ''نہ آئیگا'' ۔ ''بھیج دونگا'' اور ''وہ آکر'' کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے ۔

۲:۔روح القدس کے نزول تک مقدس حواریوں کو یروشلیم میں ٹھہرنے ، یروشلیم سے باہر نہ جانے اور روح القدس کے نزول کا انتظار کرنے اور آپ کے رفع جسمانی کے تھوڑے دنوں کے بعد روح القدس کے بپتسمہ پانے کا ذکر ہے ۔ (اعمال ۱: ۴، ۵)۔

۳:۔روح القدس تو ایک ''گھر'' میں نازل ہوا تھا (اعمال ۲:۲)۔''مددگار'' کیلئے ''دنیا'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عقلمندوں کے نزدیک ''گھر'' اور ''دنیا'' میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

۴:۔مقدس پطرس بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ روح القدس کے نزول کا جو وعدہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا وہ اسی دن پورا ہو گیا جب روح القدس نازل ہوا تھا چنانچہ جناب پطرس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ہوئے تھے اس لئے مددگار کے حق میں لفظ ''نازل'' استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ مذکورہ بالا الفاظ بولے گئے۔

مددگار کے ظہور قدسی تک ایسا کوئی حکم مقدس حواریوں کو نہیں دیا گیا۔ ایسا کرنے میں یہ حکمت تھی کہ چونکہ روح القدس نے مقدس حواریوں پر نازل ہونا تھا مگر مددگار نے مقدس حواریوں کے زمانے میں تشریف فرما نہیں بلکہ ان کے بہت بعد جلوہ آرا ہونا تھا۔ اس حکمت اور امتیاز سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح القدس کے نزول کے وقت کے لوگ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے مقدس حواری اور آپ کے معاصرین اس کے مصداق تھے اور مددگار کے مصداق آپ کے مقدس حواری نہ بلکہ مددگار کے وقت کے مسیحی لوگ مصداق تھے۔ پس اس سے وہ اعتراض ہبا منثورا بن گیا جو کیا جاتا ہے کہ آپ کے مقدس شاگرد چھ سو سال (نبی کریم ﷺ) کا کیسے انتظار کر سکتے تھے۔ وہ تو اس مدت میں وفات پا چکے تھے۔

مددگار کے حق میں لفظ ''دنیا'' بولا گیا ہے (یوحنا ۱۶:۸) یعنی ''مددگار'' نے دنیا کے سامنے منظر عام پر تشریف فرما ہونا تھا۔ یہ علامت ''روح القدس'' میں نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ پر صادق آتی ہے کیونکہ آپ دنیا کے سامنے اور منظر عام پہ جلوہ آرا ہوئے۔

خوب ٹھنڈے دل اور کامل عقل سے غور فرمایئے کہ مقدس پطرس نے اس واقعہ کو (لوقا ۲۴: ۴۹) والے وعدہ کا مصداق قرار دیا ہے مگر روح القدس کے نزول کے واقعہ کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ارشاد فرمودہ

''پس خدا کے دہنے ہاتھ سے سربلند ہو کر اور باپ سے وہ روح القدس حاصل کر کے جس کا وعدہ کیا گیا تھا اس نے یہ نازل کیا جو تم دیکھتے اور سنتے ہو''۔
(اعمال ۲ : ۳۳)۔

۵:- حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے تشریف لے جانے کو اور ''مددگار'' کے جلوہ آرا ہونیکو ''فائدہ مند'' قرار دیا۔ (یوحنا۱۶: ۷)۔ جبکہ مسیحی دنیا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس الوہیت میں برابر ہیں تو پھر آپ کے تشریف لے جانے اور روح القدس کے نازل ہونے سے مسیحی دنیا کو یہ ''فائدہ مند'' کیونکر ہوا؟ جبکہ ایک خدا چلا گیا اور دوسرا خدا آ گیا؟ نیز مسیحی دنیا میں باپ خدا، بیٹا خدا اور روح القدس خدا الوہیت میں برابر اور یکساں ہیں۔ مگر باپ خدا سے، بیٹا خدا کمتر ہے چنانچہ پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''۳۳۔ الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر = انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر''۔
(قاموس الکتاب تحت ع صف ۶۵۳)۔
بالکل اسی طرح بیٹا ہونیکی حیثیت سے حضرت مسیح روح القدس سے افضل اور برتر ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے تو پھر برتر کا تشریف لے جانا اور کمتر کا نازل ہونا۔ مسیحی لوگوں کیلئے ''فائدہ مند'' کیونکر ہوا؟

''مددگار'' والی بشارت (یوحنا۱۶: ۷ یا ۱۵) کا مصداق قرار نہیں دیا۔ پس مقدس پطرس کے بیان سے یہ بات خوب کھل کر سامنے آ گئی کہ ''مددگار'' کا مصداق ''روح القدس'' ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اس کے مصداق سرور کائنات اور فخر موجودات ﷺ ہی ہیں۔

ہر دانشمند اور عقلمند انسان حضرت عیسےٰ کے اس فرمان مبارک سے یہی بات سمجھے گا۔ کہ آپ کے رفع جسمانی اور صعود آسمانی کے بعد ایک ایسی مقدس و متبرک شخصیت کائنات میں تشریف فرما ہوگی جو یقیناً عیسائی لوگوں کیلئے ''فائدہ مند'' ہوگی۔ وہ مقدس و متبرک وجود ہادی دو جہان اور نبی آخر الزمان ﷺ ہی ہیں۔ کیونکہ ہر نبی اپنی امت کیلئے ''رحمت'' ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عیسےٰ بھی ''رحمت'' ہیں۔ رحمت تشریف لے گئی تو حضرت **احمد رحمۃ للعالمین** ﷺ (الانبیا :۱۰۷) دنیا میں تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت عیسےٰ ''نبی'' تھے۔ نبی حضرت مسیح تشریف لے گئے تو ''خاتم النبین ﷺ'' (الاحزاب: ۴۰) کائنات میں جلوہ فرما ہو گئے۔
یہ ہے مسیحی لوگوں کیلئے ''فائدہ مند'' ہونیکا صحیح مطلب و مفہوم۔

۶:- جس یونانی لفظ کا معنیٰ ''مددگار'' کیا گیا ہے۔ انجیل یوحنا میں جس لفظ ''وکیل'' لکھا گیا ہے اس کے

اس کا ایک معنیٰ ''وکیل'' بھی ہے چنانچہ (انجیل یوحنا۱۶:۷) میں ''مددگار'' کے اوپر الف لکھ کر نیچے حاشیہ پر اس کے تحت ''وکیل'' لکھا ہوا ہے۔ تو اس سے مسیحی علماء کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک نبی ﷺ کے ''وکیل'' ہونے کی نفی فرماتا ہے۔ اس لئے آپ اس بشارت کے مصداق نہیں ہیں۔	آگے یا لکھ کر لفظ ''شفیع'' بھی لکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''وکیل'' بمعنی ''شفیع''۔ گو قرآن مجید آپ کو ''وکیل'' قرار نہیں دیتا مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ''کارساز اور مختار کل'' نہیں ہیں۔ باقی حدیث پاک میں آپ کا ایک اسم مبارک ''وکیل'' بھی ہے۔ تو اس کا مطلب اللہ پاک کے دربار عالیہ میں امت کی وکالت کرنیوالا یعنی ''شفیع''۔ نتیجہ یہ کہ قرآن مجید میں جو ''وکیل'' کی نفی ہے وہ ''کارساز'' کی ہے اور حدیث پاک میں جو آپ کا اسم مبارک ''وکیل'' اس کا معنیٰ ''شفیع'' ہے ہم اہل اسلام ان دونوں کے قائل ہیں پس آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔

۷:۔ مسیحی علماء کا یہ کہنا کہ ''مددگار'' لفظ ''روح القدس'' ہی کیلئے بائبل میں استعمال کیا گیا ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسیحی علماء کا یہ قول سچ ہے تو ''کلید الکتاب'' لفظ ''مددگار'' کے تحت یہ بات بتاتی ہے کہ یہ لفظ ساری بائبل میں کل چھتیس (۳۶) بار مندرجہ ذیل مقامات میں استعمال کیا گیا ہے:۔

نمبر شمار	حوالہ جات	جس کیلئے بولا گیا
۱	استثنا-۳۳ : ۷-	اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے
۲	زبور-۱۰ : ۱۴-	//
۳	//-۲۷ : ۹-	//
۴	//-۳۰ : ۱۰-	//
۵	//-۴۰ : ۱۷-	//
۶	//-۴۶ : ۱-	//
۷	//-۵۴ : ۴-	//
۸	//-۶۳ : ۷-	//

۹	//-۷۰ : ۵-	//
۱۰	//-۹۳ : ۱۷-	//
۱۱	//-۱۳۶ : ۵-	//
۱۲	۲-تیمتھیس-۳ : ۱۷-	//
۱۳	عبرانیوں-۱۳ : ۶-	//
۱۴	پیدائش - ۲ : ۲۰-	عام
۱۵	۲-سلاطین-۱۴ : ۲۶-	//
۱۶	ایوب - ۳۰ : ۱۳-	//
۱۷	// - ۲۹ : ۱۲-	//
۱۸	زبور- ۲۲ : ۱۱-	//
۱۹	//- ۷۲ : ۱۲-	//
۲۰	//- ۱۰۷ : ۱۲-	//
۲۱	یسعیاہ-۶۳ : ۵-	//
۲۲	۱-تواریخ-۱۲ : ۱-	انسان
۲۳	ایوب-۹ : ۱۳-	//
۲۴	یرمیاہ-۴۷ : ۴-	//
۲۵	حزقی ایل-۳۰ : ۶-	//
۲۶	// //-۳۰ : ۸-	//
۲۷	۱-کرنتھیوں-۱۲ : ۲۸-	//
۲۸	پیدائش-۲ : ۱۸-	امی جان حضرت حوا علیہا السلام
۲۹	زبور-۸۹ : ۱۹-	حضرت داؤد علیہ السلام (انسان اور نبی)-
۳۰	رومیوں-۱۶ : ۲-	ایک مسیحی عورت پر (انسان)-
۳۱	۲-کرنتھیوں-۱ : ۲۴-	جناب پولوس-(انسان)-

۳۲	ا-یوحنا-۲ : ا-	حضرت مسیح علیہ السلام (انسان اور رسول)-
۳۳	انجیل یوحنا-۱۴ : ۱۶-	زیر بحث
۳۴	// //-۱۴ : ۲۶-	// //
۳۵	// //-۱۵ : ۲۶-	// //
۳۶	// //-۱۶ : ۷-	// //

بائبل کے مندرجہ بالا مقامات میں لفظ ''مددگار'' موجود ہے۔نمبرا تا ۱۳-تک اللہ تبارک وتعالیٰ کو ''مددگار'' کہا گیا ہے۔نمبر۱۴ تا۲۱، یہ لفظ عام ہے۔نمبر۲۲ تا ۲۷- میں یہ لفظ ''انسان'' کیلئے بولا گیا ہے۔نمبر ۲۸ تا ۳۲-نقشہ کے چوتھے خانہ میں وضاحت موجود ہے۔نمبر ۳۳ تا ۳۶- کے مقامات مددگار والی بشارت سے تعلق رکھتے اور زیر بحث ہیں مگر پھر بھی ہمارے حق میں ہیں کیونکہ ساری بائبل میں کہیں بھی ''روح القدس'' کیلئے لفظ ''مددگار'' استعمال نہیں کیا گیا۔نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''مددگار'' والی بشارت میں جو تفسیر متن میں درج کی گئی ہے وہ کسی نامعلوم شخص کی من گھڑت اور کسی کے ہاتھ کا کرتب وکرشمہ ہے۔چونکہ متن کا حصہ نہیں اس لئے قابل توجہ بھی نہیں۔چونکہ تمام بائبل میں لفظ ''مددگار'' ''روح القدس'' پر بولا نہیں گیا۔اس لئے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔اور بلا دلیل دعویٰ علمی دنیا میں باطل ہوتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ ساری بائبل میں لفظ ''مددگار'' صرف تین وجودوں پر بولا گیا ہے:-

الف:-اللہ تبارک وتعالیٰ ب:-حضرات داؤد اور مسیح علیہ السلام ج:-حضرت انسان

اس سے یہ بات خوب روشن ہوگئی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس ''مددگار'' کا ذکر خیر اپنی بشارت (یوحنا ۱۶ : ۷ تا ۱۵)-میں فرمایا ہے وہ وجود مبارک نسلِ آدم علیہ السلام سے تعلق رکھتا اور رسول ہے۔اور یہ دونوں باتیں ''روح القدس'' میں موجود نہیں۔چونکہ یہ دونوں باتیں آنحضرت ﷺ میں پائی جاتی ہیں پس رسول اکرم ﷺ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔

۸:-حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-''اور مَیں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں

دوسرا مددگار بخشیگا"۔(یوحنا : ۱۴ : ۱۶)۔

اس مقام پر آپؑ نے تشریف فرما ہونیوالے "مددگار" کی بابت لفظ "دوسرا" استعمال فرمایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ "دوسرے مددگار" سے پہلے بھی "ایک مددگار" ہے۔تو وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہیں۔چنانچہ آپؑ کی بابت یوں مرقوم ہے:-"اَے میرے بچو!یہ باتیں میں تمہیں اس لئے لکھتا ہوں کہ تم گناہ نہ کرو اور اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے یعنی یسوع مسیح راستباز"۔(یوحنا کا پہلا عام خط۲ : ۱)۔

پس جس طرح "پہلا مددگار" (حضرت مسیح علیہ السلام) "بشر اور پیغمبر" ہے بالکل اسی طرح "دوسرا مددگار" بھی بشر اور پیغمبر ہوگا چونکہ ان دونوں باتوں سے "روح القدس" قاصر ہے۔اس لئے "روح القدس" مددگار کا مصداق نہیں۔چونکہ نبی اکرم ﷺ میں یہ دونوں باتیں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں پس آپؐ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں۔

۹:-پادری خیر اللہ صاحب لکھتے ہیں:-

"دلچسپی کا مقام ہے کہ جب خداوند یسوع یوحنا کی انجیل میں اپنے شاگردوں کو "روح القدس" کے بارے میں بتاتے ہیں تو کنایۃً وہ اپنے کو شاگردوں کا مددگار کہتے ہیں۔(دیکھئے یوحنا ۱۴ : ۱۶)-"دوسرا مددگار"۔یونانی میں لفظ "دوسرا" کیلئے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ aLLOS-الوس اور hETEROS ہتر وس۔پہلے لفظ سے مراد اسی قسم کا دوسرا -ہتروس سے مراد فرق قسم کا دوسرا-یوحنا۱۴ : ۱۶میں allos ہے۔یعنی "اسی قسم (=میری قسم) کا دوسرا" مددگار بھیجیں گے"۔(قاموس الکتاب تحت وکیل صف ۱۰۶۷)۔

چونکہ "دوسرا مددگار" حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی قسم کا ہوگا۔اور آپؑ کی قسم یہ ہے کہ "بشر" تھے۔(متی ۱۶ : ۲۸)-اور آپؑ پیغمبر تھے(یوحنا۱۷ : ۳)-چونکہ "روح القدس" نہ بشر ہے اور نہ پیغمبر۔اس لئے "روح القدس" "دوسرے مددگار" کا مصداق نہیں۔چونکہ رسول اکرم ﷺ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرح "بشر" بھی ہیں اور پیغمبر بھی۔پس آپؐ ہی "دوسرے

مددگار'' کے مصداق ہیں۔

۱۰:۔یونانی کے جس لفظ کا معنیٰ ''مددگار'' کیا گیا ہے۔اس کا ایک معنیٰ ''شفیع'' بھی ہے۔جو کہ پہلے لکھا گیا ہے۔گویا فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس کے تشریف فرما اور جلوہ آرا ہونے کے حق میں بشارت بیان فرمائی ہے۔وہ متبرک ومقدس وجود ''شفیع'' ہوگا جبکہ مسیحی علماء کے خیال کے مطابق ''مددگار'' کا مصداق ''روح القدس'' ہے تو وہ ''شفیع'' کیونکر ہوگا؟اور کس کے آگے شفاعت کریگا؟ جبکہ ان کے نزدیک ''روح القدس'' خود خدا اور خدائی میں برابر کا شریک ہے۔اور مذہبی دنیا اور روحانی عقل اسبات پر ایمان رکھتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانوں سے حساب لینا ہے اور ان کی کسی کے آگے شفاعت نہیں کرنا پس اس معقول وجہ سے بھی ''روح القدس'' ''مددگار'' کا مصداق نہیں بلکہ اس کے مصداق ہادی دوجہان اور نبی آخر الزمان ﷺ ہی ہیں۔کیونکہ آپؐ خدا اور خدائی صفات میں شریک نہیں البتہ آپؐ ''شفیع'' ضرور ہیں۔بالفاظ دیگر نبی پاک ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے آگے شفاعت ضرور کریں گے۔پس اس لحاظ سے بھی ہم اپنے دعویٰ میں بالکل سچے ہیں۔

غنچوں سے پیار کرکے یہ عزت ملی ہمیں
چومے قدم بہار نے گزرے جدھر سے ہم

مثیل موسیٰؑ کون ہے؟

لگے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ارشاد فرمودہ بشارت بھی سماعت فرمایئے چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

''میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔'' (استثنا۱۸ : ۱۸)۔

مسیحی علماء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منطبق کرتے ہیں اور ہم اہل اسلام اسے نبی اکرم ﷺ کی بابت مانتے ہیں۔مسیحی علماء اپنے دعویٰ کی صداقت میں

مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱:۔حضرت مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:۔"کیونکہ اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لیے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے"۔(یوحنا۵ : ۴۶)۔مگر آپؑ کا کوئی قول اناجیل اربعہ میں ایسا نہیں ملتا جس میں آپؑ نے فرمایا ہو کہ آپؑ کا ذکر خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (استثنا۱۸ : ۱۸) میں کیا ہے۔ بالفاظ دیگر آپؑ نے یہ نشان دہی نہیں فرمائی کہ حضرت موسیٰؑ نے آپؑ کے حق میں (استثنا۱۸ : ۱۸) میں لکھا ہے چونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس لیے قابل سماعت نہیں۔

۲:۔"فلپس نے نتن ایل سے مل کر اس سے کہا کہ جس کا ذکر موسیٰ نے توریت میں اور نبیوں نے کیا ہے وہ ہم کو مل گیا وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے۔"(یوحنا۱ : ۴۵)۔اس آیت میں لفظ "ناصری" اس بات کی ببانگ دہل شہادت دیتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور دیگر حضراتؑ نے حضرت عیسیٰؑ کی بابت "ناصری کہلائیگا" کی جو بشارت ارشاد فرمائی تھی اس کی تائید (متی۲ : ۲۳)۔سے بھی ہوتی ہے اس بشارت کے مصداق حضرت مسیحؑ ہیں مگر جو بشارت حضرت موسیٰؑ نے تنہا اور اکیلے تفصیل کے ساتھ (استثنا۱۸ : ۱۸، تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا) بیان فرمائی تھی چونکہ اس میں ناصری کا لفظ موجود نہیں اس لیے حضرت عیسیٰؑ اس بشارت کے

ف:۔پادری وکلف اے سنگھ صاحب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت (انجیل یوحنا۱۶ : ۷تا۱۵) پر ایک رسالہ بنام "فارقلیط" لکھا تھا بندہ نے اس کا جواب ۶۔رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۶ مئی ۱۹۸۶ء میں "فارقلیط" کون ہے؟ کے نام سے شائع کیا تھا۔ پادری صاحب کو یہ جواب مل گیا اور موصوف نے یہ کہا تھا کہ "میں اس کا جواب لکھنے کا سوچ رہا ہوں"۔مگر بہت انتظار کے بعد اس کا جواب نہیں ملا۔ پھر دوسری اشاعت میں اس کا نام بدل کر "بشارت عیسیٰ" رکھا اور اس میں اضافہ بھی کیا مگر موصوف کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا "فارقلیط کون ہے" کی پہلی اشاعت کو سولہ سال ہو چکے ہیں مگر پادری وکلف اے سنگھ صاحب خدا معلوم کہاں ابھی تک جواب لکھنے کا سوچ رہے ہیں۔ چونکہ اس بشارت پر بہت مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ جس کو تفصیلات درکار ہوں وہ بشارت عیسیٰؑ دیکھ لے دل باغ باغ ہو جائے گا۔(حسینی)۔

مصداق ہرگز ہرگز نہیں اسی معقول وجہ سے آپؑ نے اپنے دعویٰ میں جو اپنی بابت اس بشارت کا ذکر تک نہیں فرمایا۔

۳:- ''پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے''۔ (یوحنا ۷ : ۴۰)۔ اگر اس آیت کے ساتھ اس سے اگلی تین آیات جو کہ اس آیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں بھی ملالی جائیں:- ''اوروں نے کہا یہ مسیح ہے اور بعض نے کہا کیوں؟ کیا مسیح گلیل سے آئیگا۔ کیا کتاب مقدس میں یہ نہیں آیا کہ مسیح داوٗد کی نسل اور بیت لحم کے گاوٗں سے آئیگا جہاں کا داوٗد تھا۔ پس لوگوں میں اس کے سبب سے اختلاف ہوا''۔ (یوحنا ۷ : ۴۱ تا ۴۳)۔ چونکہ عوام میں اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے اس مقام سے حضرت مسیح علیہ السلام کو بشارت موسویٰ کا مصداق قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نیز عوام کا قول شریعت میں حجت نہیں ہوتا۔ پس خط کشیدہ الفاظ کو دلیل بنانا بے فائدہ ہے۔

۴:- فلپس کے قول کا جواب تحریر کیا جا چکا ہے اس کے بعد یہ بات خصوصی طور پر یاد رہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے گیارہ مقدس شاگردوں میں سے کسی نے بھی بشارت موسویٰ کو آپؑ کے حق میں بیان نہیں کیا۔ پس یہ حقیقت خوب چمک اور دمک اٹھی کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بشارت موسویٰ کے ہرگز ہرگز مصداق نہیں ہیں۔

۱:- ہم اس بات کے قائل ہیں کہ بشارت موسویٰ صرف آنحضرت ﷺ ہی کے حق میں بیان ہوئی اور فقط آپؐ ہی اس کے مصداق ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:-

''اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۵ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔'' (المزمل : ۱۵)۔

(ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتلانے والا تمہاری باتوں کا، جیسے ہم نے بھیجا فرعون کے پاس رسول)۔

چونکہ قرآن پاک کے اس ارشاد مبارک سے صاحب لولاک ﷺ کا ''مثیل موسےٰ'' علیہ السلام

ہونا۔ برملا ظاہر ہوتا ہے اس لئے آپؐ بشارت موسیٰؑ کے اصل اور صحیح مصداق ہیں۔اور باریتعالیٰ نے آپ کی بابت یہ دعویٰ بھی فرمایا ہے کہ آپ کا ذکر خیر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے تورات میں کیا ہے۔(الاعراف : ۱۵۷)۔

۲:۔بشارت موسیٰؑ کے یہ الفاظ (میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے)۔اس بات کی پرزور شہادت دیتے ہیں کہ جونبی اس بشارت کا مصداق ہوگا وہ ''بنی اسمٰعیل'' علیہ السلام سے ہوگا۔نہ کہ بنی اسرائیل سے۔اس بات کی بیّن دلیل یہ ہے کہ (ان ہی کے بھائیوں میں سے) ان الفاظ میں حرف ''کے'' موجود جو ''اضافت'' کی علامت ہے۔تو اس حقیقت کے پیش نظر علمی دنیا میں ''مضاف'' اور ''مضاف الیہ'' میں مغائرت ہوتی ہے تو اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ ''بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسرائیل'' یقیناً غلط ہے۔کیونکہ ''مضاف'' اور ''مضاف الیہ'' میں مغائرت پائی نہیں جاتی۔اور ''بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل'' یہ الفاظ یقیناً صحیح ہیں اور دنیا کا کوئی صاحب علم اور عقلمند انسان انہیں غلط قرار نہیں دے سکتا کیونکہ ان میں مغائرت پائی جاتی ہے تو اس حقیقت کے پیش نظر ''بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل'' ہی ہیں اور علمی دنیا اس پر اپنی صداقت کی مہر ثبت کرتی ہے۔اور تورات بھی اس بات کو صحیح مانتی ہے:۔

''اور اسمٰعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستہ پر ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں آباد تھی یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے''۔

(پیدائش ۲۵: ۱۷،۱۸)۔غور فرمایئے کہ تورات کے اس مقام میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد (بنی اسمٰعیلؑ) کو ''بنی اسرائیل'' کا بھائی کہا گیا ہے۔نیز جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشارت میں ''بنی اسرائیل'' کے تمام قبیلوں کو خطاب فرما کر پھر ان کے ''بھائیوں'' کا ذکر کیا ہے تو یقیناً اس جگہ ''بنی اسرائیل'' کے بھائی ''بنی اسمٰعیل'' ہی ہیں۔چونکہ رسول پاک ﷺ ''بنی اسرائیل'' کے بھائیوں ''بنی اسمٰعیل'' میں سے ہیں اس لیے بشارت موسیٰؑ کے مصداق صرف

صاحب لولاک اور پاک علیہ ہی ہیں۔

۳:۔اگر کوئی ذی فہم اور صاحب علم انسان اس بات کو سوچ سکے تو بار بار سوچے کہ زیر نظر بشارت میں لفظ بھائیوں جو کہ مذکر ہے مونث نہیں۔اور اس بات پر مسلمانوں اور مسیحیوں کا اتفاق ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بغیر باپ امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔تو اس حقیقت کے پیش نظر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بشارت کے مصداق نہیں بنتے کیونکہ امی جان حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام بنی اسرائیل کی بہن ہے۔اور یہ لفظ مونث ہے اور بشارت میں لفظ بھائیوں جو کہ مذکر ہے پس اس دلیل سے بھی حضرت مسیح علیہ السلام بشارت موسوئی کے مصداق ہر گز ہرگز نہیں۔اور مسیحی دنیا اس دلیل کا جواب دینے سے قیامت تک قاصر و عاجز رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ آپؑ بھائیوں سے نہیں بلکہ بنی اسرائیل کی بہن سے پیدا ہوئے ہیں پس اہل اسلام اس بات میں بالکل سچے ہیں کہ بشارت موسوئی کے مصداق آنحضرت علیہ ہی ہیں۔اہل اسلام کی یہ دلیل نہ ہلدی لگے نہ پھٹکوی رنگ چوکھا آئے اور سو سنار کی اور ایک لوہار کی کام دیتی ہے۔

۴:۔مقدس پطرس بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام بشارت موسوئی کے ہر گز ہر گز مصداق نہیں ہیں۔چنانچہ آپ کا بیان یہ ہے:۔"اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے (۱) جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے (۲) جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔چنانچہ موسیٰ نے کہا خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اسکی سننا۔اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیگا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائیگا۔"

(اعمال ۳ : ۲۰ تا ۲۳)۔مقدس پطرس کے یہ الفاظ بشارت موسوئی کے مصداق کو سمجھنے کیلئے کلید کا کام دیتے اور قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔چنانچہ آپ کے خط کشیدہ الفاظ نمبر ایک اس

بات کوخوب منور اور اجاگر کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر تشریف فرما ہونگے تو اس زمانہ میں جو چیزیں بحال ہونگی ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بشارت موسویٰ کے مصداق (مثیلِ موسیٰ) کا ظہور قدسی ہوگا۔ جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ نمبر دو سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ حقیقت خوب کھل کر منظر عام پہ آگئی کہ بشارت موسوئی کے مصداق حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اس کے مصداق یقیناً رسول پاک ﷺ ہی ہیں۔ف یہ بات بھی خصوصی طور پر یادر ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کو" آنحضرت "(وہ نبیؐ) بشارت موسوی کے مصداق ہونیکی وجہ ہی سے کہا جاتا ہے۔ جناب پطرس کے آخری الفاظ اس بات کی غمازی کرتے اور خبر دیتے ہیں کہ جو کوئی بشارت موسوی کے مصداق (مثیل موسےٰ - اور وہ نبیؐ) پر ایمان نہیں لائیگا خواہ وہ اہل کتاب ہو یا غیر اہل کتاب، الغرض وہ اہل حق میں سے نہیں ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس گروہ سے ہر انسان کو بچائے اور محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمدیم کس کی بابت ہے؟

آخر میں وہ بشارت بھی ملاحظہ فرمایئے جو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت ارشاد فرمائی ہے:-

"اس کامُنہ از بس شیرین ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔

اَے یروشلیم کی بیٹیو! یہ ہے میر المحبوب۔ یہ ہے میرا پیارا"۔

(غزل الغزلات ۵ : ۱۶)۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جس مقدس شخصیت کو اپنا "محبوب" اور جس متبرک ہستی کو اپنا "پیارا" قرار دیا تو اس کا اسم گرامی اور نام عالی کیا ہے؟ تو

ف:- پادری برکت اللہ صاحب ایم - اے نے "بشارت موسوئی" پر ایک کتاب بنام "توراتِ موسوئی اور محمدؐ عربی" لکھی تھی۔ بندہ نے اس کے جواب میں "آخری نبی اور توراتِ موسوئی" شائع کی تھی۔ اگر کسی شخص کو زیر نظر بشارت کی بابت تفصیلات درکار ہوں تو اس کتاب میں دیکھ لے۔ (حسینی)

اردو بائبل میں یہ اسم مبارک ''عشق انگیز'' ظاہر کیا اور لکھا گیا ہے۔ تو اس مقام پر یہ بات بہت مناسب اور نہایت زیب دیتی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ عبرانی بائبل میں ''عشق انگیز'' کا مترادف لفظ کیا ہے؟ تو عبرانی بائبل میں اسے یوں تحریر کیا گیا ہے:-

מַחֲמַדִּים (عبرانی بائبل غزل الغزلات ۵ : ۱۶)-

اس اسم مبارک کو سمجھنے کیلئے عبرانی بائبل کا ایک اور لفظ ملاحظہ فرمایئے:-

אֱלֹהִים (عبرانی بائبل پیدائش ۱ : ۱)-

عبرانی بائبل بریشیت (پیدائش) باب اوّل کی پہلی آیت کا تیسرا لفظ ''اِلوہیم'' ہے۔ یہ لفظ ''اسم نکرہ'' اور اس کا معنیٰ بائبل کے متفرق زمانوں اور زبانوں میں ''اسم معرفہ'' سے کیا گیا ہے:-

عربی بائبل ۱۹۵۶ء- **اللہ-**

فارسی بائبل ۱۹۵۹ء- **خُدا-**

اردو بائبل ۱۹۸۷ء- **خدا-**

انگریزی بائبل ۱۹۸۲ء- **گاڈ- (GOD)**

یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ یہودی لوگ تثلیث کے منکر اور اسے کفر جانتے ہیں۔ تو اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ یہودیوں کے ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کو ادب واحترام کی وجہ سے ''الوہیم'' یعنی جمع سے پکارتے ہیں۔ گویا کہ ان کے ہاں یہ جمع ادبی ہے عددی نہیں۔

اس کے بعد عبرانی بائبل غزل الغزلات ۵ : ۱۶، کے اس لفظ מַחֲמַדִּים متعلق سماعت فرمایئے اور لذّت اٹھایئے! تو اس لفظ کی بابت پادری فانڈر صاحب رقمطراز ہیں:-

''بعض مسلمان غزل الغزلات سلیمان کے پانچویں باب کی سولہویں آیت کو محض اس بنا پر حضرت محمد سے منسوب کرتے ہیں کہ عبرانی لفظ مُحَمَّدِیمْ بمعنی راحتیہا جو کہ لفظ محمد کی طرح حمد سے مشتق ہے۔ اس میں پایا جاتا ہے''۔ (میزان الحق حصہ سوم باب ۲)-

پادری فانڈر صاحب کے بیان سے یہ بات خوب روشن ہوگئی کہ عبرانی بائبل غزل الغزلات ۵

:۱۶، میں صحیح لفظ ''مُحَمَّدِیمْ '' ہے۔ باقی رہا پادری صاحب کا یہ قول کہ یہ '' بمعنی راحتبا ''۔ تو یہ قول سراسر غلط ہے کیونکہ اردو بائبل میں اسے جمع میں نہیں بلکہ واحد میں لکھا گیا ہے مثلاً ''عشق انگیز'' ہے۔ گو اس جگہ مُحَمَّدِیمْ کا یہ ترجمہ غلط ہے مگر اس سے اس حقیقت کا تو بر ملا اور کھلم کھلا اظہار ہوتا ہے۔ کہ اسکا صحیح ترجمہ '' واحد'' ہے ''جمع'' نہیں۔ پس جو ترجمہ بائبل کے متن میں ہوگا وہی ترجمہ ہمارے لئے صحیح ہے اس کے علاوہ دیگر کوئی ترجمہ ہمارے لئے حجت نہیں۔ نیز بائبل کے متن میں جو ترجمہ ہے وہ جماعتی ترجمہ، اور فانڈر صاحب کا ترجمہ '' راحتبا ''۔ ذاتی ترجمہ ہے۔ تو ایسے میں علم وعقل اور عدل کی دنیا میں ذاتی ترجمہ کو جماعتی ترجمہ پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ۔پس ان دونوں باتوں کے لحاظ سے پادری فانڈر صاحب کا ترجمہ قابل سماعت نہیں۔

علاوہ ازیں اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ''مُحَمَّدِیمْ'' کی بابت جو دوسری آیات ہیں وہ بھی ''واحد'' کا اظہار کرتی ہیں مثلاً:۔

''میرا محبوب سرخ وسفید ہے
وہ دس ہزار میں ممتاز ہے
اس کا سر خالص سونا ہے
اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوے سی کالی ہیں۔''

(غزل الغزلات ۵ : ۱۰،۱۱)۔

تمام خط کشیدہ الفاظ جو ''مُحَمَّدِیمْ'' سے تعلق رکھتے اور ''واحد'' ہیں۔ پس لفظ ''مُحَمَّدِیمْ'' بھی ''واحد'' ہے۔ اس حقیقت کے سامنے پادری فانڈر صاحب کی ''بمعنی راحتبا'' کی ویلڈنگ بے کار ہے۔ پادری صاحب نے صرف لفظ مُحَمَّدِیمْ پر اپنا زور قلم اور قوت علم صرف کی ہے مگر جن دو آیات کو ہم نے نقل کیا ہے۔ پادری فانڈر صاحب نے ان کی طرف منہ نہیں کیا۔ بس دامن بچا کر اور آنکھیں جھکا کر گزر گئے۔ کیونکہ ہر کوئی آدمی اپنے جیب کے کھرے اور کھوٹے سکے کو بخوبی جانتا ہوتا ہے۔ اس لئے اسی طریق کار میں اپنی خیر سمجھی گئی۔ الغرض پادری فانڈر صاحب

اس حقیقت کے معترف ہیں۔ کہ اس جگہ عبرانی بائبل میں صحیح اور اصل لفظ مُحَمَّدِیم ہی ہے۔ تو اب عبرانی لفظ ''اِلوہیم'' کی طرح عبرانی لفظ ''مُحَمَّدِیمُ'' میں بھی جمع ادبی ہے عددی نہیں۔ بالفاظ دیگر ادب واحترام کی وجہ سے یہ لفظ جمع میں ظاہر کیا اور بولا گیا ہے تو اس حقیقت کے پیش نظر لفظ ''الوہیم'' کی طرح لفظ ''مُحَمَّدِیمُ'' کا ترجمہ ''اسم معرفہ'' اور ''واحد'' میں کیا جائیگا۔ پس علم وعقل اور انصاف وعدل کی دنیا میں لفظ ''مُحَمَّدِیمُ'' کا ترجمہ یوں ہوگا:۔

(حضرت) ''**مُحَمَّدٌ**'' (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ سرور کائنات، فخر موجودات، ساقی کوثر اور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اور نام عالی حضرت مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس اس سے یہ حقیقت احسن طریقہ اور عمدہ سلیقہ سے اظہر من الشمس ہوگئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بشارت کے مصداق صرف حضرت

مُحَمَّد'' رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

مزید مسیحی علماء نے اردو بائبل میں ''مُحَمَّدِیم'' کا جو ترجمہ ''عشق انگیز'' تحریر کیا ہے وہ ہمارے نزدیک غلط ہے مگر مسیحی علماء کے نزدیک یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبرانی لفظ ''مُحَمَّدِیم'' اور اردو لفظ ''عشق انگیز'' دونوں مترادف ہیں۔

تو اس لحاظ سے اگر یوں لکھا جائے کہ:۔

''ہاں وہ تو ٹھیک **مُحَمَّد** ہے۔
اے یروشلیم کی بیٹیو!۔''

تو کوئی مبالغہ اور زیادتی نہیں ہوگی۔ پس دونوں طرح سے ''مُحَمَّدِیمُ'' کا مصداق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ف

ف:۔ یاد رہے کہ اس بشارت پر ''(محمدیم کون ہے؟)'' میں تفصیل سے کلام کیا گیا ہے اور پادری فانڈر صاحب اس بشارت پر کئے ہیں ان سب کے جوابات تحریر کئے گئے ہیں جس کو تفصیلات کا شوق ہو تو اس کتاب کو دیکھ لے۔ (حسینی)۔

''یہ **مُحَمَّد** ﷺ'' حضرت سلیمان علیہ السلام کے محبوب ہیں۔

یہ **مُحَمَّد** ﷺ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیارے ہیں۔

اے یروشلیم کی بیٹیو!

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کر سرِ عام رکھ دیا

مسیحی علماء کی بے بسی اور بے کسی

اس کے بعد مؤلفین'' قاموس الکتاب'' کا وہ شاندار کارنامہ اور عظیم کردار بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جو انہوں نے لفظ'' **محمدیم** '' کی بابت سرانجام دیا اور ادا کیا ان مؤلفین نے'' قاموس الکتاب'' میں بٹیر، بگلا اور تیتر (صفہ ۱۸۳) پر تو لکھا مگر لفظ'' محمدیم'' یا'' عشق انگیز'' کو لکھا ہی نہیں ایسا کیوں کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ لفظ'' **محمدیم** '' سے دل میں کچھ ہوتا اور دماغ میں کچھ آتا تھا۔ اس لیے دامن بچا اور نظریں جھکا کر گزر جانے میں خیر سمجھی گئی۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار
یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

ایک عجیب و غریب بات

چونکہ آنحضرت ﷺ کے اسم مبارک کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ اس لئے عقیدت و محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کے اسماء مبارکہ کے متعلق ایک ایسی عجیب و غریب بات تحریر کر دی جائے جس سے نبی پاک ﷺ کا مقام تمام حضرات انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ، ارفع اور اکمل ثابت و ظاہر ہو۔ سماعت فرمائیے!

امام الانبیاء اور محبوب کبریا ﷺ کے ننانوے اسماء مبارکہ صرف اہل اسلام ہی میں مشہور و معروف نہیں بلکہ ان کی شہرت مسیحی علماء میں بھی ہے۔ اسی شہرت کی بنا پر مسیحی علماء نے سیدنا حضرت مسیح

کے ننانوے اسماءِ مبارکہ "القاب مسیح" کے عنوان کے تحت "قاموس الکتاب" کے صفحہ ۷۵،۷۶
پر نقل کئے ہیں۔ چنانچہ پادری ایف، ایس خیر اللہ صاحب رقمطراز ہیں:-

نمبر۷: "استاد"۔ نمبر۴۹: "ربونی"۔ نمبر۵۰: "ربّی"

جبکہ "ربونی" اور "ربّی" عبرانی الفاظ اور ان کے معنے "استاد" ہیں۔ تو یہ تین نام نہیں بنتے
۔صرف ایک نام بنتا ہے۔(استاد)۔ WWW.OnlyOneOrThree.com

نمبر۸: "اسرائیل کا بادشاہ" نمبر۹۹: "یہودیوں کا بادشاہ"۔

یہ دو نام نہیں بلکہ صرف ایک ہی نام ہے کیونکہ عبرانی میں یہودیوں کو "اسرائیل" کہتے ہیں۔

نمبر۲۴: "چھڑانے والا"۔ نمبر۷۶: "مخلصی دینے والا"۔ نمبر۸۴: "منجی"۔

یہ تین نام نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ دیکھو دو جگہ "منجی" کے معنے لکھ دیئے اور تیسری جگہ "منجی" لکھ
دیا۔

نمبر۲۷: "خدا تعالےٰ کا بیٹا"۔ نمبر۲۹: "خدا کا بیٹا"۔

یہ دو نام نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔ دیکھو "خدا تعالےٰ" اور "خدا" ایک ہی ذات پاک ہے۔

نمبر۳۷: "خداوند مسیح"۔ نمبر۸۲: "مسیح خداوند"

الفاظ کو آگے پیچھے کر کے ایک ہی نام کو دو مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے۔

نمبر۴۰: "خرستس"۔ نمبر۷۹: "مسیح"

"خرستس" یونانی لفظ اور اس کا معنیٰ "مسیح" ہے۔ جبکہ اردو میں "مسیح" لکھ دیا گیا تو یونانی میں
لکھنے کی ضرورت نہیں۔ الغرض ایک نام ہے دو نہیں۔

نمبر۴۸: "راستباز"۔ نمبر۹۴: "یسوع مسیح"۔ نمبر۹۵: "یسوع مسیح راستباز"

"یسوع مسیح راستباز" دوبارہ لکھ دیا گیا۔ حالانکہ "راستباز" اور "یسوع مسیح" پہلے لکھے گئے ہیں۔

نمبر۷۹: "مسیح"۔ نمبر۸۶: "ناصری"۔ نمبر۹۲: "یسوع"۔

نمبر۹۳: "یسوع ناصری" نمبر۹۶: "یسوع مسیح ناصری"۔

جبکہ ''مسیح''، ''ناصری'' اور ''یسوع'' پہلے تینوں نام لکھ دیئے ہیں۔تو ''یسوع ناصری'' اور ''یسوع مسیح ناصری'' دوبارہ لکھنے زیب نہیں دیتے۔

نمبر۸۱: ''مسیح یسوع''۔نمبر۹۴: ''یسوع مسیح''۔

ایک ہی نام کو الٹ پلٹ کر دوبارہ لکھا گیا۔

نتیجہ یہ کہ مسیحی علماء کی بات بنی نہیں۔کیونکہ جس طرح امام الانبیاء ﷺ کے ننانوے اسماء مبارکہ ہیں۔اسی طرح ننانوے ''القاب مسیح'' پورے نہیں ہوئے اس مقام پر عقل سلیم کہتی ہے کہ حقیقت وصداقت اب بھی اپنی جگہ پر چمک اور دمک رہی ہے۔اور دیانت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہنوز دِلّی دور است۔

اگلہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیحی علماء ننانوے القاب مسیحؑ کیوں پورے نہ کر پائے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے۔کہ باریتعالیٰ نے آنخضرت ﷺ کی شان اقدس میں ارشاد فرمایا ہے:۔

''وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ'' (الم نشرح : ۴)

(اور بلند کیا ہم نے مذکور تیرا)

اس فرمان الٰہی کی وجہ سے مسیحی علماء ننانوے القاب مسیحؑ پورے کرنے سے قاصر وعاجز رہے۔

''ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ہمارے ہیں **مُحَمَّد** ﷺ''

نبی پاک ﷺ کی بابت ہندوؤں کی مقدس کتاب ''ویدا'' کی بشارت۔

لگے ہاتھوں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بابت ایک اور پیشنگوئی جسے روزنامہ نوائے وقت (صفحہ ۱۰) لاہور نے شائع کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیے اور حظ اٹھایئے!

''بھارت کے مشہور برہمن پنڈت نے مقدس ہندو کتابوں
سے اسلام کو سچا ثابت کر دیا''

ہندو جس کالکی اوتار کا انتظار کر رہے وہ جناب رسالتمابؐ کی ذات میں تیرہ سو سال پہلے نمودار

ہو چکا ہے۔ ویدوں میں ''کالکی اوتار'' کی تمام نشانیاں آنحضورؐ پر پوری اترتی ہیں، ہندو مزید انتظار نہ کریں، پنڈت وید پرکاش 8 بڑے ہندو پنڈت عالموں نے بھی وید پرکاش کی تحقیقات کو درست قرار دیدیا بھارت میں واویلا مچ گیا۔ نئی دہلی (جی این این) ہندو مذہب کے ماننے والے اپنے جس ''کالکی اوتار'' (ہادی عالم) کا انتظار کررہے ہیں وہ درحقیقت حضرت محمدؐ کی ذات اقدس ہے۔ جس کا ظہور آج سے چودہ سو سال قبل کر چکا ہے۔ لہٰذا ہندوؤں کو اب کسی ''کالکی اوتار'' کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور فوراً اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ اس امر کا انکشاف بھارت میں حال ہی میں چھپنے والی ایک کتاب ''کالکی اوتار'' میں کیا گیا ہے۔ جس نے پورے بھارت میں واویلا برپا کر دیا ہے اس کتاب کا مصنف اگر کوئی مسلمان ہوتا تو اسے یقیناً جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑتا اور اس کتاب کی اشاعت پر پابندی لگ چکی ہوتی لیکن اس کتاب کا مصنف ایک ہندو برہمن پنڈت وید پرکاش ہے جو سنسکرت کا ممتاز عالم اور الٰہ آباد نے جتنے بھی اعتراض یونیورسٹی میں ایک اہم عہدہ پر متمکن ہے۔ مصنف نے اپنی اس تحقیق کو بھارت کے آٹھ بڑے پنڈتوں کے سامنے پیش کیا جو تحقیق کے میدان میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور بھارت کے بڑے مذہبی رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں ان پنڈتوں نے بھی وید پرکاش کی اس تحقیق کو درست تسلیم کیا ہے۔ مصنف نے اپنے اس دعوئی کی حمایت میں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ مقدس کتاب ''ویدا'' میں درج ہے کہ ''بھگوان کا آخری پیغمبر'' (کالکی اوتار) ہوگا جو پوری دنیا کو رہنمائی فراہم کرے گا۔ مصنف کہتا ہے کہ یہ بات صرف حضرت محمدؐ پر صادق آتی ہے ہندوازم کی پیش گوئی کے مطابق کالکی اوتار ایک جزیرے میں جنم لے گا اور یہ درحقیقت عرب کا علاقہ ہے جو جزیرہ العرب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ''ویدا'' میں کالکی اوتار کے باپ کا نام ''وشنو بھگت'' اور ماں کا نام ''سومانب'' تحریر ہے سنسکرت میں وشنو اللہ اور بھگت غلام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح وشنو بھگت کا عربی ترجمہ عبداللہ بنتا ہے۔ ''سومانب'' سنسکرت میں امن و آشتی کو کہتے ہیں۔ (گو اس جگہ اخبار میں من و آشتی لکھا

ہے۔ مگر پنڈت صاحب جس بات کا اظہار کر رہے ہیں وہ ان الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ اصل میں ''امن وآشتی'' ہے۔ واللہ اعلم۔ (حسینی) اور عربی میں اس کا مترادف لفظ آمنہ ہے۔ عبداللہ اور آمنہ حضرت محمدؐ کے والد اور والدہ ماجدہ کے نام ہیں۔

''کالکی اوتار'' کے بارے میں مزید کہا گیا ہے کہ بھگوان اپنے خاص پیغام رساں کے ذریعے انہیں ایک غار میں علم سکھائیں گے اور یہ بات بھی صرف محمدؐ پر ہی صادق آتی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے علم سے نوازا ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں تحریر ہے کہ بھگوان ''کالکی اوتار'' کو ایک تیز رفتار گھوڑا دینگے جس کی مدد سے وہ اس دنیا کے گرد اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے۔ حضرت محمدؐ کی براق کی سواری اور واقعہ معراج اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مقدس کتابوں میں تحریر ہے کہ کالکی اوتار گھڑ سواری، تیر اندازی اور تیغ زنی میں ماہر ہوگا۔ مصنف وید پرکاش کہتا ہے کہ اس پیشگوئی کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ گھوڑوں، نیزوں اور تلواروں کا دور اب گزر چکا ہے اور اب اس جگہ جدید ہتھیاروں ٹینک میزائل وغیرہ نے لے لی ہے اور ایسی صورت میں نیزوں، بھالوں سے مسلح اوتار کا انتظار غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔ مصنف کہتا ہے کہ ''کالکی اوتار'' درحقیقت حضرت محمدؐ کی طرف واضح اشارہ ہے جسے اللہ نے آسمانی کتاب قرآن دے کر پوری کائنات کے لیے رہنما بنا کر بھیجا لہٰذا ہندوؤں کو اب فوراً اسلام قبول کر لینا چاہیے''۔ (نوائے وقت لاہور-۹ دسمبر ۱۹۹۷ء- نیز یہی پیش گوئی نوائے وقت لاہور-۷ افروری ۱۹۹۸ء میں دوبارہ بھی شائع ہوئی ہے)۔

ایسی صداقتوں اور حقائق کے پیش نظر حضرت محمد رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا:-

بد نصیبی کا قائل تو نہیں ہوں لیکن میں نے
برسات میں جلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک پر ایک سخن لطیف

محدث کبیر حضرت مولانا محمد بدر عالمؒ رسول اکرم ﷺ کے اسم مبارک پر ایک سخن لطیف تحریر فرماتے ہیں:-

’’شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے جب ہم کھاپی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو خُدا کی حمد کرتے ہیں۔ جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خُدا کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دنیا کا طویل وعریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہونگے تو خُدا کی حمد کریں گے **وآ خر د عوانا ان الحمد للہ رب العالمین**۔ (دیکھو روض انف صف ۱۰۶ ج اوّل)۔ اس دستور کے مطابق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی خُدا کی حمد ہو۔ اس لئے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام ’’محمد ﷺ‘‘ رکھایا۔ بیشک جو ذات پاک حسن وخوبی کا تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی حسن وخوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں‘‘۔

(ترجمان السنہ جلد اوّل تحت اسماء النبی ﷺ صف ۴۵۴)۔

اللہ ربّ العزت نے جس دین کی ابتدا سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائی تھی تو اس کی انتہا اسلام پر فرمائی چنانچہ ارشاد ربانی ہے:-

صرف اسلام ھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا آخری، پسند دیدہ اور نجات دھندہ مذھب ھے

’’اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط‘‘

(المائدۃ : ۳)۔

(آج میں پُورا کرچکا تمھارے لئے دین تمھارا ،اور پُورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ،اور پسند کیا میں نے تمھارے واسطے اسلام کو دین)۔

اور رسول پاک ﷺ کو آخری نبی قرار دیکر نبوت کو ختم فرمادیا:-

''مَاکَانَ مُحَمَّدٌ'' اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَا لِکُمْ

وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

طوَکَا نَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًاo

(الاحزاب : ۴۰)۔

(محمدؐ باپ نہیں کسی کا تمھارے مَردوں میں سے لیکن رسول ھے اَللّٰہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ھے اَللّٰہ سب چیزوں کو جاننے والا۔)۔

چونکہ اسلام مکمل دین اور نبی پاک ﷺ پر نبوت ختم ،اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولادِ آدمؑ، نسل انسانی اور دنیا کے تمام انسانوں کیلئے اس فرمان مبارک کا اعلان فرمادیا

''وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ ا لْاِ سْلَامِ دِیْنًا

فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج

وَھُوَ فِی ا لْاٰ خِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

(آل عمران : ۸۵)۔

(اور جو کوئی چاھے سِوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ھرگز قبول نہ ھوگا ، اور وہ آخرت میں خراب ھے۔)

آج نہیں تو کل مرنے کے بعد حشر کے دن

"وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○"

(الفرقان : ۲۷،۲۸)۔

(اور جس دن کاٹ کاٹ کھانیگا ظالم اپنے ھاتھوں کو کھیگا ،اے کاش کہ میں نے پکڑا ھوتا رسول کے ساتھ رستہ اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ھوتا میں نے فلانے کو دوست۔)۔

الحاصل اللہ تبارک وتعالیٰ کا آخری دین اسلام، آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ رب العزت کا پسندیدہ اور نجات دہندہ مذہب صرف اسلام ہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ ہر انسان کو رُشد وہدایت پر چلنے اور حق وصداقت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین ثم امین۔

اک رات تھی بسر ہو گئی
جاتا ہوں میں سحر ہو گئی
قیامت تک تیرا انتظار کر لیں گے
مگر یہ رنج رہے گا کہ زندگی کم ہے

"وَالسَّلٰمُ عَلٰے مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى"

بشیر احمد حسینی

پاکستان - ایشیا

جمعۃ المبارک، ۱۲، رجب ۱۴۲۳ھ

بمطابق ۲۰ ستمبر ۲۰۰۲ء

حسینی صاحب کی تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
۱	آخری نبیؐ اور تورات موسویؑ	9	الست بربکم
۲	اِسلام اور عیسائیت	۱۰	ہمارے صحابہؓ
۳	تحقیق وہ مددگار	۱۱	ایک خط کا جواب
۴	بشارت عیسٰیؑ	۱۲	معارف سورۃ یوسف
۵	محمد یمؑ کون ہے؟	۱۳	تین عقیدے
۶	بائبل سے نبوت کی پہچان	۱۴	بابری مسجد کا انتقام اور بھارت کا انجام
۷	خیر البیان	۱۵	تحقیق مسئلہ بشریت
۸	بائبل اور تحریف	۱۶	جواب مسلم
		۱۷	فضیلت بشریت

(ملنے کا پتہ)

اسلامی کتب خانہ منیاری بازار شور کوٹ کینٹ ضلع جھنگ پاکستان

اسلام اور عیسائیت

بار دوم

لاجواب اور بے مثال کتاب

جس میں صداقت اسلام پر بائبل سے انیس (۱۹) بشارتیں نقل کی گئی ہیں۔ نیز اعتراضات کے جوابات عمدہ طریقہ اور احسن سلیقہ سے تحریر کئے گئے ہیں۔

بشیر احمد حسینی

صفحات ۵۲۸

قیمت ۱۲۰ روپے

ملنے کا پتہ

اسلامی کتب خانہ منیاری بازار

شورکوٹ کینٹ ضلع جھنگ

میں مسلمان کیوں ہوا؟

"1985" کی بات ہے کہ میں اور میری والدہ محترمہ کراچی کے ایک علاقے کلفٹن میں ایک فرانسیسی استاد مسٹر مورل کے بنگلے میں کام کیا کرتے تھے...... ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سمندری طوفان میں، ہمارے جھونپڑی نما مکان کے اردگرد کے مکانات گر رہے تھے مگر ہماری گھاس پھونس کی بنی ہوئی جھونپڑی صحیح سلامت کھڑی تھی۔ اچانک غیب سے آواز آئی ''اے خالد'' اپنے دل سے کفر نکال دو'' .... میرا اصلی نام یوئیل کندن تھا، مگر ایک عرب بچے کے نام سے متاثر ہو کر میں نے اپنا نام خالد رکھ لیا تھا .... آنکھ کھلنے کے بعد کافی دن تک میں پریشان رہا۔ سوچنے لگا کہ کیا جس مذہب پر میں ہوں وہ صحیح نہیں یا میں خود ٹھیک نہیں، اس دوران محلے میں تبلیغی جماعت والے آئے اور کہنے لگے ''مسجد میں اللہ رسول کی بات ہو رہی ہے آپ بھی مسجد میں چلیں'' میں یہ کہنے کے بجائے کہ ''میں عیسائی ہوں'' بہانہ بنا کر گھر چلا آیا لیکن میں ان کی محبت بھری دعوت کو بھول نہ پایا...... رمضان کی آمد آمد تھی۔ میرے دل میں مسلمانوں والا روزہ رکھنے کا خیال آیا، روزہ رکھ لیا۔ خیال آیا نماز بھی پڑھنے چاہیے، میں نے خود بخود کلمہ طیبہ پڑھ لیا اس کے بعد قریبی مسجد میں امام کے پیچھے الٹی سیدھی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد جو سکون اور حلاوت محسوس ہوئی، اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ پھر ایک دن مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی میں باقاعدہ ایک مفتی صاحب کے روبرو دین اسلام قبول کیا۔ منگیتر سے بات کی، وہ بھی مسلمان ہوگئی۔ ہم نے کورٹ میرج کر لی۔ خاندان میں ایک طوفان کھڑا ہوگیا عیسائیوں سے کافی بحث ہوئی مگر الحمد للہ کہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم کی کتاب ''عیسائیت کیا ہے''؟ اور فرانسیسی مصنف مورس بوکائیے کی کتاب ''بائبل قرآن اور سائنس'' اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' (بائبل سے قرآن تک) نے مجھے رد عیسائیت کی دیگر کتب سے بے نیاز کر ڈالا۔

خالد محمود (سابق یوئیل کندن)

جامعہ دار العلوم کورنگی کراچی

کتاب: ''اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام''

ناشر

محمد عمر فاروقی ناظم مکتبہ اشرفیہ

بھینس کالونی لانڈھی، کراچی نمبر ۳۴